داعی قرآن حضرۃ مولانا محمد اسلم شیخوپوری صاحب مدظلہٗ

جس میں ایسے سولہ موضوعات پر کتاب وسنت کی روشنی میں مستند مواد فراہم کیا گیا ہے جو ہماری آج کی معاشی، معاشرتی اور عائلی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں

شائع کردہ

مکتبۂ حلیمیہ

سائٹ، کراچی

پی او بکس: ۷۵۰۰۰، فون نمبر: ۲۵۶۲۴۳۴ ۲۱

حقوق بحق ناشر محفوظ

نام	:	ندائے منبر ومحراب (جلد سابع)
تالیف	:	مولانا محمد اسلم شیخوپوری
کمپوزنگ	:	نفیس کمپوزرز (۰۳۲۱-۲۱۲۵۰۰۹)
ناشر	:	مکتبہ حلیمیہ، سائٹ، کراچی
ضخامت	:	پانچ سو بیالیس (۵۴۲) صفحات
قیمت	:	(=/۲۵۰) دو سو پچاس روپے

ملنے کے پتے

☆ مولانا محمد اقبال نعمانی، صدر، کراچی

☆ اسلامی کتب خانہ، بنوری ٹاؤن، کراچی

☆ مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار، لاہور

☆ مکتبہ سید احمد شہید، اردو بازار، لاہور

فہرستِ مضامین

تمت

اِنتساب

حفظ قرآن سے لیکر دورۂ حدیث تک کم وبیش دس سال حصول علم میں گذرے۔

صبح سے شام تک کلام اللہ کے مبارک حروف، الفاظ اور آیات کا ورد، صرف ،نحو کی گردانوں، تعلیلات، اصول وقواعد، کوفیوں اور بصریوں کے اقوال پر نظر۔

امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام احمد، امام شافعی اور صاحبین رحمھم اللہ کے اختلافات دلائل اور جوابات کا تکرار۔

موضوع ،منکر، شاذ، قول، ضعیف، حسن روایات اور ثقہ غیر ثقہ، سچے اور جھوٹے راویوں کی بحث۔

فراغت کے بعد بھی یہی سلسلہ جاری رہا، درجہ فارسی سے لیکر دورۂ حدیث تک مختلف کتابوں کی تدریس کی سعادت رحیم وکریم نے محض اپنے فضل وکرم سے عطا فرمائی۔

بیسیوں شہروں اور مقامات پر اصلاحی بیانات اور قرآن کریم کے دروس کی توفیق ارزانی ہوئی۔

زبان کے ساتھ قلم بھی اشاعتِ دین کے لئے استعمال ہوتا رہا، کالم، مضامین، کتابیں اور تفسیر غرضیکہ بہت کچھ لکھا۔

عبادت کی مد میں نماز روزہ حج وعمرہ صدقہ خیرات کا سلسلہ بھی چلتا رہا۔

میں ایک دن خلوت میں بیٹھا بہت دیر تک سوچتا رہا کہ حشر کے دن جب اعمال

نامہ کھولا جائے گا وہ کونسا عمل ہوگا جو مولیٰ کے حضور پیش کرتے ہوئے نجات کا امیدوار ہوں گا، آیات کے ورود سے لیکر تفسیر تک میں نے جس عمل کی طرف بھی نظر اٹھائی دل نے دوٹوک گواہی دی، حق ادا نہیں ہو سکا، منعم حقیقی کے انعامات میں کوئی ملاوٹ نہیں تھی مگر میری بندگی ملاوٹ سے خالی نہ رہ سکی، سوچتے سوچتے آنکھیں ڈبڈبا گئیں اور اشک ندامت کا موٹا سا قطرہ میرے رخسار پر پھسلنے لگا، میں نے بارگاہ مولیٰ میں پیش کرنے کے لیے جلدی سے اسے رومال میں چھپانا چاہا مگر یوں لگا کہ دست غیب اسے پہلے ہی محفوظ کر چکا تھا..... ندائے منبر و محراب کی ساتویں جلد بے چارگی، بے عملی اور غفلت کے اعتراف کے ساتھ اسی اشک ندامت کی جانب منسوب کرتا ہوں۔

محتاجِ دعا:

محمد اسلم شیخوپوری

عرض معروض

آج سے چند سال پہلے اس ہیچمدان نے جب ''ندائے منبر ومحراب'' کی پہلی جلد لکھی تو وہ عملی زندگی کا بالکل ابتدائی اور پر جوش دور تھا، اس کتاب کو اللہ تعالیٰ نے جو مقبولیت عطا کی، ہمارا حلقۂ قارئین اس سے بخوبی آگاہ ہے، اب تو خطبات کے دسیوں مجموعے بازار میں دستیاب ہیں، لیکن جب ''ندائے منبر'' نے مارکیٹ میں قدم رکھا تھا تب خال خال کتابیں ہی نظر آتی تھیں اس کتاب کے مقدمہ میں وعدہ کیا گیا تھا کہ دس جلدیں مکمل کی جائیں گی، مگر چھ جلدوں کے بعد قلم کا مسافر ستانے کے لیے جو رکا تو رک ہی گیا، دوسری مصروفیات نے کچھ اس طرح اپنے حصار میں لیا کہ ساتویں جلد کے لیے وقت ہی نہ نکل سکا، قارئین کی محبت، خواہش اور افادہ کی ہمہ گیری کا تقاضا یہ تھا کہ جلد از جلد ایفاءِ عہد کر دیا جائے مگر درس قرآن کے مختلف حلقے، ''تسہیل البیان'' کی اہمیت وعظمت اور ''پکار'' کی ہفتہ واری ذمہ داری تاخیر در تاخیر کا سبب بنتی رہی۔

درس قرآن کے جن حلقوں کا ذکر ہوا، ان میں مدنی مسجد نارتھ ناظم آباد، القرآن کورسز بہادر آباد اور ویمنس لان بلوچ کالونی کے حلقے خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

مدنی مسجد میں ہر اتوار کو قرآن کریم کا مسلسل درس ہوتا ہے جس میں دس پارے مکمل ہو چکے ہیں، بہادر آباد اور بلوچ کالونی میں کسی متعین موضوع پر درس ہوتا ہے، جس کی بھرپور تیاری کی جاتی ہے اور اپنی بساط کی حد تک اس کا حق ادا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، موضوعات کا انتخاب حالات اور ضروریات زمانہ کو دیکھتے ہوئے خوب سوچ سمجھ کر کیا جاتا

ہے۔ بعض احباب نے مشورہ دیا کہ ان دروس کو معرض تحریر میں بھی لایا جائے، چنانچہ ان دروس پر مشتمل چند کتابچے شائع بھی ہو چکے ہیں جنھیں مختلف ساتھیوں نے کیسٹ سے نقل کیا تھا، چند ماہ پہلے مولوی محمد اسامہ سروانوی سلمہ (فاضل جامعہ دار العلوم) نے میرے معاون کے طور پر کام شروع کیا تو انہوں اس سلسلہ میں بھر پور دلچسپی کا مظاہرہ کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے کئی سوصفحات کا مسودہ تیار ہو گیا، میں نے اپنے قارئین سے جن دس جلدوں کا وعدہ کیا تھا، اس کے ایفاء کی امید نظر آئی چنانچہ میں نے ان دروس کو ''ندائے منبر ومحراب'' کی ساتویں اور آٹھویں جلد کے طور پر شائع کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

یہ دروس ٹھوس اور مستند مواد پر مشتمل ہیں، ان کی تیاری کے سلسلہ میں سب سے زیادہ استفادہ کتاب اللہ اور حدیث رسول اللہ ہی سے کیا گیا ہے، ان دو بنیادی ماخذ کے علاوہ اپنے مشائخ کی تالیفات سے بھی رہنمائی لی گئی ہے، رطب ویابس اور غیر مستند قصوں اور کہانیوں سے حتی الوسع اجتناب کیا گیا ہے۔

زیر نظر مجموعہ میں زیادہ تر ایسے موضوعات زیر بحث آئے ہیں جن کے حوالے سے عام طور پر منبر ومحراب سے آواز نہیں اٹھائی جاتی۔ مختلف اسباب کی بناء پر ہمارے بعض خطباء اور ائمہ حضرات چند رٹے رٹائے موضوعات اور فرقہ وارانہ مسائل کے حوالے سے تقریر کرنے کے عادی ہو چکے ہیں جس کا نتیجہ یہ سامنے آرہا ہے کہ ہمارے جلسوں، محفلوں اور اجتماعات میں زیادہ تر ایسے افراد شریک ہوتے ہیں جن کی ذہنی سطح زیادہ بلند نہیں ہوتی۔

مخصوص عنوانات پر بولنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اکثر مقررین خود تیاری کرنے کے بجائے شائع شدہ خطبات سے مواد لیتے ہیں اور ان خطبات میں انہیں وہی کچھ ملتا ہے جس

کا ذکر ہوا۔

مجھے معلوم ہے کہ یہ سطور پڑھ کر کئی جبینیں شکن آلود ہوں گی مگر ہمارے چیں بجبیں ہونے سے یہ حقیقت نہیں چھپ سکتی کہ ہم نے قرآن کریم سے اعراض اور تغافل کا رویہ اختیار کر رکھا ہے، درس قرآن کے حلقے سکڑتے سکڑتے معدوم ہوتے جا رہے ہیں، ہماری تقریروں میں قرآنی آیات سے استدلال نہ ہونے کے برابر ہوتا ہے، زیادہ زور قصوں کہانیوں اور لطائف وظرائف پر دیا جاتا ہے، جبکہ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنے اسلوب اور انداز کو بدلیں، اپنی دعوت کی بنیاد قرآن کو بنائیں، قرآن ہی میں اللہ تعالیٰ نے یہ صلاحیت رکھی ہے کہ وہ تعلیم یافتہ اور جاہل، ڈاکٹر اور سائنسدان ہر کسی کے ذہن کو بدل سکتا ہے، اگر ہم نے اپنے انداز کو نہ بدلا تو سخت اندیشہ ہے کہ سوسائٹی میں قابل ذکر کردار ادا کرنے کی صلاحیت رکھنے والا طبقہ بتدریج ہم سے دور ہوتا چلا جائے گا۔

کوئی بڑا دعویٰ تو نہیں کیا جا سکتا لیکن امید ہے کہ خطابت کے میدان میں رواج پذیر اسلوب کو قرآنی اسلوب میں بدلنے میں کسی نہ کسی حد تک یہ کتاب بھی کردار ادا کرے گی، اس میں القرآن کورسز نیٹ ورک کے زیر انتظام دیئے گئے لیکچرز کے علاوہ مدنی مسجد کے بعض دروس بھی شامل ہیں مثلاً سورۂ حجرات کی مکمل تفسیر آٹھویں جلد میں اور سورۂ کہف کے مضامین کا خلاصہ ساتویں جلد میں آپ موجود پائیں گے۔

ممکن ہے کسی قاری کے ذہن میں یہ اشکال پیدا ہو کہ خود ندائے منبر کی پہلی جلدوں میں بعض ضعیف روایات اور چلتے پھرتے قصے بھی آ گئے ہیں تو گذارش ہے کہ آپ ان کی نشاندہی فرمائیں، نئے ایڈیشن میں انہیں نکال دیا جائے گا ویسے میں خود بھی نظر ثانی کے لئے

تحقیقی ذوق رکھنے والے کسی صاحب علم کی تلاش میں ہوں جونہی کوئی صاحب دستیاب ہو گئے یہ کام ان کے حوالے کر دیا جائے گا۔

ندائے منبر کے قارئین ہر موضوع کی مناسبت سے اشعار کے عادی ہو چکے ہیں مگر اب انہیں باقی ماندہ جلدیں اشعار سے خالی ملیں گی، یہ کہتے ہوئے پیشگی معذرت خواہ ہوں کہ

''میرے محبوب مجھ سے پہلی سی محبت نہ مانگ''

پروف ریڈنگ کا فریضہ دو علماء نے ادا کیا ہے پھر بھی کوئی کمی بیشی رہ گئی ہو تو اطلاع دے کر ممنون فرمائیں۔

محتاج دعا:

محمد اسلم شیخوپوری

دجالی تہذیب (1)

الحمدللّٰہ وحدہ والصّلوۃ والسّلام علی من لا نبی بعدہ، أما بعد!

فأعوذ باللّٰہ من الشیطن الرجیم

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

﴿ الحمدللّٰہ الذی أنزل علی عبدہ الکتٰب ولم یجعل لہ عوجا ﴾

گرامی قدر حاضرین! گزشتہ درس کے آخر میں اعلان کیا گیا تھا کہ دجالی تہذیب اور دجالی فتنہ کے حوالے سے آپ کے سامنے گفتگو کی جائے گی، تو اس موضوع پر بیان کرنے کے لیے میں نے علامتی طور پر سورۂ کہف کی ابتدائی آیت تلاوت کی ہے، ''علامتی طور'' پر اس لیے کہہ رہا ہوں کہ کیونکہ اصل میں پوری سورۂ کہف کا خلاصہ عرض کرنا مقصود ہے، اس سورہ کو دجالی فتنہ اور دجالی تہذیب کے ساتھ گہری مناسبت ہے لیکن اس مناسبت کو جاننے سے پہلے آپ یہ بات ذہن نشین کرلیں کہ دجال کا فتنہ اتنا بڑا فتنہ ہوگا کہ چودہ سو سال پہلے ہمارے آقا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے اس فتنہ سے اپنی قوم کو ڈرایا تھا۔

(بخاری:۲/۱۰۵۵/ باب ذکر الدجال)

بخاری اور مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا میں اس فتنہ سے اپنی امت کو ڈرا رہا ہوں جس سے ہر نبی نے اپنی امت کو ڈرایا یہاں تک کہ آدمِ ثانی حضرت نوح علیہ السلام نے بھی اپنی قوم کو اس فتنہ سے ڈرایا تھا۔

(بخاری:۲/۱۰۵۵/ باب ذکر الدجال)

اور صحیح مسلم میں حضرت عمران بن حصین ﷜ سے روایت ہے کہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تخلیق سے لے کر قیامت قائم ہونے تک دجال کے فتنہ سے بڑا فتنہ واقع نہیں ہوا۔

دجال کی حقیقت

آپ کے ذہن میں لازماً یہ سوال اٹھے گا کہ دجال کا تعارف کیا ہے؟ اس کی حقیقت کیا ہے؟ تو بات یہ ہے کہ یہ جو لفظ دجال ہے یہی اس کا سب سے بڑا تعارف ہے، عربی زبان میں دجال کا معنی ہے: جھوٹا، ملمع ساز، فریبی، جس کا ظاہر کچھ ہو اور باطن کچھ ہو، جب عرب "دجلت السّیف" کہتے ہیں تو اس کا معنی ہوتا ہے کہ میں نے لوہے کی تلوار پر سونے کا پانی چڑھا دیا، اصل میں تو تلوار لوہے کی ہے مگر اوپر سونے کا پانی چڑھا دیا ہے جس کی وجہ سے وہ تلوار سونے سے بنی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔

دجال کا سب سے بڑا تعارف یہ ہے کہ وہ بہت بڑا ملمع ساز اور فریبی ہوگا وہ عالمی حقیقتوں کو بدلنے کی کوشش کرے گا، جھوٹ کے بغیر وہ ایک قدم بھی نہیں چل سکے گا۔

حضرت حذیفہ بن یمان ﷜ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس کے ساتھ آگ اور پانی ہوگا، جسے وہ آگ کہے گا وہ حقیقت میں پانی ہوگا اور جسے وہ پانی کہے گا وہ حقیقت میں آگ ہوگی۔ (مسلم:۲/۴۰۰)

حضرت ابوہریرہ ﷜ کہتے ہیں کہ آقا ﷺ نے فرمایا دجال کے ساتھ جنت بھی ہوگی اور دوزخ بھی ہوگی جسے وہ جنت کہے گا وہ حقیقت میں دوزخ ہوگی اور جسے وہ دوزخ کہے گا وہ حقیقت میں جنت ہوگی۔ (مسلم:۲/۴۰۰)

یورپ کی تہذیب، امریکہ کی تہذیب، عہد حاضر کی تہذیب، دجالی تہذیب ہے، اس تہذیب میں وہی کچھ ہو رہا ہے جو کچھ دجال کرے گا، ملمع سازی، جھوٹا پروپیگنڈا، فریب کاری، حقائق کچھ ہوتے ہیں، نام کچھ اور رکھ لیا جاتا ہے، اس تہذیب کے علمبردار دنیا کے سامنے ایک نظریہ پیش کرتے ہیں یا ایک نعرہ لگاتے ہیں، پھر میڈیا کے ذریعے اس کا اتنا پرچار کرتے ہیں کہ بلاسوچے سمجھے ہر شخص کے دل میں اس کی عقیدت اور محبت بیٹھ جاتی ہے، مثال کے طور پر حریت، جمہوریت، انسانی حقوق اور آزادی نسواں، ہر شخص کہتا ہے کہ یہ چیزیں ہونی چاہئیں، کوئی اس پہلو کی طرف توجہ نہیں دیتا کہ یورپی تہذیب میں ان پرکشش الفاظ کا کیا مفہوم مراد لیا جاتا ہے، ان کے نزدیک حریت کا مطلب ہے مادر پدر آزادی.....

جو چاہو کرو.....

جیسے چاہو کرو.....

جو چاہو لکھو.....

جو چاہو چھاپو.....

ہر چیز کی آزادی.....

حرام کھاؤ یا حلال.....

نکاح کرو یا زنا.....

مذہب پر تنقید کرو یا قرآن اور حدیث پر.....

ہر چیز کی آزادی ہے.....

سوچئے کہ ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہم ایسی آزادی کو برداشت کر سکتے ہیں؟

جمہوریت کا مطلب یہ ہے کہ اکثریت کی رائے معتبر ہوگی، اگر اکثریت ہم جنس پرستی کو جائز کہتی ہے تو ہم جنس پرستی جائز ہوگی۔

انسانی حقوق کا مطلب یہ ہے کہ جہاں کہیں یورپ والوں کے تجارتی، معاشی اور سیاسی مفادات کو نقصان پہنچ رہا ہو وہاں وہ انسانی حقوق کا نعرہ لگا کر حکومتیں بدل دیتے ہیں، بمباری کر کے تباہی مچادیتے ہیں، بستیوں کی بستیاں اور شہروں کے شہر ویران کر دیتے ہیں۔

آزادی نسواں کا مطلب یہ ہے کہ عورت کو گھر سے باہر نکال دیا جائے، اس کی زندگی کا مقصد صرف یہ ہو کہ وہ مرد کا دل لبھائے اور اس کی جنسی پیاس بجھائے، ماں، بہن اور بیٹی کا تقدس ختم ہو جائے۔

آپ خود سوچیے کہ ان خوبصورت اور پرکشش نعروں کے پیچھے یہ جو زہریلے مقاصد چھپے ہوئے ہیں، اسلام ان کی کہاں اجازت دیتا ہے مگر یہ نعرے ایسے ہیں کہ ہر کوئی لگا رہا ہے، مسلم صحافی اور لیڈر بھی کہہ رہے ہیں کہ ہاں جی جمہوریت کے بغیر ملک نہیں چل سکتا اور یہ کہ عورتوں کو آزادی ملنی چاہیے۔

ایسا کیوں ہو رہا ہے؟ یہ سب کچھ دجالی تہذیب کے علمبردار کر رہے ہیں انہوں نے پروپیگنڈا کے زور پر ہمارے ذہنوں میں ان الفاظ کی محبت بٹھادی ہے، یونہی بعض الفاظ کی نفرت وہ ہمارے ذہنوں میں بٹھا دیتے ہیں جیسے آج کل دہشت گردی کا لفظ ہے، انہوں نے دہشت گردی کا کچھ ایسا مفہوم پیش کیا ہے کہ جہاد کو بھی دہشت گردی بنا کر رکھ دیا ہے اور بتدریج ایسی فضا بن رہی ہے کہ دین کے سارے تقاضوں پر عمل کرنے والے ہر مسلمان کو دہشت گرد سمجھا جانے لگے گا۔

فانی زندگی سے شدید محبت

اس مادّی اور دجالی تہذیب کی دوسری خصوصیت فانی زندگی سے شدید محبت ہے، اس تہذیب سے متاثر ہونے والوں کو دنیا کی زندگی سے عشق ہو جاتا ہے، ان کی ساری جدوجہد اسی کے لیے ہوتی ہے، کہاں تو ہمارے آقا ﷺ کا یہ نعرہ کہ:

" اللّٰھم لا عیش الّا عیش الآخرة."(بخاری: ٣٧١٠، مسلم: ٤٦٢٧)

''اے اللہ! زندگی تو بس آخرت کی زندگی ہے۔''

اسی طرح قرآن کھول کر دیکھیں تو بار بار آخرت کا تذکرہ ہے دنیا کی زندگی کو قرآن کھیل تماشا کہتا ہے اور آخرت کی زندگی حقیقی اور باقی رہنے والی زندگی قرار دیتا ہے، جب کہ مادیت پرستوں کی ساری کوششیں دنیا کی زندگی کو طویل اور آرام دہ بنانے میں صرف ہوتی ہیں، جس کا نتیجہ یہ سامنے آرہا ہے کہ مادی وسائل کی فراوانی اور کثرت کے باوجود دل تاریک ہیں جیسا کہ حضرت اقبال نے کہا تھا۔

یہ عیشِ فراواں یہ حکومت یہ تجارت
دل سینۂ بے نور ہیں محرومِ تسلی
تاریک ہے افرنگ مشینوں کے دھوئیں سے
یہ وادیٔ ایمن نہیں شایانِ تجلی

سورۃ کی مناسبت

دجال اور دجالی تہذیب کے اس مختصر تعارف کے بعد یہ سمجھنے کی کوشش کیجئے کہ سورۂ کہف کا فتنۂ دجال سے کیا خصوصی تعلق ہے؟ آخر کوئی مناسبت تو ہے جس کی وجہ سے حضور

اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ جو شخص سورۂ کہف کو اسی طرح پڑھے گا جس طرح کہ وہ نازل ہوئی ہے تو اس پر دجال قابو نہیں پا سکے گا۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ جو شخص اس سورۃ کی پہلی دس آیات پڑھے گا وہ دجال کے فتنے سے محفوظ رہے گا۔ (أبوداؤد:۲/۲۴۶)

انہی روایات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے باتوفیق بندے ہر جمعے سورۂ کہف پڑھنے کا اہتمام کرتے ہیں اور نیک والدین اپنی اولاد کو اس کے پڑھنے کی تلقین کرتے رہتے ہیں۔

حضرت علی میاں صاحب رحمہ اللہ کا نتیجۂ فکر

مفکرِ اسلام حضرت مولانا علی میاں نور اللہ مرقدہٗ نے اس سورۃ کے مضامین بیان کرنے کے لیے ''معرکۂ ایمان و مادیت'' کے عنوان سے ایک مستقل کتاب لکھی ہے، اس میں انہوں نے لکھا ہے کہ میری والدۂ مرحومہ مجھے ہر جمعہ سورۂ کہف پڑھنے کی تلقین کیا کرتی تھیں، وقتاً فوقتاً میرا محاسبہ بھی کرتی رہتی تھیں کہ ان کے حکم پر عمل ہو رہا ہے یا نہیں۔

ہر جمعہ مستقل طور پر پڑھنے سے مجھے یہ سورت زبانی یاد ہوگئی، بعد میں حدیث نبوی ﷺ کے مطالعہ کے دوران مجھے اس بات کا علم ہوا کہ سورۂ کہف کو دجال سے حفاظت کا ذریعہ بتایا گیا ہے، میں نے دل میں سوچا کہ یقیناً اس سورت میں ایسی تدبیریں بتائی گئی ہوں گی جو دجال کے فتنہ سے بچا سکتی ہیں، میں اس تعلق کے بارے میں جو اس سورت کو فتنۂ دجال سے ہے غور و فکر کرتا رہا یہاں تک کہ میں نے جان لیا کہ سورت کہف میں اس زہر کا تریاق اور علاج موجود ہے، جو دجال پھیلائے گا اور اس میں ایسی تعلیمات ہیں جو انسان کے ذہن کو دجال کے مقابلہ کے لیے تیار کرتی ہیں، جب اس کے مضامین کے بارے میں

غور و فکر کیا تو پتہ چلا کہ اس پوری سورت کا موضوع "ایمان اور مادّیت کی کشمکش" ہے۔

اس موضوع کی وضاحت کے لیے اس میں چار قصے بیان کیے گئے ہیں، ان قصوں کے ذریعے یہ بات سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ اسباب ہی سب کچھ نہیں ہیں بلکہ اصل تو مسبب الاسباب ہے۔

اسباب اور مسبب الاسباب

اس میں شک نہیں کہ یہ عالم، عالمِ اسباب ہے، غلہ اور دوسری نباتات اگانے اور حاصل کرنے کے لیے بیج کو زمین میں کاشت کرنا ضروری ہے......

کسی چیز کو پکانے کے لیے آگ پر رکھنا ضروری ہے......

پیاس لگی ہو تو سیراب ہونے کے لیے پانی پینا ضروری ہے......

جب زہر کھایا جائے گا تو ہلاکت یقینی ہے ......

جب آگ میں چھلانگ لگائی جائے گی تو جلنا لازمی ہے......

یہ سب اسباب ہیں اور یہ سب اسباب اللہ تعالیٰ کے حکم سے اثر کرتے ہیں لیکن بعض لوگ ان اسباب میں اتنا غلو کرتے ہیں کہ وہ سمجھتے ہیں کہ اسباب کے بغیر کوئی نتیجہ ہی برآمد نہیں ہوگا۔ انسان نے اسباب کی غلامی اور پرستش شروع کر دی ہے اس کا خیال ہے کہ اسباب ہی سب کچھ ہیں اور یہ مؤثر بالذات ہیں، کافروں میں یہی نظریہ مقبول ہو چکا ہے اور اسے انہوں نے ایک عقیدے کی حیثیت دے دی ہے، یہ نظریہ دجالی تہذیب کی پہچان ہے۔

دوسرا نظریہ یہ ہے کہ ان اسباب کے علاوہ ایک غیبی قوت بھی ہے جو نتائج کو اسبا سے جدا کرتی ہے، اگر اس کا حکم ہو تو اسباب اثر کرتے ہیں ورنہ اسباب اثر نہیں کرتے

آگ اسی کے حکم سے جلاتی ہے......

پانی اسی کے حکم سے بجھاتا ہے......

دانہ اسی کے حکم سے اُگتا ہے......

بادل اسی کے حکم سے بارش برساتا ہے......

یہی بات سمجھانے کے لیے اس سورت میں چار قصے بیان کیے گئے ہیں۔

پہلا قصہ

پہلا قصہ اصحاب کہف کا ہے یعنی ان چھ یا سات نوجوانوں کا قصہ جو اپنا ایمان بچانے کے لیے شہر کی راحت اور سکون والی زندگی چھوڑ کر ایک غار میں چلے گئے تھے۔

اصل میں روم کے کسی شہر میں ایک مشرک اور ظالم بادشاہ تھا جو عوام کو شرک پر مجبور کرتا تھا، اکثر لوگوں نے اس کے ظلم اور سزاؤں سے ڈر کر بت پرستی شروع کر دی لیکن چند باہمت لوگ ڈٹ گئے اور انہوں نے شرک اور بت پرستی سے انکار کر دیا، ان باہمت لوگوں میں سات نوجوان بھی تھے جو کھاتے پیتے گھرانوں اور معزز خاندانوں سے تعلق رکھتے تھے، جب انہیں بت پرستی پر مجبور کیا گیا تو اب ان کے سامنے دو راستے تھے ایک مادیت کا راستہ اور دوسرا روحانیت کا راستہ، ایک راستہ یہ تھا کہ وہ حکومت کے سامنے سر جھکا دیں اور عزت، دولت، شہرت اور معیار کی بلندی حاصل کر لیں، دوسرا راستہ یہ تھا کہ وہ قربانی دیں اور اپنا ایمان بچا لیں، ایک طرف اسباب و وسائل تھے جو حکومت کے قبضے میں تھے......

نہ حکومت کے بغیر انہیں نوکری مل سکتی تھی......

نہ وہ پیٹ بھر سکتے تھے......

نہ سکون اور سلامتی کے ساتھ رہ سکتے تھے......

دوسری طرف اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان اور یقین تھا وہ جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر کچھ بھی نہیں ہو سکتا، اللہ تعالیٰ جس پر نظر کرم کرتا ہے اسے رزق بھی عطا کر دیتا ہے، اسے تحفظ اور سلامتی بھی حاصل ہو جاتی ہے، سارا زمانہ مل کر بھی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا، دونوں پہلوؤں پر غور و فکر کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ نہیں!

ہمیں ہر صورت میں ایمان بچانا ہے......

اسباب پر نہیں، مسبب الاسباب پر نظر رکھنی ہے......

مادیت کے بجائے روحانیت کو ترجیح دینی ہے......

کچھ بھی ہو جائے ہم شرک کا ارتکاب نہیں کریں گے......

انہوں نے ایمان کو بچانے کا ارادہ کر لیا، اللہ تعالیٰ نے ان کے ارادے میں پختگی پیدا فرما دی، ان کے ذہن یکسو ہو گئے اور دل بڑا مضبوط ہو گیا، انہوں نے طے کر لیا کچھ بھی ہو جائے اللہ تعالیٰ کو ناراض نہیں کریں گے، رزق کی خاطر، دولت کی خاطر، عہدوں کی خاطر، خاندان اور قبیلے کی خاطر شرک نہیں کریں گے لیکن اب ان کے سامنے بڑا نازک اور اہم سوال یہ تھا کہ جب زمین تنگ ہو چکی، حکومت ناراض ہے تو اب ایمان کی حفاظت کیسے کی جائے اور عقیدۂ توحید پر کیسے قائم رہا جائے؟ اس موقع پر ایمان نے ان کی دست گیری کی اور ان کے دل میں یہ یقین پیدا ہو گیا کہ مخالف حالات کے باوجود ایمان کو بچانا کچھ مشکل نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی زمین بڑی وسیع ہے، یہاں نہیں تو کسی اور جگہ سہی، اگر شہر میں ہمارے لیے جگہ نہیں تو جنگل اور ویرانہ ہی سہی، اگر آبادیاں ہمیں جگہ دینے کے لیے آمادہ نہیں ہیں تو

پہاڑوں کے غار ہی سہی، قرآن کہتا ہے کہ انہوں نے دوٹوک انداز میں فیصلہ کرلیا:

﴿ وَإِذِ اعْتَزَلْتُمُوهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ فَأْوُوا إِلَى الْكَهْفِ يَنشُرْ لَكُمْ رَبُّكُم مِّن رَّحْمَتِهِ وَيُهَيِّئْ لَكُم مِّنْ أَمْرِكُم مِّرْفَقًا ﴾

(سورۃ کهف: ۱۶/۱۵)

ترجمہ: ''اور جب تم نے ان مشرکوں سے اور جن کی یہ عبادت کرتے ہیں اللہ کو چھوڑ کر، ان سے کنارہ کرہی لیا ہے تو غار میں چل رہو، تمہارا پروردگار تمہارے لیے اپنی رحمت وسیع کر دے گا اور تمہارے کاموں میں آسانی کے سامان مہیا کرے گا۔''

یہ ساتوں نوجوان محض اللہ تعالیٰ کے توکل پر ایمان بچانے کے لیے نکل کھڑے ہوئے ایک کتا بھی ان کے ساتھ ہولیا، چلتے چلتے ایک غار تک جا پہنچے، اس غار کو انہوں نے عبادت و ریاضت اور سکونت کے لیے پسند کرلیا اس غار میں انہیں وہ سکون ملا جو بادشاہوں کو محلات میں بھی نہیں ملتا اور کیسے نہ ملتا کہ یہ اللہ کی رضا کی خاطر عیش وعشرت کی زندگی کو ٹھوکر مار کر آئے تھے اور جو لوگ اللہ کے لیے ظاہری اسباب کو چھوڑتے ہیں انہیں اللہ تعالیٰ اسباب کے بغیر ہی سکون کی لازوال دولت عطا فرمادیتا ہے، ان نوجوانوں نے غار میں ذکر وعبادت کا سلسلہ جاری رکھا اور جو زادِراہ ساتھ لائے تھے اس سے گزارہ کرتے رہے، جب وہ باقی نہ رہا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر گہری نیند مسلط فرمادی پھر وہ دو چار سال نہیں تین سو نو سال سوتے رہے۔

حالات کی تبدیلی

نیند کی حالت میں اللہ تعالیٰ ہی ان کی کروٹ بدلتا رہا تا کہ وہ ایک طرف پڑے پڑے

گل سڑ نہ جائیں اور اللہ ہی انہیں سورج کی تپش سے بچاتا رہا۔ ادھر یہ سکون کی نیند سوتے اور جنت کے مزے لیتے رہے، ادھر روم میں اکھاڑ پچھاڑ جاری رہی، حالات بدلتے رہے، حکمران آتے جاتے رہے، مشرکوں کا اقتدار ختم ہوگیا اور موحدوں کو رب تعالیٰ نے حکومت عطا فرمادی۔

توحید پرست نوجوان نیند سے بیدار ہوئے تو انہیں بھوک نے ستایا، انہوں نے مشورہ کے بعد طے کیا کہ کسی ساتھی کو شہر کی طرف روانہ کیا جائے جو ہماری موجودگی کا راز فاش کیے بغیر وہاں سے لذیذ اور پاک کھانا لے کر آئے، جانے والے کو انہوں نے خوب اچھی طرح سمجھا دیا کہ شہر میں جا کر بڑی محبت اور حکمت سے بات کرنا، کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی کے ساتھ جھگڑا کر بیٹھو اور پھر تمہارے ساتھ ہم سب بھی پکڑے جائیں، وہ یہ تو جانتے ہی نہ تھے کہ حالات بدل چکے ہیں اور اب ملک پر ہمارے دشمنوں کے بجائے ہمارے دوستوں اور ہم خیالوں کی حکومت قائم ہوچکی ہے۔

یہ نوجوان جب کھانا لینے کے لیے ہوٹل یا دکان پر پہنچا تو اس نے خریداری کے لیے وہ سکے پیش کیے جو تین سو سال پہلے ملک میں رائج تھے اور شہر سے ہجرت کرتے ہوئے یہ لوگ اپنے ساتھ لے گئے تھے، بس ان سکوں نے راز فاش کردیا، ایک دکاندار نے دوسرے کو اور دوسرے نے تیسرے کو بتا دیا دیکھتے ہی دیکھتے جمگھٹا لگ گیا، چہ میگوئیاں شروع ہوگئیں، اس نوجوان پر سوالات کی بوچھاڑ شروع ہوگئی:

کون ہو؟

کہاں سے آئے ہو؟

یہ کرنسی کون سے ملک کی ہے؟

کہیں تم ہمارے دشمنوں کے جاسوس تو نہیں ہو؟

مجبوراً اسے بھی راز فاش کرنا ہی پڑا، اس نے بتا دیا کہ میں ان سات نوجوانوں میں سے ایک ہوں، جو تین صدیاں پہلے عقیدۂ توحید کی حفاظت کے لیے ہجرت پر مجبور ہو گئے تھے اور جن کی ہجرت اور راتوں رات روپوشی کی داستان بچے بچے کی زبان پر ہے اور آج بھی مائیں ان کی قربانی کا قصہ سنا کر بچوں کو مادیت کے مقابلے میں ایمان کو ترجیح دینے کی ترغیب دیتی رہتی ہیں...... یہ سارا معاملہ ہوتے ہوتے بادشاہ کے کانوں تک بھی پہنچ گیا اور پورے شہر کو اس نے اپنی طرف متوجہ کر لیا لوگ ان نوجوانوں کی زیارت کے لیے دیوانہ وار جمع ہونے لگے اور امراء اور وزراء کی قیادت میں اس غار کی طرف روانہ ہو گئے جہاں یہ نوجوان روپوش تھے، عجیب منظر تھا کل کے ''زیرو آج کے ہیرو'' بن گئے تھے، مشرک حکومت جنہیں کچل دینا چاہتی تھی، موحد حکومت کے ذمہ دار انہیں سر آنکھوں پر بٹھانے کے لیے تیار تھے، یہ حقیقت ہر کسی کی سمجھ میں آ رہی تھی کہ آخری فتح ایمان والوں ہی کی ہوتی ہے، بالآخر روحانیت، مادیت پر غالب آ کر رہتی ہے، جو ظاہر پرست اور جلد باز ہوتے ہیں وہ دنیا کی چمک دمک دیکھ کر ایمان سے منہ موڑ لیتے ہیں لیکن جنہیں اللہ تعالیٰ ایمانی نور اور بصیرت عطا فرما دیتا ہے وہ چڑھتے سورج سے بھی متاثر نہیں ہوتے وہ ہر حال میں حق کا ساتھ دیتے ہیں چاہے اس میں ظاہری اعتبار سے کتنی ہی مشکلات اور پریشانیاں نظر کیوں نہ آتی ہوں اصحابِ کہف کا قصہ ایسے لوگوں کے لیے اپنے اندر عبرت اور نصیحت کا بہت سارا سامان رکھتا ہے، جو ظاہری چمک دمک دیکھ کر ایمان کا دامن چھوڑ دیتے ہیں۔ جن نوجوانوں نے ایمان

بچانے کے لیے ظاہری عزت اور وجاہت کو ٹھوکر ماردی تھی عزت اور وجاہت ان کے قدموں پر قربان ہونے کے لیے تیار تھی، کل جنہیں روپوشی کے لیے پورے ملک میں کوئی مکان تک میسر نہ تھا، آج پورا ملک ان کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے بے تاب ہورہا تھا۔ اپنے حکام اور وزراء کی قیادت میں عوام کا جم غفیر جب اس غار کے دہانے تک پہنچا تو اللہ تعالیٰ نے ان ساتوں کو غائب کردیا اور یہ لوگ ان کی زیارت کا شرف حاصل نہ کرسکے آج کے درس کو یہیں پر ختم کرتے ہیں، اس سورۃ کے بقیہ مضامین کا خلاصہ انشاء اللہ اگلے درس میں بیان کیا جائے گا۔

وآخر دعوانا أن الحمدلله رب العلمين

دجالی تہذیب (2)

الحمدللّٰہ وحدہ والصلوۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ، أما بعد!

فأعوذ باللّٰہ من الشیطن الرجیم

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِأَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ أَعْنَابٍ وَحَفَفْنَاهُمَا بِنَخْلٍ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا ﴿٣٢﴾

(سورۂ کہف:۱۸/۳۲)

بزرگانِ محترم وبرادرانِ عزیز!

گزشتہ درس میں جو کچھ عرض کیا گیا اس کا خلاصہ یہ تھا کہ ہمارے آقا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے دجال کے فتنے سے بہت ڈرایا ہے آپ نے یہاں تک فرمایا کہ آدم علیہ السلام کی تخلیق سے لے کر قیامت تک دجال کے فتنے سے بڑا فتنہ نہ ہوا نہ ہوگا، دوسری بات آپ نے یہ فرمائی کی جو شخص سورۂ کہف پڑھنے کا معمول بنالے گا اللہ تعالیٰ دجال کے فتنے سے اس کی حفاظت فرمائے گا۔ تیسری بات جو عرض کی گئی وہ یہ تھی کہ فتنۂ دجال کے ساتھ اس سورت کی کیا مناسبت ہے؟ اس نکتے کے حوالے سے اور اس سوال کے حوالے سے عرض کیا گیا کہ حضرت علی میاں صاحب نوراللہ مرقدہٗ فرماتے ہیں کہ اصل میں سورۂ کہف کا موضوع مادّیت اور ایمان کی کشمکش کو بیان کرنا ہے اور اس موضوع کی وضاحت کے لیے اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں چار قصے بیان فرمائے ہیں یہ چاروں قصے اسی موضوع کے اردگرد گھومتے ہیں۔ ایمان اور مادّیت کا ٹکراؤ اور کشمکش۔

گویا کہ کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو......

اللہ پر...... اللہ کی ذات پر...... اللہ کی صفات پر...... اللہ کی قدرت پر...... غیبی حقائق پر...... آخرت پر...... تقدیر اور جزا و سزا پر ایمان رکھتے ہوں گے...... اور کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو اسباب...... مادیت...... دنیا اور مال و دولت ہی کو سب کچھ سمجھتے ہوں گے......

پہلا قصہ

پہلا قصہ ان سات نوجوانوں کا ہے جنہوں نے ایمان بچانے کے لیے گھر، وطن، شہر، ترغیبات، دولت اور عیش و عشرت کی زندگی کو چھوڑا اور ایک غار میں پناہ لی۔ اور ان کی زندگی کا حاصل یہ کہ انہوں نے غربت کے ساتھ ایمان والی زندگی کو دولت اور عیش و عشرت کے ساتھ کفر والی زندگی پر ترجیح دی اور بالآخر فتح انہی کو حاصل ہوئی، عزت انہی کو ملی۔ تین سو نو سال بعد جب وہ بیدار ہوئے تو حالات بدل چکے تھے اور وہ جو کل جلاوطنی پر یا ہجرت اور ترک وطن پر مجبور ہوئے تھے آج ہر گھر میں ان کا چرچا تھا، ہر دل میں ان کی عزت تھی۔

دوسرا قصہ

دوسرا قصہ اللہ پاک نے جو بیان فرمایا: ''وہ دو باغ والے'' کا قصہ ہے، دو ساتھی تھے ایک امیر اور دوسرا غریب۔ امیر کو اللہ تعالیٰ نے اتنا دیا کہ وہ دولت ہی کو سب کچھ سمجھنے لگ گیا اور اللہ کو اس نے بھلا دیا، لیکن غریب کے دل میں ایمان کا نور اور ایمان کا چراغ روشن تھا، فرمایا کہ:

﴿وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِأَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ أَعْنَابٍ وَحَفَفْنَاهُمَا بِنَخْلٍ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا﴾

(سورۂ کہف : ۳۴/۱۵)

ان میں سے ایک کو ہم نے انگوروں کے دو باغ عطا کیے تھے جن کے اردگرد کھجور کے درخت تھے اور درمیان میں خالی جگہ پر دوسری کھیتی اور غلہ پیدا ہوتا تھا درمیان سے نہر جاری تھی اور دوسری بھی بہت سی آمدنی تھی اور کاروبار تھا۔

ایک دن اپنے غریب ساتھی کے ساتھ یہ مالدار شخص بات چیت کرتے ہوئے کہنے لگا:

﴿أَنَا أَكْثَرُ مِنكَ مَالًا وَأَعَزُّ نَفَرًا﴾

''میرے پاس تجھ سے مال بھی زیادہ ہے اور میری جماعت، میری اولاد، قبیلہ وہ بھی تجھ سے زیادہ طاقتور ہے اور اس کی نفری زیادہ ہے:

﴿وَدَخَلَ جَنَّتَهُ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ﴾

''اپنے باغ میں داخل ہوا، رونق کو دیکھا، سرسبزی کو دیکھا اور پھل کو دیکھا، اپنی ثروت اور خوشحالی کو دیکھا تو کہنے لگا میں نہیں سمجھتا کہ قیامت قائم ہوگی۔

﴿مَا أَظُنُّ أَن تَبِيدَ هَٰذِهِ أَبَدًا وَمَا أَظُنُّ السَّاعَةَ قَائِمَةً﴾

میرا خیال ہے کہ یہ باغ کبھی ختم نہیں ہوگا اور قیامت کبھی قائم نہیں ہوگی۔ بس یہی دنیا ہے۔

"اکبر بہ عیش کوش کہ جہان دوبارہ نیست"

اکبر عیش کرلو دنیا دوبارہ نہیں ہے ایک ہی دفعہ کی زندگی ہے جتنی عیش کر سکتے ہو کرلو۔

یہی سوچ اس باغ والے کی تھی.....

﴿وَلَئِن رُّدِدتُّ إِلَىٰ رَبِّي﴾

اگر بالفرض مجھے رب کی طرف لوٹایا گیا۔ (ان الفاظ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بہرحال وہ

اللہ تعالیٰ کے وجود کا انکار کرتے والا نہیں تھا کیونکہ کہہ رہا ہے اگر مجھے میرے رب کی طرف لوٹایا گیا رب کو تسلیم کرتا تھا لیکن دنیا میں مست ہو کر اسباب پر اس کی نظر زیادہ ہو گئی تھی)

اگر مجھے رب کی طرف لوٹایا گیا:

﴿لَأَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنقَلَبًا﴾

تو مجھے وہاں اس سے زیادہ بہتر چیزیں ملیں گی۔ بہت سے لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کا خیال یہ ہے کہ جیسے دنیا کی چیزیں خریدی جاتی ہیں اسی طرح جنت بھی روپے پیسے سے خریدی جاسکتی ہے۔

غلط فہمی

''ناراض نہ ہو جائیے گا'' آپ کو ایسے لوگ ملیں گے جو یہ سمجھتے ہیں کہ کچھ لوگوں کو پیسے دے دلا کر قرآن خوانی کروادو، یہ کر دو وہ کر دو بس جنت ہماری ہے، مغفرت ہو گئی، مولوی صاحب کو کچھ نذرانہ دے دو، ان کو خوش کر دو، پیر صاحب کو خوش کر دو، تو جنت ہماری ہے اور باقاعدہ بعض لوگ تو ایسے پیروں وغیرہ سے وعدے لیتے ہیں کہ حضرت دیکھیں! آخرت میں کہیں ہمیں پیچھے نہ چھوڑ جانا، جنت میں لے کر جانا۔ پیر صاحب کو تو خود پتہ نہیں ہے کہ جنت میں جاسکیں گے یا نہیں؟ انہوں نے کہاں سے لکھوالیا ہے۔ جو بھی پیر، مولوی، علامہ، شیخ الحدیث قطعی طور پر یقین کے ساتھ یہ دعویٰ کرتا ہے کہ میں جنتی ہوں اور تمہیں بھی لے کر جاؤں گا اس بد بخت کی گردن تو سب سے پہلے پکڑی جائے گی، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ تجھے میں نے کب ٹھیکیدار بنایا تھا؟

ایک جعلی پیر کا قصہ حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی نور اللہ مرقدہٗ نے لکھا ہے کہ ایسے

ہی ایک پیر صاحب تھے وہ اپنے مرید کے پاس گئے اس نے یونہی مذاق کے طور پر کہہ دیا کہ ''حضرت کیا بات ہے؟ آپ بڑے دبلے اور کمزور ہو رہے ہیں'' وہ واقعی سنجیدہ ہو گئے کہنے لگے'' تجھے کیا پتہ ہے تیری خاطر راتوں کو جاگنا بھی مجھے پڑتا ہے، عبادت وریاضت بھی مجھے کرنی پڑتی ہے تیری نمازیں بھی مجھے پڑھنی پڑتی ہیں اور تو اور تیری خاطر پل صراط پر چلنے کی مشق بھی کرتا ہوں تاکہ وہاں تجھے تکلیف نہ ہو جلدی سے پل صراط پار کرا دوں گا اس لیے دبلا پتلا ہو گیا ہوں۔ اس نے کہا واہ...... واہ...... واہ حضرت! آپ اتنا بوجھ اپنے سر پر لیتے ہیں، آیئے میں اپنی زمین کا کچھ حصہ، کوئی پلاٹ آپ کے نام کر دیتا ہوں۔ بڑے خوش ہوئے کہ ایسا مرید تو بہت دنوں بعد ہاتھ آیا ہے جلدی باتوں میں آگیا ہے۔ ساتھ چل پڑے...... مرید کہنے لگا کہ نہیں حضرت آپ آگے چلیں میں پیچھے پیچھے چلوں گا...... پیر صاحب اور زیادہ خوش ہو گئے کہ اس کے دل میں میرا ادب و احترام بھی بہت زیادہ ہے۔

زمینیں جیسے دیہاتوں کی ہوتی ہیں کہ بیچ میں تنگ سی پگڈنڈیاں، اور پیر صاحب تو ایسی پگڈنڈی پر چلنے کے عادی نہ تھے، ناز و نعمت میں پلے ہوئے، آرام دہ راستوں پر چلنے والے۔ پگڈنڈی پر وہ لڑکھڑانے لگے، کبھی اِدھر کبھی اُدھر، اس نے پیچھے سے زور سے ٹھڈا مارا اور کہا...... بدبخت کہتا ہے کہ پل صراط پر چلنے کی پریکٹس کر رہا ہوں، پگڈنڈی پر تو چل نہیں سکتا اور پل صراط پر چلنے کی پریکٹس کر رہا ہے۔

عرض یہ کر رہا تھا کہ بہت سے لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم جنت کو ایسے ہی خرید لیں گے، معاذ اللہ۔

کبھی کبھی میں ساتھیوں کو سمجھانے اور تنبیہ کرنے کے لیے کہہ دیا کرتا ہوں کہ بھائی اس

کا مطلب تو یہ ہوا کہ جنت صرف امیروں کے لیے ہے دنیا میں بھی مزے اور آخرت میں بھی مزے۔ یہاں بھی کچھ نہیں کیا اور آخرت میں بھی کچھ نہیں کرنا پڑے گا۔ حج کر لیا، عمرہ کر لیا، چند طالب علموں کی دعوت کر دی، کچھ پیشہ ور مولویوں کو کھلا دیا، پیر صاحب کو نذرانہ دے دیا اور جنت لے لی۔ کیا عجیب نظام اور اصول اپنی طرف سے وضع کیا ہے۔

اللہ کے نبی تو اپنی لخت جگر فاطمہ ﷺ سے فرماتے ہیں کہ "اے فاطمہ! اے میرے دل کے ٹکڑے! دنیا میں جو کچھ چاہتی ہو مجھ سے یہاں مانگ لو لیکن آخرت میں مجھ سے نہ مانگنا۔ اے فاطمہ! اس کی تیاری تجھے خود کرنی پڑے گی۔" اور بعض نے تو یہ روایت بھی لکھی ہے (واللہ اعلم بالصواب) کہ جب سیدہ فاطمہ ﷺ کو قبر میں دفن کرنے لگے تو کسی نے جوش میں آ کر کہہ دیا اے قبر! ذرا خیال کرنا کتنی بڑی ہستی کو تیرے حوالے کیا جا رہا ہے؟

یہ محمد رسول اللہ ﷺ کی بیٹی ہیں......

یہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی زوجہ ہیں......

یہ حضرت حسن اور حضرت حسین ﷺ کی والدہ محترمہ ہیں......

قبر سے آواز آئی کہ یہاں یہ نہیں پوچھا جاتا کہ کس کی بیٹی ہے کس کی ماں ہے اور کس کی بیوی ہے؟ یہاں تو یہ پوچھا جاتا ہے کہ اس کے اعمال کیسے تھے؟ قبر حسب نسب معلوم کرنے کی جگہ نہیں ہے یہ تو ایمان اور اعمال معلوم کرنے کی جگہ ہے۔ کیا لے کر آئے ہو؟ اگر نبی کا بیٹا ہے اور ایمان و اعمال نہیں ہیں تو مردود ہے لیکن مشرک کا بیٹا ہے، کافر کا بیٹا ہے مگر ایمان اور اعمال لے کر آیا ہے تو قبول ہے اور وہ اللہ کا محبوب ہے۔ غرض یہ کر رہا تھا کہ دنیا کو سب کچھ سمجھنے والا وہ شخص اپنے دوست سے کہنے لگا:

اگر بالفرض مجھے اللہ کے سامنے پیش بھی کیا گیا:

﴿وَلَئِنْ رُّدِدْتُّ إِلٰى رَبِّيْ لَأَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا﴾

تو وہاں اس سے بھی زیادہ نعمتیں ملیں گی۔

اس کے دوست نے اس سے کہا:

﴿أَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ﴾

ارے اس اللہ کا انکار کرتے ہو جس نے تمہیں مٹی سے، پھر نطفے سے پیدا کیا اور پھر ایک کامل خوبصورت انسان بنا دیا میں تو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا۔

﴿وَلَوْلَا إِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَاءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ﴾

ارے میرے دوست! جب تم اپنے باغ میں داخل ہوئے تھے تو تم نے یوں کیوں نہ کہا: ''ماشاء اللہ'' جو اللہ چاہے وہ ہوتا ہے جو کچھ مجھے اللہ نے دیا ہے یہ اس نے کرم کیا ہے "لا قوۃ إلا باللّٰہ" اللہ کے بغیر کسی چیز کی مجھ میں طاقت نہیں ہے، پیدا ہونے کی طاقت نہیں ہے، پرورش پانے کی طاقت نہیں ہے، رزق کمانے کی طاقت نہیں ہے اور عمل کرنے کی طاقت نہیں ہے، یوں کیوں نہ کہا: ''ماشاء اللہ'' جو اللہ چاہے وہی ہوتا ہے۔

سورت کی روح

حضرت علی میاں صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے فرمایا یہ جو جملہ ہے " ما شاء اللّٰہ" یہ پوری سورۃ کی روح ہے،

" ما شاء اللّٰہ کان وما لم یشاء لم یکن۔"

''جو اللہ چاہے ہوتا ہے اور جو اللہ نہ چاہے وہ نہیں ہوتا''

ایک مؤمن کا یقین یہ ہونا چاہیے اور یہ بات آپ بھی جانتے ہیں اور میں عرض بھی کر چکا ہوں کہ اسباب کی مطلقاً نفی نہیں ہے کہ کرے کچھ نہیں اور کہے کہ جو اللہ چاہے وہی ہوگا دکان کھولتا نہیں اور کہتا ہے کہ اللہ کو منظور ہوگا تو گھر بیٹھے روزی مل جائے گی، ہاتھ پاؤں ہلاتا نہیں اور کہتا ہے کہ جو ملنا ہے وہ ویسے ہی مل جائے گا جو میری قسمت میں ہے..... نہیں! آپ کی قسمت میں اگر اللہ پاک نے نفع لکھا ہے، روپیہ لکھا ہے، مال لکھا ہے تو اس کے ساتھ اللہ پاک نے آپ کی قسمت میں محنت کرنا بھی لکھا ہے، یہ قسمت سے باہر کی چیز نہیں ہے یہ بھی قسمت کے اندر ہی ہے، تقدیر کے اندر ہی ہے، اللہ پاک کو یہ سوچ پسند نہیں ہے کہ بندہ سوچے کہ میں جو چاہوں کر سکتا ہوں بلکہ اس کی سوچ یہ ہونی چاہیے کہ میں اسباب اختیار کروں گا مگر ہوگا وہی جو اللہ چاہے گا، یہ چیز اللہ تعالیٰ کو زیادہ پسند ہے۔

مبارک جملہ

آپ اندازہ کیجئے اسی سورت میں آیا ہے:

﴿وَلَا تَقُولَنَّ لِشَايْءٍ إِنِّي فَاعِلٌ ذَٰلِكَ غَدًا إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ﴾

(سورۃ کہف: ۲۳/۱۵)

اصل میں ہوا یوں کہ نبی اکرم ﷺ سے بعض مشرکین نے یہودیوں کے کہنے پر چند سوالات کیے ان میں سے ایک سوال اصحاب کہف کے بارے میں تھا، دوسرا سوال روح کی حقیقت کے بارے میں تھا۔ آپ نے فرمایا کہ کل جواب دوں گا اور دل میں یہی تھا کہ اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعے مجھے مطلع فرمادے گا اور میں کل ان کو جواب دے دوں گا۔ اللہ کا کرنا یہ ہوا کہ کئی دن تک وحی کا سلسلہ منقطع ہوگیا۔ اب بڑی باتیں ہوئیں اور اعتراضات ہوئے

یہاں تک کہنے لگے کہ اس کے شیطان نے اس کو چھوڑ دیا ہے، اس کے پاس تو شیطان آتا تھا اس نے اس کو چھوڑ دیا ہے، اس کا خدا اس سے ناراض ہو گیا ہے۔ کئی دن کے بعد جب وحی کا سلسلہ دوبارہ شروع ہوا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے میرے نبی! آئندہ کبھی ایسے نہیں کہنا کہ میں کل یہ کام کروں گا:

﴿إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ﴾

ساتھ ساتھ یہ ضرور کہنا کہ اگر اللہ چاہے تو کروں گا۔

اور معاف کیجئے گا کہ ہم نے انشاء اللہ کو بھی مذاق بنا دیا ہے چونکہ ہم جانتے ہیں اس کے معنیٰ ہیں اگر اللہ چاہے۔ تو جہاں ہمارا کام کرنے کا ارادہ نہیں ہوتا، وعدہ پورا کرنے کا ارادہ نہیں ہوتا تو ہم کہہ دیتے ہیں کہ ان شاء اللہ کروں گا زیادہ زور ان شاء اللہ پر دیتے ہیں ''کروں گا'' پر کم۔ ان شاء اللہ...... ان شاء اللہ۔ زور زور سے کہتے ہیں۔ اب اگر کوئی پوچھے کہ بھئی کیا ہوا آپ تشریف نہیں لائے؟ بس کیا کریں جی اللہ کو منظور ہی نہیں تھا۔ تو ہم نے ان شاء اللہ کا مبارک جملہ جس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کی رحمت، اللہ کی مدد بندہ کے شامل حال ہو جاتی ہے ہم نے اس جملے کو وعدہ خلافی اور جھوٹ بولنے کے لیے ایک آڑ بنالیا ہے۔

تو عرض کر رہا تھا کہ یہ سوچ اور یہ جملہ اللہ کو بڑا پسند ہے کہ یوں کہا جائے ''اگر اللہ چاہے گا اور جو اللہ چاہے گا'' ایک دعا میں آپ کو سناتا ہوں وہ دعا ایسی ہے کہ اس کی بڑی فضیلت بیان ہوئی ہے اور اس کی فضیلت کی وجہ بھی یہ ہے کہ اس میں یہ جملہ اور یہ مضمون آیا ہے:

حضرت ابو درداء ﷺ کے بارے میں آتا ہے کہ ان سے کسی نے کہا حضرت آپ کے

مکان کو آگ لگ گئی انہوں نے فرمایا۔نہیں لگی ان شاء اللہ ایسا نہیں ہوگا......اور واقعی جب تحقیق کی گئی تو پتہ چلا کہ محلے میں آگ لگی تھی کئی مکان جل گئے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے مکان کو بچالیا۔تو کہا حضرت آپ نے بن دیکھے اتنے یقین کے ساتھ یہ بات کیسے کہہ دی؟ تو فرمایا میں نے اپنے آقا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص شام کو یہ دعا پڑھے گا صبح تک اللہ پاک اس کی ہر شر سے حفاظت فرمائے گا اور جو صبح کو پڑھے گا شام تک اللہ پاک ہر قسم کے نقصان سے اس کی حفاظت فرمائے گا اور وہ دعا یہ ہے:

" اللّٰهم أنت ربي لا إله إلا أنت عليك توكلت وأنت رب العرش العظيم أعلم أن الله على كل شئ قدير وأن الله احاط بكل شئ علما."

ترجمہ: ''اے اللہ! تو میرا رب ہے تیرے سوا اور کوئی معبود نہیں، تیرے اوپر ہی میں توکل کرتا ہوں۔تو عرشِ عظیم کا رب ہے، جو اللہ چاہے ہوتا ہے اور جو اللہ نہ چاہے وہ نہیں ہوتا نہ میں اللہ کی مدد کے بغیر نیکی کر سکتا ہوں اور نہ برائی سے بچ سکتا ہوں، میں جانتا ہوں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور اللہ پاک نے ہر چیز کا اپنے علم کے اعتبار سے احاطہ کر رکھا ہے۔''

صرف الفاظ کافی نہیں

لیکن یہ بات یاد رکھیں اس قسم کی دعاؤں میں صرف الفاظ کافی نہیں بلکہ ان کے معنی کو بھی دل میں اتارنا ضروری ہے اور معنی کو ہی زیادہ اہمیت حاصل ہے، بعض ساتھی پوچھتے ہیں کیا وظیفہ پڑھا جائے؟ کیا ورد کیا جائے؟ فلاں مسئلہ ہے، فلاں پریشانی ہے، فلاں بیماری ہے تو جو ساتھی بہت ساری دعائیں اور وظائف یاد نہیں کر سکتے، میں ان کی خدمت میں یہ عرض کیا کرتا ہوں کہ ہر وہ وظیفہ جو یقین کے ساتھ، درد کے ساتھ اور اللہ کی طرف متوجہ ہو کر پڑھو گے وہ ان

شاء اللہ مؤثر اور کارگر ثابت ہوگا لیکن جو وظیفہ بے دھیانی میں پڑھا جائے وہ کتنا ہی اچھا وظیفہ کیوں نہ ہو اس کا کوئی اثر نہیں ہوگا ہم نے یہ سمجھ لیا ہے کہ بس بغیر سوچے سمجھے......

اور بغیر اللہ کی طرف متوجہ ہوئے......

اور بغیر اس کی صفات کا یقین کیے ہوئے......

اور بغیر اس کی محبت دل میں اتارے ہوئے......

اور بغیر اپنی بندگی کو اس کے سامنے ظاہر کیے ہوئے خالی خولی الفاظ پڑھ لیے جائیں تو اثر ہو جاتا ہے......نہیں میرے بزرگو اور دوستو! بے شک جو مبارک دعائیں ہیں ان کے الفاظ بھی بڑے مبارک ہیں لیکن ان الفاظ کے ساتھ ساتھ دل میں جب یقین ہوگا تو صرف ''اللہ'' بھی کہیں گے تو یہ بھی اثر کرے گا اس سے بڑا وظیفہ اور کون سا ہو سکتا ہے؟

شرک فی الاسباب

تو اس باغ والے سے کہا کہ بھئی تو نے یوں کیوں نہ کہا: ''ما شاء اللہ''۔ یاد رکھیں مادی اور ایمانی تہذیب میں یہی فرق ہے کہ مادی تہذیب میں وسائل پر اعتماد ہوتا ہے اور روحانی و ایمانی تہذیب میں اللہ تعالیٰ کے ارادے پر اور اس کی طاقت پر اعتماد ہوتا ہے۔ پھر کیا ہوا؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس کے باغ پر آفت آئی اور وہ تباہ و برباد ہو گیا اور ایسے ہو گیا جیسے وہاں کچھ تھا ہی نہیں تو اب کہنے لگا:

﴿يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا﴾

(سورة كهف: ١٥/٤٢)

''اے کاش! کہ میں نے اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا ہوتا۔''

یاد رکھیں یہ جو کہہ رہا ہے کہ میں نے اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا ہوتا تو کیا وہ بتوں کو اللہ کے ساتھ شریک کرتا تھا؟ نہیں بلکہ وہ اسباب کو اللہ کے ساتھ شریک کرتا تھا'' شرک فی الاسباب'' میں ملوث تھا، اسباب کو وہ درجہ دیتا تھا جو مسبب الاسباب کا ہے، مخلوق کو وہ حیثیت دیتا تھا جو خالق کی ہے، مال و دولت پر اسے اتنا اعتماد تھا جیسے ایک مسلمان کو اللہ تعالیٰ پر ہونا چاہیے۔ یہ شرک تھا جس میں وہ مبتلا تھا۔ کل امیر تھا آج اللہ پاک نے اس کو فقیر بنا دیا۔ اللہ تو قادر مطلق ہے وہ جسے چاہے امیر کردے، اور جسے چاہے فقیر کردے۔

عبرت انگیز واقعہ

میں نے خود ایک بڑا عبرت انگیز واقعہ دیکھا، ہمارے ایک ساتھی ہیں ایک مسجد کے سامنے چادریں پھیلا کر چند کتابیں بیچا کرتے تھے اللہ پاک نے ان کو بڑا نواز دیا، ہوا یہ کہ انہوں نے مختلف دکانوں پر کتابوں کی سپلائی شروع کردی ان میں سے ایک دکان صدر میں تھی...... میری آنکھوں نے پھر یہ منظر بھی دیکھا کہ وہی دکان انہوں نے لاکھوں میں خریدی اور اس دکان کے مالک کو اپنا ملازم بنالیا۔ خود مالک ملازم بن گیا اور وہ جو ایک قسم کا ملازم تھا مالک بن گیا۔

دنیا کی مثال

ایسے مناظر دیکھنے میں آتے ہیں لیکن ہم ان سے سبق حاصل نہیں کرتے ہم یہ سوچتے ہیں کہ اس کے ساتھ ایسا ہوا ہے میرے ساتھ ایسا نہیں ہوسکتا اپنے آپ کو ہم بھول جاتے ہیں وگرنہ ہم نے بادشاہوں کو تخت سے اتر کر تختے پر چڑھتے بھی دیکھا اور لاکھوں میں کھیلنے والے ایسے بھی دیکھے ہیں کہ ان کے کفن دفن کا انتظام محلے میں چندہ مانگ کر کیا گیا ہے،

لیکن ہم پھر بھی عبرت حاصل نہیں کرتے تو ایسے ہی اس کے ساتھ بھی ہوا کہ وہ جو اسباب کو سب کچھ سمجھ بیٹھا تھا اور دنیا کی زندگی پر اسے بڑا گھمنڈ تھا جب کہ دنیا کی زندگی کے بارے میں اسی سورت میں فرمایا:

ارے! یہ تو ایسے ہے جیسے بارش برستی ہے اور اس سے بڑی خوبصورت، سرسبز نباتات پیدا ہوتی ہیں، پھر وہ وقت بھی آتا ہے کہ کھیتی خشک ہو جاتی ہے اور ہوائیں اس کو اُڑاتی پھرتی ہیں:

﴿اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾

''یہ مال یہ اولاد تو دنیا کی زندگی کی زینت ہے''

﴿وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ﴾

''باقی رہنے والی چیزیں تو صرف نیک اعمال ہیں''

جن چیزوں کو ہم فنا ہونے والی سمجھتے ہیں وہ حقیقت میں باقی رہنے والی ہیں اور جن چیزوں کو ہم نے باقی رہنے والی سمجھ رکھا ہے وہ فانی ہیں۔

حدیث میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ بکری ذبح کی گئی اور اس کا گوشت گھر والوں نے تقسیم کر دیا اور صرف پائے روک لیے۔

حضور ﷺ تشریف لائے پوچھا کچھ باقی بھی ہے؟ کہنے لگے پائے باقی ہیں، باقی تو سب ختم ہو گیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا پائے تو ختم ہو گئے باقی سب باقی ہے جو تم نے اللہ کی راہ میں دے دیا وہ تو سب باقی ہے اور یہ جو ہم کھا جائیں گے اس کو ختم سمجھو۔

تو دنیا کی زندگی، دنیا کی نعمتیں، دنیا کا مال اور ہماری اولاد یہ سب ختم ہونے والی چیزیں ہیں باقی رہنے والے نیک اعمال ہیں باقی رہنے والے وہ کام ہیں جو اللہ کی رضا کے لیے

کیے جائیں۔

تیسرا قصہ

تیسرا قصہ حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کا ہے، بخاری شریف کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بڑا مؤثر و بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا حاضرین بڑے متأثر ہوئے، ایک صاحب نے پوچھا: "کیا اس وقت دنیا میں آپ سے بڑا عالم بھی کوئی ہے؟" حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا "نہیں" اور یہ بات خلاف حقیقت اور خلاف واقعہ بھی نہیں تھی اس لیے کہ نبی اپنے وقت کا سب سے بڑا عالم ہوتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام صاحب شریعت اور صاحب کتاب نبی تھے سب سے زیادہ علم آپ کے پاس تھا، لیکن اللہ تعالیٰ کو جواب کا یہ انداز پسند نہ آیا کہ میری طرف نسبت کیوں نہ کی کہ اللہ ہی جانتا ہے کہ مجھ سے بڑا عالم بھی کوئی ہے یا نہیں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"اے موسیٰ! تجھ سے بڑا ایک عالم ہے۔"

اللہ کے نبی نے پوچھا کہ اے اللہ! وہ عالم اور تیرا بندہ کہاں ہے؟

نشانی بتائی کہ جہاں دو دریاؤں کا سنگم ہوتا ہے وہاں وہ بندہ تمہیں مل جائے گا۔

جس کے پاس وہ علم ہے جو تمہارے پاس نہیں ہے۔

(بخاری، کتاب العلم، باب ماذکر فی ذھاب موسیٰ فی البحر الی الخضر علیھما السلام: ١٧)

حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک طویل سفر کر کے وہاں پہنچے۔ حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات ہوئی اور آپ نے ان سے درخواست کی کہ مجھے اپنے ساتھ رہنے کی اجازت دیجئے، تاکہ اللہ تعالیٰ نے جو بھلائی کی باتیں آپ کو سکھلائی ہیں میں بھی ان میں سے کچھ سیکھ لوں۔

خضر علیہ السلام نے کہا کہ میں تمہیں اپنے ساتھ رہنے کی اجازت دے دوں گا لیکن بات یہ ہے کہ آپ جب میرے ایسے کام دیکھیں گے جو بظاہر آپ کو شریعت کے خلاف معلوم ہوں گے تو آپ صبر نہیں کر سکیں گے، کیونکہ مجھے جو خاص علم عطا کیا گیا ہے وہ آپ کے پاس نہیں ہے اس لیے آپ خاموش نہیں رہ سکیں گے اور مجھ پر اعتراضات شروع کر دیں گے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایسے ہی وعدہ کیا جیسے ایک طالب علم وعدہ کرتا ہے کہ اگر اللہ نے چاہا تو میں صبر کروں گا، خاموشی اختیار کروں گا اور آپ کی نافرمانی بھی نہیں کروں گا۔ چنانچہ اب ان کا سفر خضر علیہ السلام کے ساتھ شروع ہوا۔

تین واقعات

اس سفر میں تین مواقع ایسے پیش آئے جب کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام خاموش نہ رہ سکے اور انہوں نے واضح طور پر اختلاف رائے ظاہر کیا۔ پہلا موقع وہ تھا جب دونوں حضرات کشتی پر سوار ہوئے اور کشتی والوں نے انہیں عزت واحترام کے ساتھ کشتی میں جگہ دی اور ان سے کرایہ بھی وصول نہیں کیا لیکن کچھ ہی دیر گزری تھی کہ خضر علیہ السلام نے کشتی کا تختہ توڑ دیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بڑا تعجب ہوا کہ ایک طرف کشتی کے مالک کا اخلاص اور اکرام کا معاملہ یہ ہے کہ اس نے کرایہ تک وصول نہیں کیا دوسری طرف آنجناب نے اس کا صلہ یہ دیا ہے کہ تختہ توڑ کر نہ صرف کشتی کو عیب دار بنا دیا ہے بلکہ اس کے ڈوبنے کا خطرہ پیدا کر دیا ہے آپ بول اٹھے اور فرمایا:

﴿أَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ أَهْلَهَا لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا إِمْرًا﴾

(سورة كهف : ۷۱/۱۵)

ترجمہ: ''کیا آپ نے اس کو اس لیے پھاڑا ہے تا کہ سواروں کو غرق کر دیں یہ تو آپ نے عجیب کام کیا ہے۔''

حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا میں نے کہا تھا کہ تم میرے ساتھ صبر نہیں کر سکو گے موسیٰ علیہ السلام نے فوراً معذرت کی کہ میں اپنا وعدہ بھول گیا تھا، لہٰذا مجھ سے مواخذہ نہ کریں اور میرے ساتھ سختی والا معاملہ نہ کریں، کشتی سے اُتر کر دونوں پیدل چلنے لگے، راستے میں کچھ بچے کھیل رہے تھے، حضرت خضر علیہ السلام نے ان میں سے ایک معصوم بچے کو پکڑا اور اس کا سر جسم سے جدا کر دیا...... اللہ کے نبی نے ایک معصوم اور بے گناہ بچے کا خون دیکھا تو خاموش نہ رہ سکے اور فرمایا اللہ کے بندے! تم نے ایک بے گناہ بچے کا بغیر کسی جرم کے قتل کر کے بہت بری حرکت کی ہے، خضر علیہ السلام نے دوبارہ وہی بات کہی جو پہلے بھی کہہ چکے تھے کہ میں نے کہا تھا ناں کہ تم صبر نہیں کر سکو گے، اب کی بار حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے لیے خود ہی یہ سزا تجویز کر لی کہ بھائی اب اگر میں نے سوال یا اعتراض کیا تو مجھے اپنے سے جدا کر دینا، اب جو سفر شروع ہوا تو دونوں چلتے چلتے ایک بستی میں پہنچ گئے، سخت بھوک لگی ہوئی تھی وہ زمانہ ایسا تھا کہ مسافروں کی مہمان نوازی کی جاتی تھی اور انہیں کھانے کے لیے پریشان نہیں ہونا پڑتا تھا مگر یہاں یہ ہوا کہ انہوں نے بستی والوں کو جب کھانے کا انتظام کرنے کو کہا تو انہوں نے صاف انکار کر دیا، یہ دونوں حضرات واپس آرہے تھے کہ کیا دیکھتے ہیں ایک بوسیدہ سی دیوار ہے جو گرا چاہتی ہے، حضرت خضر علیہ السلام اس کی تعمیر میں لگ گئے، حضرت موسیٰ علیہ السلام پھر بول پڑے اور فرمانے لگے کہ آپ بھی عجیب آدمی ہیں بستی والے تو دو آدمیوں کو کھانا تک دینے کے لیے تیار نہیں ہوئے اور آپ ان کی گرتی ہوئی

دیواریں تعمیر کر رہے ہیں، اگر آپ چاہتے تو ان سے معاوضہ طلب کرتے تاکہ کم از کم کھانے پینے کا تو کوئی انتظام ہو جاتا۔

حضرت موسیٰ وخضر علیہما السلام کی جدائی اور حقائق کی نقاب کشائی

حضرت خضر علیہ السلام نے کہا کہ اب آپ میرے ساتھ نہیں رہ سکتے اور جدائی کے بغیر کوئی چارہ نہیں لیکن میں آپ کو ان واقعات کے اصل حقائق کے بارے میں ضرور آگاہ کر دیتا ہوں تاکہ آپ یہ جان لیں کہ یہ دنیا کتنی گہری ہے اور یہاں ظاہر اور باطن میں کتنا اختلاف ہے؟ اس دنیا میں انسان ظاہری آنکھوں سے جو کچھ دیکھتا ہے اور کانوں سے جو کچھ سنتا ہے وہی حقیقت نہیں ہوتی بلکہ اس کے پردے میں اور بھی بہت کچھ ہوتا ہے جس میں غور وفکر کرنے سے بڑے عجیب حقائق سامنے آتے ہیں، انسان کی نظر بسا اوقات ظاہر اور پردے ہی میں الجھ کر رہ جاتی ہے اور پردے کے پیچھے جو کچھ ہوتا ہے اس کی طرف اس کی توجہ نہیں جاتی اس دنیا میں جو واقعات پیش آتے ہیں انسان ان واقعات کی ظاہری سطح پر نظر رکھتا ہے لیکن ان واقعات میں جو گہری حکمتیں پوشیدہ ہوتی ہیں وہ اس کی نظر سے اوجھل رہتی ہیں۔

حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے جو کشتی کو توڑا تھا تو اس لیے کیونکہ آگے ایک ظالم بادشاہ کے کارندے کھڑے تھے اور وہ ہر ایسی کشتی کو اپنے قبضے میں لے رہے تھے جو صحیح سالم تھی میں نے سوچا اس کشتی کے مالک چند مساکین اور غریب لوگ ہیں اور وہ اس کے ذریعہ اپنی روزی کماتے ہیں، اگر ان سے یہ کشتی چھن گئی تو یہ بے روزگار ہو جائیں گے اور ان کے گھر فاقے پڑنے لگیں گے چنانچہ جب میں نے اس کا ایک تختہ توڑ دیا تو بادشاہ نے اسے عیب دار سمجھ کر جانے دیا، اگر میں ایسا نہ کرتا تو اب تک یہ مساکین روزی کمانے

کے اس ظاہری وسیلے سے محروم ہو چکے ہوتے۔

آپ لوگوں نے دیکھا ہوگا کہ ہماری آنکھوں کے سامنے بھی ایسے تماشے ہوتے رہتے ہیں خاص طور پر جب وزیر اعظم، صدر یا وزیر اعلیٰ کے استقبال کے لیے ادھر ادھر سے گاڑیاں پکڑ کر ان میں زبردستی عوام کو بھر کر ائیر پورٹ پر یا جلسہ گاہ میں لے جایا جاتا ہے تو بعض سمجھ دار قسم کے ڈرائیور از خود اپنی گاڑیوں میں کوئی ایسی خرابی پیدا کر دیتے ہیں تاکہ پولیس والے اسے بے کار سمجھ کر چھوڑ دیں، یونہی حضرت خضر علیہ السلام نے اس کشتی کو ظالم بادشاہ کی دسترس سے بچانے کے لیے اس میں خرابی پیدا کر دی۔

جہاں تک معصوم بچے کا تعلق ہے تو حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ اپنے والدین کے لیے بڑا فتنہ بننے والا تھا اور ہو سکتا تھا کہ وہ ان کو بھی کفر اور سرکشی میں مبتلا کر دیتا کیونکہ بعض اوقات والدین اولاد کی محبت میں آ کر کفر اور فسق کا ارتکاب کر لیتے ہیں، اس میں شک نہیں کہ بچے کا خون دیکھ کر اور اس سے محروم ہو کر اس کے والدین کو رونا پڑا لیکن یہ رونا چند دن کا تھا اور اگر وہ زندہ رہتا تو وہ انہیں زندگی بھر رلاتا اور اگر وہ اس کی محبت میں آ کر کفر و شرک میں مبتلا ہو جاتے تو ان کی آخرت تو یقیناً رونے دھونے اور آہ و بکا میں گزرتی مگر انہیں دنیا میں بھی حقیقی سکون میسر نہ آ سکتا، علاوہ ازیں سوچنے کی بات یہ بھی ہے کہ اولاد کا بدل تو ممکن ہے مگر ایمان کا بدل کوئی چیز نہیں ہو سکتی، بعض روایات میں آتا ہے کہ اس لڑکے کے بدلے اللہ تعالیٰ نے انہیں انتہائی نیک بیٹی عطا کی جو آگے چل کر نبی کی بیوی بنی اور بعض تفسیروں میں ہے کہ اسے نبی کی ماں بننے کا شرف حاصل ہوا۔

باقی رہی وہ شکستہ اور بوسیدہ دیوار جس کی میں نے درستگی کر دی تو وہ دیوار دو یتیم بچوں کی

ملکیت تھی جس کے نیچے ان کا خزانہ دفن تھا، ان بچوں کا والد بڑا نیک انسان تھا، اللہ کو یہ منظور نہ تھا کہ یہ دیوار گر جائے اور چور اچکے خزانہ لوٹ کر لے جائیں اور یہ بچے بے یار و مددگار ٹھوکریں کھاتے پھریں، اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ بچوں کے جوان ہونے تک یہ خزانہ محفوظ رہے اور ایک نیک انسان کی اولاد کو کسی کے سامنے ہاتھ نہ پھیلانا پڑے۔

انسانی عقل کی نارسائی

جیسے ان تین واقعات میں اللہ پاک کی حکمتیں پوشیدہ تھیں یونہی اس دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے اس میں کوئی نہ کوئی حکمت پوشیدہ ہوتی ہے لیکن انسان کی عقل اس کے سمجھنے سے قاصر رہتی ہے، انسان اگرچہ بڑے بڑے دعوے کرتا ہے اور اسے اپنے علم، اپنی عقل اور اپنی تحقیقات پر بڑا ناز ہے، اس کا خیال ہے کہ میں بہت ترقی کر چکا ہوں، چاند اور ستاروں تک میرے قدم جا پہنچے ہیں، میں نے دنیا کا کونہ کونہ کھنگال ڈالا ہے اور آگ، پانی، ہوا کو میں نے قابو میں کر لیا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ کل کی طرح آج بھی انسان، بہت ضعیف ہے......

اس کا علم محدود ہے......

اس کی عقل ناقص ہے......

اس کا مشاہدہ کمزور ہے......

وہ حقیقت تک پہنچنے اور صحیح فیصلہ کرنے میں اکثر غلطی کر جاتا ہے......

سیاہ کو سفید اور سفید کو سیاہ سمجھ بیٹھتا ہے......

دوست کو دشمن اور دشمن کو دوست تصور کر لیتا ہے......

کتنے ہی ایسے کام ہوتے ہیں جن میں سراسر نقصان ہوتا ہے مگر وہ انہیں اپنے لیے

فائدہ مند سمجھتا ہے اور کتنے ہی فائدے والے کام ہوتے ہیں جنہیں وہ نقصان دہ سمجھتا ہے، جس بچے کی ولادت پر وہ خوشیاں منا رہا ہوتا ہے اسے کیا معلوم کہ یہ بڑا ہو کر مجھ سے ساری خوشیاں چھین لے گا اور میری زندگی کو جہنم کا نمونہ بنا دے گا اور جس عزیز کی جدائی پر وہ ماتم کر رہا ہوتا ہے اسے کیا خبر کہ اسکی جدائی میں خود اس کے لیے بھی اور جدا ہونے والے کے لیے بھی کتنی بڑی خیر پوشیدہ ہے، ایک بڑی کمزوری انسان میں یہ ہے کہ وہ مستقبل کے بارے میں نہیں جانتا کہ آگے چل کر کیا ہونے والا ہے؟

اس نے جو شادی کی ہے وہ کامیاب ہوگی یا ناکام؟

اس نے جس شخص پر اعتماد کیا ہے وہ آگے چل کر کیسا ثابت ہوگا؟

اس نے جو کاروبار شروع کیا ہے اس کے کیا نتائج نکلیں گے؟

اس کی اولاد کا رویہ جوان ہونے کے بعد کیسا ہوگا؟

اس نے جو بیج بویا ہے وہ بار آور ہوگا یا نہیں اور خود اس کی اپنی زندگی اور صحت وفا کرے گی یا نہیں؟

ان میں سے کسی سوال کا دوٹوک جواب اس کے پاس نہیں، پھر ایک نمایاں کمزوری انسان میں یہ بھی ہے کہ اس کے اکثر فیصلے وقتی، جذباتی اور اپنی خواہشات کے تحت ہوتے ہیں۔

وہ یہ چاہتا ہے کہ اس دنیا میں جو کچھ ہو وہ میری مرضی کے مطابق ہو بالخصوص جو مادیت پرست انسان ہے وہ تو کائنات کے سارے نظام کو اپنی خواہشات کے تابع دیکھنا چاہتا ہے، لیکن جس انسان کو اللہ تعالیٰ نے ایمانی بصیرت عطا کی ہے وہ اللہ کے فیصلوں پر راضی رہتا

ہے، اسے یقین ہے کہ جو کچھ ہو رہا ہے اللہ کے حکم سے اور اس کی حکمت کے مطابق ہو رہا ہے، وہ جانتا ہے کہ زندگی اور کائنات صرف وہ نہیں ہے جو ظاہر میں نظر آتی ہے بلکہ اس کے علاوہ بھی بہت کچھ ہے، یہ تو ایک گہرا سمندر ہے اس کی تہہ تک انسان کی نظر نہیں پہنچ سکتی بلکہ اس کی حقیقت اور گہرائی تک صرف اسے پیدا کرنے والے اللہ ہی کی نظر پہنچ سکتی ہے۔

چوتھا قصہ

سورۂ کہف میں اللہ تعالیٰ نے چوتھا قصہ ذوالقرنین کا بیان کیا ہے، یہ وہ شخص تھا جسے اللہ تعالیٰ نے ایمان اور عمل صالح سے نوازا تھا، ایک طرف اس کا اقتدار بہت وسیع تھا اور اسے ہر قسم کے مادی وسائل میسر تھے تو دوسری طرف وہ خدمت خلق کے جذبے سے سرشار تھا، اس نے اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ قوت اور طاقت کو ظالم اور جابر بادشاہوں اور فسادی قوموں کو کچلنے کے لیے استعمال کیا۔

مفسرین کا اس بارے میں اختلاف رہا ہے کہ ذوالقرنین سے مراد کون ہے؟ بعض حضرات سکندر یونانی کو ذوالقرنین قرار دیتے ہیں کیونکہ اس کی حکومت پوری دنیا پر رہی ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ قرآن نے ذوالقرنین کی جو صفات بیان کی ہیں وہ سکندر یونانی میں نہیں پائی جاتیں، قرآن کا ذوالقرنین مؤمن تھا، نیک تھا، عدل و انصاف کا علمبردار تھا، مخلوق پر بڑا رحم دل تھا، جبکہ سکندر یونانی اگرچہ بہت بڑا فاتح تھا لیکن وہ نہ تو مؤمن تھا اور نہ ہی عدل و انصاف کرنے والا تھا، وہ جس علاقے کو فتح کرتا تھا وہاں کے باشندوں سے بڑی بے رحمی سے پیش آتا تھا۔ ذوالقرنین کے بارے میں اور بھی کئی اقوال ہماری تفسیروں میں مذکور ہیں اور اگر متعین طور پر پتہ نہ بھی چلے کہ ان سے مراد کون سا بادشاہ ہے، سکندر ہے یا کے خسرو

ہے یا کوئی دوسرا ہے، تو پھر بھی کوئی حرج نہیں۔

قرآن کوئی تاریخ کی کتاب نہیں ہے جو بعض افراد اور شخصیات اور ان کے حالات اور نسب ناموں کی تحقیق کرتا پھرے، قرآن تو ہدایت کی کتاب ہے یہ کسی شخصیت کا اتنا ہی تذکرہ کافی سمجھتا ہے جس سے قرآن پڑھنے والوں کو ہدایت مل سکتی ہے، قرآن بتاتا ہے کہ وہ مؤمن اور نیک بادشاہ تھا اللہ نے اسے ہر قسم کے وسائل اور اسباب دیئے تھے، اس کی فتوحات کا دائرہ مشرق سے مغرب تک وسیع تھا وہ ایک طرف پیش قدمی کرتا ہوا مشرق کے آخری کنارے تک پہنچ گیا اور دوسری طرف چلتا ہوا مغرب کے آخری کنارے تک چلا گیا۔

یاجوج ماجوج

اپنی فتوحات کے زمانہ میں اس کا گزر ایک ایسی قوم پر ہوا جو دو پہاڑوں کے درمیان آباد تھی، اس قوم نے ذوالقرنین سے درخواست کی کہ یہاں پہاڑ کی اوٹ میں ایک وحشی اور جنگلی قوم ''یاجوج ماجوج'' نام کی آباد ہے جو بڑی فسادی اور ظالم قوم ہے اور اپنے حملوں کے ذریعے ہمیشہ ہمیں پریشان رکھتی ہے اگر آپ کوئی پشتہ یا دیوار ایسی بنا دیں جو ہمیں یاجوج ماجوج کے حملوں سے محفوظ کر دے تو ہم آپ کے احسان مند ہوں گے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے مالی تعاون کی بھی پیش کش کی، آپ نے فرمایا مجھے تمہارے مالی تعاون کی تو ضرورت نہیں البتہ تم اپنے زور بازو سے میری مدد کرو تو میں یہ دیوار بنا دیتا ہوں چنانچہ انہوں نے لوہے کی مضبوط چادریں کھڑی کر کے ان میں پگھلا ہوا تانبا ڈال کر ایسی مضبوط دیوار بنا دی جسے یاجوج ماجوج پار نہیں کر سکتے تھے، یہ دیوار جب تک اللہ چاہے گا

باقی رہے گی اور کوئی بھی اسے نقصان نہیں پہنچا سکے گا پھر جب اللہ تعالیٰ کا حکم آئے گا تو یہ دیوار ریزہ ریزہ ہو جائے گی۔

دجال کا ظہور

ذوالقرنین بڑے وسیع اقتدار کا مالک تھا، وہ ایسا بادشاہ تھا کہ اس کے لیے مادّی وسائل واسباب بھی مہیا تھے لیکن اس کے باوجود وہ کبھی فخر اور غرور کا شکار نہیں ہوا، وہ اپنی طاقت اپنی دولت اور اپنے اقتدار کو اللہ کی رحمت اور اس کا فضل ہی سمجھتا رہا۔ عظیم الشان اور تاریخی دیوار تعمیر کرنے کے بعد بھی اس نے یہی کہا تھا کہ:

﴿هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّيْ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّيْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ وَكَانَ وَعْدُ رَبِّيْ حَقًّا﴾

(سورة كهف : ۹۸/۱۶)

ترجمہ: ''یہ جو کچھ ہوا یہ میرے رب کی رحمت اور مہربانی ہے جب میرے رب کے وعدے کا وقت آجائے گا وہ اسے ڈھا کر ریزہ ریزہ کر دے گا اور میرے رب کا وعدہ سچ ہے۔''

لیکن دوسری طرف روحانیت کا انکار کرنے والے اور مادّیت کی پرستش کرنے والے جو بادشاہ اور افراد ہوتے ہیں وہ اپنے کارناموں کو اپنی ذہانت اور قوتِ بازو کا نتیجہ سمجھتے ہیں، مادّیت کی پرستش کی زندہ مثال مغربی تہذیب ہے جس میں مادّے کو خدا کا درجہ دے دیا گیا ہے، اس تہذیب میں مادیت ہی سب کچھ ہے، روحانیت ان کے نظریے اور زندگی سے خارج ہو چکی ہے، اس مادی تہذیب کے عروج کا دور وہ ہوگا جب دجال ظاہر ہوگا لیکن اس کے ظہور کے ساتھ ہی اس تہذیب کا زوال بھی شروع ہو جائے گا، دجال آخری زمانے کا

سب سے بڑا فتنہ اور سب سے بڑی مصیبت ہوگا، اس کے فتنے سے کوئی گھرانہ، کوئی خاندان، کوئی مرد اور کوئی عورت محفوظ نہیں رہے گی، عورتیں شترِ بے مہار ہو جائیں گی اور ان پر کنٹرول رکھنا مشکل ہو جائے گا، دجال کی پیروی کرنے میں عورتیں پیش پیش ہوں گی۔

جیسا کہ میں نے ابتداء میں عرض کیا تھا کہ دجال تو جب آئے گا سو آئے گا لیکن دجالی تہذیب تو ہمارے سامنے ساری حشر سامانیوں اور خطرات کے ساتھ آچکی ہے اور اس تہذیب کے علمبردار بھی وہی کچھ کر رہے ہیں جو دجال کرے گا......

رُوحانیت کا انکار ہے......

مادّیت کی پرستش ہے......

فتنہ وفساد ہے......

خدائی کے دعوے ہیں......

دنیا کا کوئی گوشہ ان کے شر سے خالی نہیں ہے......

ان کے چہرے پر صاف طور پر "کافر" لکھا ہوا ہے......

جسے اللہ نے ایمان کا نور دیا ہے وہ ان کے کفر کو اور ان کے ماتھے پر کافر کے عنوان کو صاف طور پر پڑھ سکتا ہے، ان حالات میں جبکہ اسلامی ممالک بھی اس دجالی تہذیب کے اثرات سے محفوظ نہیں رہے اور ہر شہر اور ہر ملک میں مادّی تہذیب کو پھیلانے کی سر توڑ کوشش کی جارہی ہے، ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے ایمان کی سلامتی میں اور زیادہ فکر مند ہو جائیں، اس دنیا کی زندگی اور اس کی نعمتوں ہی کو سب کچھ نہ سمجھیں بلکہ اپنی نظر اللہ پر اور آخرت پر رکھیں، جو عمل کریں وہ اللہ کی رضا کے لیے کریں اور آخرت کی تیاری سے کسی

صورت بھی غافل نہ ہوں، نہ اسباب کو مؤثر بالذات سمجھ کر شرک کا ارتکاب کریں اور نہ دنیا والوں کو خوش کرنے کو مقصد بنا کر شرک کریں، اللہ تعالیٰ نے بھی سورۂ کہف کو اسی دعوت پر ختم کیا ہے اور گویا آخری الفاظ میں پوری سورت کا خلاصہ بیان کر دیا ہے، فرمایا:

﴿فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا﴾

(سورة كهف: ١٦/١١٠)

ترجمہ: ''پس جو کوئی اپنے رب سے ملنے کی آرزو رکھتا ہے اسے چاہیے کہ نیک عمل کرے اور اپنے پروردگار کی بندگی میں کسی دوسری ہستی کو شریک نہ کرے۔''

اللہ تعالیٰ دجال اور دجالی تہذیب کے فتنہ سے ہماری حفاظت فرمائے، ہمیں ایمان پر زندہ رکھے اور ایمان پر ہی موت عطا فرمائے۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العٰلمين

میڈیا کا مثبت اور منفی کردار (1)

الحمدللّٰہ وحدہ والصلوٰۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ، أما بعد!

فأعوذ باللّٰہ من الشیطن الرجیم

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ۚ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ

(سورۂ لقمان: ۶/۲۱)

ترجمہ: ''اور کچھ ایسے لوگ ہیں کہ خریدار ہیں کھیل کی باتوں کے، تا کہ گمراہ کردیں اللہ کی راہ سے بن سمجھے اور ٹھہرائیں اس کو ہنسی، وہ جو ہیں ان کو ذلت کا عذاب ہے۔''

سامعین گرامی قدر! آج کے درس کا جو موضوع مقرر کیا گیا ہے، وہ ہے ''میڈیا کا مثبت اور منفی کردار''

آج کے درس میں جن موضوعات کو زیر بحث لانے کا خیال تھا، وہ یہ ہیں:

(۱) میڈیا کی اہمیت،

(۲) الیکٹرانک میڈیا کا جواز اور عدم جواز،

(۳) فلم ''خدا کے لیے'' کے منفی اور اختلافی پہلوؤں کی نقاب کشائی،

لیکن طوالت کی وجہ سے یہ سارے موضوعات احاطۂ بیان میں لانا مشکل ہیں، لہٰذا آج کے درس میں صرف تیسرے موضوع کے بارے میں بات ہوگی، باقی دو موضوع اگلے درس میں بیان کیے جائیں گے۔ (ان شاء اللہ)

فلم "خدا کے لیے" کے اختلافی پہلو

اختلافی پہلوؤں پر بات کرنے سے پہلے میں یہ عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ یہ فلم اس عالمی اور یہودی ایجنڈے کا حصہ معلوم ہوتی ہے، جس کے مطابق علماء، مذہبی طبقہ اور ان کی تشریحات کو نظروں سے گرادیا جائے گا۔ میری معلومات کے مطابق مزید ایسے پروگرام بھی پیش کیے جائیں گے جن میں علماء کو منافق، بدکردار اور کرپٹ ثابت کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

ظاہر ہے کہ کسی فن کی تشریح ماہرین فن کی مرہونِ منت ہوتی ہے، میڈیکل کی صحیح تشریح ڈاکٹر ہی کرسکتا ہے، انجینئر نہیں!

انجینئرنگ سے متعلق معلومات انجینئر ہی فراہم کرسکتا ہے، ڈاکٹر نہیں!

سائنس کی وضاحت کے لیے کسی سائنس دان کا قول ہی معتبر ہوسکتا ہے، کسی وکیل کا نہیں!

بعینہٖ اسی طرح قرآن، حدیث اور فقہ کی صحیح اور معتبر تشریح ایک عالم ہی کرسکتا ہے کوئی فلسفی نہیں!

اس مختصری تمہید کے بعد آیئے اب جائزہ لیتے ہیں اس فلم کے اختلافی پہلوؤں کا اس فلم میں موسیقی کے جواز، لباس، داڑھی، جہاد، مرتد کی سزا جیسے حساس موضوعات کی غلط تشریح کو سکرین کے ذریعے دل و دماغ میں نقش کرنے کی مذموم کوشش کی گئی ہے۔

لباس

لباس کے بارے میں اس فلم میں کہا گیا ہے کہ:

''لباس کا تعلق معاشرت سے ہے مذہب سے بالکل نہیں۔''

ہم بھی اس کے قائل ہیں کہ لباس معاشرت سے منسلک ہے، مذہب سے نہیں، یعنی اسلام نے یہ درس نہیں دیا کہ مسلمان کسی خاص قسم کے یونیفارم میں، ایک مخصوص ہیئت کے ساتھ رہیں، لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ اسلام جیسے عظیم اور جامع مذہب میں لباس جیسے اہم معاملہ میں تشنگی پائی جاتی ہے، بلکہ اسلام نے لباس سے متعلق بنیادی ضابطوں کی وضاحت کی ہے، جنہیں مدنظر رکھا جائے تو شرعی اور غیر شرعی لباس میں تمیز مشکل نہیں رہتی۔

قرآن مجید میں ہے:

﴿قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا﴾

(سورۂ اعراف: ۲۶/۸)

ترجمہ: ''ہم نے تمہارے لیے ایسا لباس اتارا جو تمہاری شرم کی چیزوں کو چھپاتا ہے اور تمہارے لیے زینت کا سبب بنتا ہے۔''

مذکورہ آیت سے لباس کے لیے جو ضوابط سمجھ میں آتے ہیں وہ درج ذیل ہیں:

(۱) لباس ساتر ہو، یعنی لباس سے مقصود مرد و عورت کے ستر کی پردہ پوشی ہے، لہٰذا اگر کوئی لباس ساتر نہیں تو اس کا پہننا جائز نہیں، یہی وجہ ہے کہ چست اور باریک لباس پہن کر لباس کے مقصد کو مجروح کرنے والی عورتوں کے متعلق ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

" كاسيات عاريات." (صحيح مسلم: ۲/۲۰۵، كتاب اللباس)

''وہ لباس پہنے ہوں گی مگر ننگی ہوں گی۔''

لباس کے باوجود ان کو نبی کریم ﷺ ننگا فرما رہے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ لباس کا جو

مقصد ہے، وہ حاصل نہیں ہو رہا۔

(۲) لباس کا دوسرا مقصد جو قرآن نے بتایا وہ ہے "ریشا" یعنی لباس ایسا ہو جو باعثِ زینت ہو اور انسان کسی کے استہزاء اور نفرت کا ذریعہ نہ بنے، یہی وجہ ہے کہ ایک صاحبِ حیثیت آدمی کو پرانے لباس میں دیکھ کر سرورِ کائنات ﷺ نے فرمایا:

" فإذا أتاك الله مالا فلير اثر نعمة الله عليك و كرامته."

(ابو داو'د، كتاب اللباس، باب في الخلقان وفي غسل الثوب :۲۰۷۲)

"جب تمہیں اللہ نے مال دیا ہے تو اللہ کی نعمت اور احسان کا اثر تمہارے جسم پر بھی نظر آنا چاہیے۔"

(۳) تشبہ: تشبہ کا مطلب ہے کہ عمداً اور قصداً ایسی وضع قطع کا لباس پہننا جس سے کسی غیر مسلم قوم کی نقالی کی نیت ہو۔

اور سرورِ کائنات ﷺ نے اس نقالی اور تشبہ پر سخت وعید ارشاد فرمائی ہے، فرمایا:

" من تشبّه بقوم فهو منهم." (ابو داو'د، كتاب اللباس)

"جو شخص کسی قوم کی نقالی کرے اور تشبہ اختیار کرے وہ انہی میں سے ہے۔"

چونکہ غیر مسلموں والی وضع قطع بنا کر یہ شخص اپنے فعل سے اس امر کو ظاہر کر رہا ہے کہ وہ ان غیر مسلموں سے محبت رکھتا ہے، لہٰذا اس کا حشر بھی انہی کے ساتھ ہوگا۔

(۴) نمود و نمائش اور تکبر مقصود نہ ہو، یہ وہ چوتھا مقصد ہے جو ایک مسلمان سے مطلوب ہے، سرورِ کائنات ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

" كُل ما شئت والبس ما شئت ما اخطأتك إثنتان سرف أو مخيلة."

(ابن ماجه : ٢٥٧)

''جو چاہو کھاؤ، جو چاہو پہنو، لیکن دو چیزوں سے پرہیز کرو یعنی اسراف اور تکبر سے۔''

یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ تکبر یہ نہیں کہ اچھے یا مہنگے کپڑے پہن لیے جائیں بلکہ حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تکبر دل کی اس کیفیت کا نام ہے، جس کی وجہ سے انسان اپنے آپ کو بڑا اور دوسرے کو حقیر سمجھتا ہے۔

بہرحال اسلام ان چار ضابطوں میں رہتے ہوئے لباس کے استعمال کا حکم دیتا ہے اگر ان اصول وضوابط کو مدنظر رکھا جائے تو ہر لباس اسلامی لباس ہوگا اور اگر ان ضوابط سے صرف نظر کیا جائے تو ایسا لباس غیر اسلامی ہوگا۔

داڑھی

آگے بڑھیے! اس فلم میں داڑھی والوں کے بارے میں ایک اداکار کہتا ہے:

''اتنی لمبی داڑھیوں والے تین چار حج کیے ہوئے حاجی صاحبان سمگلنگ کرتے اور جھوٹ بولتے عام نظر آتے ہیں کیوں؟ وجہ یہ ہے کہ سارا زور داڑھی بڑھانے اور شلوار ٹخنوں سے اوپر کرنے پر دیا جا رہا ہے۔

کہیں ہمیں غلطی سے عاشق رسول ﷺ کے بجائے عاشق ابوجہل تو نہیں بنایا جا رہا ہے؟''

داڑھی نہ صرف یہ کہ تمام انبیاءِ کرام علیہم السلام کی سنت ہے بلکہ مسلمانوں کا شعار اور چہرے کی زینت ہے، لیکن داڑھی رکھنے والے بھی دو قسم کے لوگ ہوتے ہیں ایک وہ جو نبی سے محبت کا اظہار کرنے اور داڑھی کو دین کا حصہ سمجھ کر داڑھی رکھتے ہیں اور پھر قدم قدم پر

اس سنت کی لاج بھی رکھتے ہیں۔

اور دوسرے وہ لوگ جنہیں دین سے کوئی سروکار نہیں، وہ داڑھی کو دینی اور اسلامی حکم سمجھ کر نہیں بلکہ جرائم کے ارتکاب کے لیے ڈھال کے طور پر استعمال کرتے ہیں ایسے لوگ انتہائی قابل مذمت ہیں اور ہم بھی ان کی مذمت اور حوصلہ شکنی کرتے ہیں، لیکن سوال یہ ہے کہ کیا صرف ایسے عناصر کی وجہ سے داڑھی اور سارے داڑھی والوں کا استخفاف اور تذلیل جائز ہو جائے گی؟ نہیں، ہرگز نہیں۔

وہ لوگ جو عشق نبوی ﷺ کی وجہ سے داڑھی رکھتے ہیں ہم انہیں نہ معصوم کہتے ہیں نہ ہی فرشتہ تسلیم کرتے ہیں، وہ بھی انسان ہیں اور ہمارے معاشرے کا حصہ ہیں ان سے بھی غلطی ہو سکتی ہے، اگر ان سے غلطی ہو جائے تو ہمیں غلطی کی نشاندہی کر کے اصلاح کی کوشش کرنی چاہیے نہ یہ کہ ہم داڑھی کو نشانہ بنائیں اور یہ پروپیگنڈا کریں کہ سارے داڑھی والے ایسے ہی ہوتے ہیں۔ جیسے داڑھی والوں سے غلطی ہوتی ہے، داڑھی منڈوں سے بھی ہوتی ہے

داڑھی منڈے چوری بھی کرتے ہیں......

رشوت بھی لیتے ہیں......

اغواء بھی کرتے ہیں......

سمگلنگ بھی کرتے ہیں......

لیکن اس کے باوجود ہم کسی کو اجازت نہیں دیتے کہ وہ یہ کہنے لگے کہ سارے داڑھی منڈے چور، راشی اور سمگلر ہوتے ہیں یونہی کسی ایک یا چند داڑھی والوں کی کسی غلط حرکت کی

وجہ سے سارے داڑھی والوں کو برا بھلا کہنا اور داڑھی کو تنقید کا نشانہ بنانا مناسب نہیں۔

ظاہر و باطن

اس فلم میں ظاہر و باطن کے مسئلہ کو بھی چھیڑا گیا ہے اور ایک اداکار سے کہلوایا گیا ہے:

''بیٹا! پہلے ظاہر نہیں، باطن ٹھیک کرو، پہلے اندر آگ لگاؤ، باہر خود بخود آجائے گی۔''

آیئے! دیکھتے ہیں کہ کیا دنیاوی معاملات میں بھی صرف باطن کی صفائی کو دیکھا جاتا ہے یا صرف دینی معاملات میں ہم باطن کی درستگی کافی سمجھتے ہیں، اوّل یہ سمجھ لیجئے کہ ہم بھی اسی کے قائل ہیں کہ باطن ٹھیک اور پاک ہونا چاہیے اور یہ کہ باطن کی اصلاح ظاہر کی اصلاح سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔

لیکن اصلاحِ باطن کی اہمیت اس انداز سے بیان کرنا کہ اصلاحِ ظاہر کی اہمیت ختم ہو کر رہ جائے، یہ ایک غلط سوچ بھی ہے اور اپنے آپ کو کئی اسلامی احکامات سے چھٹکارا دلانے کی کوشش بھی! مثلاً:

نماز ایک ظاہری عمل ہے......

حج ایک ظاہری عمل ہے......

پردہ ایک ظاہری عمل ہے......

تو اگر فلمساز کے نظریہ کو مان لیا جائے تو ممکن ہے ایک شخص یوں کہے کہ ہمیں ظاہراً نماز پڑھنے کی ضرورت نہیں ہم دل ہی میں پڑھ لیتے ہیں اور یہ کوئی فرضی بات نہیں بلکہ لوگ کہتے بھی ہیں کہ نماز سے مقصود اللہ کا ذکر ہے، وہ تو ہم ویسے ہی کرتے رہتے ہیں، نماز کی کیا ضرورت ہے؟

یہ بھی کہتے ہیں کہ ''ہم نماز دل ہی میں پڑھ لیتے ہیں، ظاہری طور پر پڑھنے کی ضرورت نہیں۔''

فلسماز کے نظریہ کے مطابق تو اسلامی حجاب کو دور پھینک کر یہ بھی کہا جانے لگے گا کہ اس کی کیا ضرورت ہے؟ ہم تو دل میں پردہ کرتے ہیں، بہت ساری خواتین کہتی بھی ہیں کہ !جی! اصل پردہ تو دل کا ہوتا ہے، ظاہری پردے کی کیا ضرورت ہے؟

حج کے بارے میں یہ صدا بلند ہونے لگے گی کہ ''ہمارے دل ہر وقت مکہ و مدینہ میں ہوتے ہیں ہمیں وہاں جا کر حج کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ غرضیکہ دین کا حلیہ ہی بگڑ جائے گا اب آپ خود فیصلہ فرمائیں کہ کیا فلسماز کی یہ سوچ اور اس سوچ کے حامل معاشرہ کو اسلامی سوچ اور اسلامی معاشرہ کا نام دیا جا سکتا ہے؟

دوسری بات یہ ہے کہ دنیاوی معاملات میں تو اس نظریے پر عمل نہیں کرتے کہ صرف باطن کو دیکھا جائے بلکہ ظاہر اور باطن دونوں کا لحاظ رکھا جاتا ہے۔

بیوی کے انتخاب میں صرف باطن پر انحصار نہیں کیا جاتا بلکہ ظاہری شکل وصورت کو بھی دیکھا جاتا ہے۔

گاڑی کے انتخاب میں صرف اس کے انجن کو نہیں، بلکہ ظاہری حالت کو بھی مدِنظر رکھا جاتا ہے۔

اسی طرح آپ مکان خریدیں تو اس کے ظاہر اور باطن دونوں کا لحاظ رکھتے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ دنیاوی معاملات میں تو ظاہر اور باطن دونوں کو دیکھا جاتا ہے کیا دین ہی اتنا بے وقعت ہے کہ یہاں صرف باطن کو دیکھا جائے اور ظاہر سے صرفِ نظر کر لیا جائے؟

حقیقت یہ ہے کہ ایسی آزادانہ سوچ رکھنے والے لوگ معاشرہ میں دینی احکامات کی بے وقعتی پیدا کر کے، اسلام کی روح ختم کر دینا چاہتے ہیں اور معاشرہ کو بے لگام بنا دینا چاہتے ہیں۔

نماز

اس فلم میں ایک نمازی کے بارے میں اداکارہ کچھ یوں کہتی ہے:

''نماز تو کیا ہے، ورزش کرنی ہے آپ نے؟ پہلے کریں یا بعد میں کیا فرق پڑتا ہے؟ اگر خدا ویسا ہی ہے جیسا اس کو ہونا چاہیے تو وہ آپ کی نمازوں سے کبھی خوش نہ ہوگا، اگر آپ بندگانِ خدا کو تکلیف دیں گے۔''

غور فرمائیں کہ نماز کے لیے ''ورزش'' کا لفظ استعمال کر کے اس اہم فریضہ کی اہمیت کس قدر کم کرنے کی کوشش کی گئی ہے، اور اس پر مستزاد یہ کہ ''پہلے کریں یا بعد میں'' یہ الفاظ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ گویا نماز جس وقت دل چاہے پڑھ لی جائے، اس کے لیے کوئی وقت متعین نہیں ہے اور یہ سوچ قرآن مجید سے متصادم ہے، قرآن مجید میں ہے:

﴿إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا﴾

(سورۃ النساء: ۵/۱۰۳)

ترجمہ: ''بے شک نماز مومنوں پر مقررہ وقت میں فرض کی گئی ہے۔''

اب آیئے نماز کی اہمیت کی طرف!

تمام آسمانی مذاہب میں نماز کا حکم دیا گیا، یہ الگ بات ہے کہ طریقہ ادائیگی، ارکان و واجبات، اذکار و اوراد میں فرق ہو سکتا ہے، لیکن ''نفس نماز'' کا حکم تمام آسمانی مذاہب کے ماننے والوں میں رہا ہے، مثلاً:

حضرت زکریا علیہ السلام کے بارے میں ارشادِ خداوندی ہے:

﴿فَنَادَتْهُ الْمَلَٰئِكَةُ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي فِي الْمِحْرَابِ﴾

(سورة آل عمران: ۳/۳۹)

ترجمہ: ''آواز دی اس کو فرشتوں نے اس حال میں کہ وہ کھڑے نماز پڑھ رہے تھے محراب میں۔''

حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کو حکم ہوا:

﴿ أقيموا الصلوٰة و بشر المؤمنين ﴾

ترجمہ: ''نماز قائم کرو اور مؤمنوں کو خوشخبری سنا دو۔''

حضرت شعیب علیہ السلام کو قوم نے طعنہ کے طور پر کہا تھا:

﴿يَٰشُعَيْبُ أَصَلَوٰتُكَ تَأْمُرُكَ أَن نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ ءَابَآؤُنَآ﴾

(سورة هود: ۱۲/۸۷)

ترجمہ: ''اے شعیب! کیا تیری نماز تجھے اس بات کا حکم دیتی ہے کہ ہم ان معبودوں کی عبادت چھوڑ دیں، جن کی عبادت ہمارے آباء واجداد کیا کرتے تھے۔''

حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی اولاد کو بے آباد وادی میں چھوڑنے کا مقصد ہی یہ بیان فرماتے ہیں:

﴿رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلَوٰةَ﴾

(سورة إبراهيم: ۱۳/۳۷)

ترجمہ: ''اے ہمارے رب! تاکہ یہ نماز قائم کریں۔''

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے گہوارے میں کہا تھا:

﴿ وَأَوْصَانِي بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ ﴾

(سورۂ مریم: ٣١/١٦)

ترجمہ: ''اور اس (اللہ) نے مجھے حکم فرمایا ہے نماز اور زکوۃ کا۔''

الغرض نماز کا حکم پہلی ساری شریعتوں میں موجود رہا لیکن جو اہمیت نماز کو اسلام نے دی کسی اور مذہب نے نہیں دی، آیئے اسلام میں اس اہم فریضہ کی اہمیت قرآن سے معلوم کرتے ہیں۔ قرآن میں ایک سو نو مقامات پر صراحتۂ اور سات سو کے قریب مقامات پر اشارۃً وکنایۃً نماز کا حکم ہے۔

نبوت کے ابتدائی زمانہ میں نماز کا حکم آپ ﷺ کو اشارۃً یوں دیا گیا:

﴿ يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَأَنذِرْ ۝ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝ ﴾

(سورۂ مدثر: ٣،٢،١/٣٠)

ترجمہ: ''اے لحاف میں لپٹے ہوئے، اٹھ! اور ہوشیار کر اور اپنے رب کی بڑائی بول۔''

سورۂ بقرہ آیت نمبر ۴۵ میں ہے:

﴿ وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ ﴾

ترجمہ: ''اور یہ نماز اللہ سے ڈرنے والوں کے علاوہ سب پر بھاری ہے۔''

سورۂ عنکبوت آیت نمبر ۴۵ میں ہے:

﴿ إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ ﴾

ترجمہ: ''بے شک! نماز بے حیائیوں اور گناہ سے روکتی ہے۔''

سورۂ توبہ آیت نمبر ۷۱ میں ہے:

﴿ وَيُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ ﴾

ترجمہ: ''اور وہ (مؤمن) نماز قائم کرتے ہیں۔''

سورۂ توبہ کی آیت نمبر ۱۸ میں ہے:

﴿ وَأَقَامَ الصَّلٰوةَ وَآتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ إِلَّا اللّٰهَ فَعَسَىٰ أُولٰئِكَ أَنْ يَكُونُوا مِنَ الْمُهْتَدِينَ ﴾

''جس نے نماز قائم کی اور زکوٰۃ ادا کی اور صرف اللہ ہی سے ڈرا تو ایسے لوگ ہدایت پانے والوں میں سے ہیں۔''

تو گویا اس آیت میں نماز قائم کرنے والوں کو ہدایت یافتہ قرار دیا گیا، یونہی پورے قرآن مجید میں نماز کی اہمیت اور اس کے ترک پر عذاب سے متعلق مضمون پھیلا ہوا ہے۔

حدیث شریف میں نماز کا مقام سرکار دو عالم ﷺ نے یوں بیان فرمایا:

" إنّما موضع الصّلوٰة من الدّين كموضع الرّأس من الجسد."

(الترغيب والترهيب، بحواله طبري)

''نماز کا مقام دین میں ایسا ہے جیسے سر کا مقام جسم میں۔''

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

" لا سهم في الإسلام لمن لا صلوٰة له."

''اسلام میں اس کا کوئی حصہ نہیں جس کی نماز نہیں۔''

نماز کے بارے میں اتنی تفصیلی گفتگو کا مقصد آپ حضرات کو یہ سمجھانا ہے کہ ایک طرف تو اسلام میں اس فریضہ کی اتنی اہمیت اور فضیلت اور دوسری طرف اس کی اتنی توہین وتحقیر!

کیا یہ عذابِ خداوندی کو کھلم کھلا دعوت نہیں ہے؟

فلسماز سے سوال

اسلام نے نماز کے ارکانِ مخصوصہ یعنی قیام، رکوع، سجدہ، قومہ، جلسہ اور تشہد میں بیٹھنا، سلام پھیرنا ان سب کو "الصلوٰۃ" یعنی "نماز" کے نام سے موسوم کیا ہے۔

آپ کو "نماز" والی اصطلاح ختم کر کے "ورزش" کی اصطلاح قائم کرنے کی اجازت کس نے دی ہے؟

☆ کیا یہ علی الاعلان اللہ سے بغاوت نہیں؟

☆ کیا یہ اس نبی رحمت ﷺ کی دل آزاری نہیں ہے جس کو زندگی میں میرا اور آپ کا غم تھا اور روزِ قیامت بھی "اُمتی، اُمتی" فرماتے نظر آئیں گے؟

☆ کیا یہ دنیا بھر میں بسنے والے مسلمانوں کے زخموں پر نمک پاشی نہیں ہے؟

خدارا! اپنی سوچ کا قبلہ درست فرمائیے۔

اشکال اور اس کا جواب

یہ بات بھی سمجھنے کی ہے کہ اس پرفتن دور میں ممکن ہے کہ کسی نمازی میں کوئی اخلاقی یا دینی کمزوری پائی جائے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ ہم نے اس آدمی سے وہ برائی چھڑاوانی ہے یا نماز؟ اگر برائی چھڑوانی ہے تو پھر ہر وقت اس کو ملامت کرنا، اس کو طعنے دینا کہ "تم نمازی ہو کر ایسا ایسا کرتے ہو، سارے نمازی ہوتے ہی ایسے ہیں" وغیرہ وغیرہ، یہ اس کا حل نہیں ہے۔ غور فرمائیے! حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام، دربارِ فرعون میں تبلیغ کی غرض سے جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبروں کو اصولِ تبلیغ سمجھاتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى﴾

(سورۂ طٰه: ۱۶/ ٤٤)

"تم (دونوں) اس (فرعون) سے نرم لہجے میں بات کرنا، شاید کہ وہ نصیحت حاصل کرے یا ڈر جائے۔"

ایک کافر کو اس انداز سے تبلیغ کرنے کی تلقین کی جارہی ہے، جس سے متاثر ہو کر وہ دین حق قبول کر لے اور ضد وعناد سے باز رہے اگر ایک کافر کے لیے نرمی کا انداز اپنانا ضروری ہے تو مسلمان لیے تو بطریق اولیٰ ضروری ہے اگر بالفرض وہ کسی برائی میں بھی مبتلا ہے تو آپؐ اسے طعنے دینے، ملامت کرنے کے بجائے ہمدردی کے ساتھ برائی چھڑانے کی کوشش کریں،

یہاں ایک اور بات بھی قابل غور ہے کہ:

اللہ تعالیٰ تو عالم الغیب ہیں، دلوں کے رازوں کو جاننے والے ہیں، اللہ کو معلوم تھا کہ فرعون کی موت کفر پر آئے گی، اور وہ ایمان نہیں لائے گا، مگر پھر بھی فرعون کے ساتھ نرمی برتنے کی تلقین کیوں فرمائی؟ دراصل اللہ یہ بات سمجھانا چاہتے ہیں کہ تبلیغ کا بنیادی اصول خیر خواہی ہے، ہر نبی اپنی امت کا خیر خواہ تھا اور ہر نبی نے اپنی امت سے

﴿اَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِيْنٌ﴾

(سورۃ اعراف ۸، ٦٨/)

"میں تمہارا خیر خواہ اور امانت دار ہوں۔"

سے ملتے جلتے الفاظ ارشاد فرمائے، اگر آپ کسی ایسے نمازی کو سمجھانا چاہتے ہیں جو کسی برائی میں مبتلا ہے تو ملامت اور طعن وتشنیع کی بجائے خیر خواہی والا راستہ اختیار کریں کیونکہ ہوسکتا ہے کہ مستقل ملامت اس نمازی کو نماز والی عبادت سے روکنے کا سبب اور ذریعہ بن جائے۔

سوال ہم نے اپنے ضمیر سے کرنا ہے کہ کسی نمازی کو ملامت وطعن وتشنیع کے ذریعے نماز سے ہٹانا بہتر ہے یا اس سے برائی کو دور کرنا اور نماز کی طرف راغب کرنا؟

دوسری بات یہ ہے کہ "نمازیوں" کو ملامت کرنے والوں نے کبھی یہ بھی سوچا ہے کہ انہوں نے کتنے "بے نمازیوں" کو "نماز" جیسی اہم عبادت پر لگایا!

بلکہ میں ایک قدم آگے بڑھ کر یہ بھی پوچھوں گا کہ دوسروں کو چھوڑیں خود ایسے لوگ "نماز" کی کتنی پابندی کرتے ہیں؟ اور کیا کمزوریاں صرف نمازیوں میں پائی جاتی ہیں بے نمازیوں میں نہیں پائی جاتیں؟

موسیقی

مذکورہ فلم میں فلمساز نے ایڑی چوٹی کا زور لگا کر موسیقی کا جواز پیدا کرنے کی کوشش کی ہے اور انہیں سب سے زیادہ دکھ اس بات کا ہے کہ جنید جمشید نے موسیقی سے توبہ کیوں کی؟ بلکہ ان کے بقول انہوں نے یہ فلم بنائی ہی جنید جمشید کی توبہ کی وجہ سے ہے۔

قرآن کا اعلان تو یہ ہے:

﴿إِنَّ اللهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ﴾

(سورة البقرة: ٢/ ٢٢٢)

"بے شک اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔"

دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللهِ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السُّوٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوبُونَ مِن قَرِيبٍ فَأُولَٰٓئِكَ يَتُوبُ اللهُ عَلَيْهِمْ﴾

(سورة النساء: ٤/ ١٧)

ترجمہ: ''اللہ ان لوگوں کی توبہ ضرور قبول کرتا ہے جو برا کام جہالت سے کرتے ہیں پھر جلدی سے توبہ کر لیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کو معاف کر دیتا ہے۔''

گویا اللہ رب العزت گناہوں سے توبہ کی ترغیب بھی فرمار ہے ہیں، اور یہ بھی فرمارہے ہیں کہ ''توبہ'' کرنے کے بعد تمہیں جو انعام ملے گا وہ ''اللہ کی محبت'' کی صورت میں ملے گا اس پس منظر میں دیکھا جائے تو فلساز کا نظریہ اسلامی تعلیمات سے قطعی طور پر متصادم نظر آتا ہے، اس لیے کہ اللہ تو گناہوں سے توبہ کی ترغیب دے رہا ہے اور یہ ''توبہ'' کرنے والے شخص کو دوبارہ گناہ پر اُکسانے کی کوشش کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کو اپنی محبت سے نواز رہے ہیں اور یہ رنجیدہ ہو رہے ہیں۔

فلساز کا یہ بھی کہنا ہے کہ جنید جمشید نے سولہ سال جو موسیقی سیکھنے میں لگائے وہ ضائع کر دیے۔ لیکن یہ ان کی ذاتی رائے ہے، ہمارے نزدیک جنید جمشید نے توبہ کر کے ان سولہ سالوں کا کفارہ ادا کر دیا ہے جو اس نے لہو ولعب میں گزارے۔ البتہ وہ لوگ یقیناً اپنی زندگی ضائع کر رہے ہیں جو سالہا سال سے ناچ گانے میں لگے ہوئے ہیں اور پوری قوم کو اس دھندے میں لگا دینا چاہتے ہیں۔

فلم میں انڈین اداکار، جسے ''مولانا'' کے روپ میں دکھایا گیا ہے، یہ کہتا ہے: ''موسیقی کے حق میں میرے پاس دلائل کا انبار ہے، لیکن میں صرف ایک دلیل پیش کرتا ہوں۔'' اس کا مخاطب ایک وکیل ہوتا ہے، جس کے ساتھ وہ کچھ یوں مکالمہ کرتا ہے:

مولوی: بتاؤ دنیا میں کتنے پیغمبر آئے؟

وکیل: ایک لاکھ چوبیس ہزار۔

مولوی: کتنوں پر کتابیں نازل ہوئیں؟

وکیل: چار پیغمبروں پر۔

مولوی: گویا یہ چاروں سب سے برگزیدہ ہوئے؟

وکیل: بے شک!

مولوی: ان چاروں کو معجزے عطا کیے گئے، حضور ﷺ کو قرآن کا معجزہ عطا کیا گیا، اس جیسا معجزہ کسی اور کو عطا نہیں کیا گیا۔

موسیٰ علیہ السلام کو عصا کا معجزہ عطا کیا گیا، جو کسی اور کو عطا نہیں ہوا۔

عیسیٰ علیہ السلام مردوں کو زندہ کرتے تھے، یہ معجزہ کسی اور کو عطا نہیں ہوا۔

حضرت داؤد علیہ السلام کو موسیقی دی گئی۔

ایسی سریلی آواز اور راگوں پر ایسا عبور کہ سُر لگے تو پہاڑ گانے لگیں، پرندے مدہوش ہو جائیں۔

زبور اٹھا کر دیکھئے یہ تک لکھا ہے کہ: "داؤد نے کن راگوں اور سازوں پر گا کر حمد کی۔"

کیا یہ ممکن ہے کہ خدا اپنی تعریف کے لیے ایک حرام چیز اپنے برگزیدہ پیغمبر کو معجزہ کے طور پر عطا فرمائے؟

قرآن مجید میں حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں ہے:

﴿وَسَخَّرْنَا مَعَ دَاوُدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ وَكُنَّا فَاعِلِينَ﴾

(سورة الانبياء: ۷۹/۱۷)

ترجمہ: "اور ہم نے مسخر کردیا پہاڑوں اور پرندوں کو کہ وہ داؤد کے ساتھ تسبیح کریں، اور

یہ سب کچھ ہم نے کیا۔"

دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿ وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُودَ مِنَّا فَضْلًا يَا جِبَالُ أَوِّبِي مَعَهُ وَالطَّيْرَ ﴾

(سورة سبا /۲۲/ ۱۰)

ترجمہ: "اور ہم نے داؤد کو اپنی طرف سے بڑائی دی، اے (پہاڑو)! خوش آوازی سے پڑھو اس کے ساتھ اور اُڑتے پرندو۔"

مذکورہ بالا دونوں آیتوں میں حضرت داؤد علیہ السلام کے ایک ظاہری کمال، یعنی حسن کو بیان فرما رہے ہیں اور دوسرا ان کے معجزہ کو بیان فرما رہے ہیں کہ پرندوں اور پہاڑوں کا ان کے ساتھ تسبیح میں شریک ہونا بطور معجزہ کے تھا۔

حضرت داؤد علیہ السلام خوش الحانی کے ساتھ زبور کی تلاوت اور اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے تھے اور کتاب اللہ اور ذکر اللہ کو خوش الحانی سے پڑھنے کو کوئی بھی ذی شعور انسان گائیکی کے ساتھ تعبیر نہیں کر سکتا۔

فلسفہ ساز نے موسیقی کے جواز کے لیے "زبور" کا سہارا لیا ہے، جو کہ بائبل کا حصہ ہے سوال یہ ہے کہ کیا کسی چیز کی حرمت وحلت کے لیے ان کتابوں کا سہارا لینا درست ہے جن میں اپنے من چاہے احکام کو باقی رکھا گیا ہو اور باقی کو ختم کر دیا گیا ہو؟

جن میں صرف "تحریف" نہیں بلکہ "تحریفات" کی گئی ہوں؟

کیا قرآن مجید کے نزول نے باقی تمام شریعتوں کو منسوخ نہیں کر دیا ہے؟

اگر یہ ساری باتیں حقیقت ہیں اور یقیناً حقیقت ہیں تو پھر آپ کے استدلال کی

کمزوری کے لیے صرف اتنا ہی کافی ہے کہ آپ نے قرآن سے نہیں بلکہ زبور سے استدلال کیا ہے، لیکن اگر بالفرض اس استدلال کو درست مان ہی لیا جائے، تو کیا آپ بائبل میں لکھی ان لغویات سے بھی اتفاق کریں گے؟:

(۱) نوح علیہ السلام شراب پی کر ننگے ہوگئے۔

(بائبل: صـ ۱۰، کتاب پیدائش، باب ۹، آیت ۱۸)

(۲) لوط علیہ السلام کو بیٹیوں نے شراب پلائی اور دونوں باپ سے حاملہ ہوئیں۔

(بائبل: صـ ۲۰، کتاب تکوین، باب ۱۹، آیت ۳۰)

(۳) داؤد علیہ السلام نے اوریاہ کی بیوی سے زنا کیا اور اسے حیلے سے قتل کر دیا۔

(بائبل: صـ ۳۸۰، باب ۱۱)

(۴) ہارون علیہ السلام نے گائے کی عبادت کی۔

(بائبل: صـ ۱۰٤، باب ۳۲، آیت ۲ تا ٦)

(۵) سلیمان مرتد ہوگیا اور اس نے بت خانے بنائے۔

(بائبل: صـ ٤۲۱، باب ملوك، آیت ۱ تا ۱۳)

اب فرمایئے جناب! جس کتاب میں کائنات کی برگزیدہ ترین ہستیوں کو اپنی طرف سے "العیاذ باللہ" زانی، شرابی، قاتل اور مرتد تک لکھ دیا گیا ہو، اس میں زبور کی تلاوت کو "راگ"، "ساز" اور "گانے" سے تعبیر کرنا کون سا مشکل کام ہے؟

ذرا ٹھنڈے دل سے غور فرمایئے کہ آپ نے "معاذ اللہ" اللہ کے ایک پیغمبر کو گلوکار ثابت کرنیکی کوشش کی ہے جبکہ آج کے زمانے کا ایک عام [illegible] نعت خواں بھی اس لفظ کو اپنے نام کے ساتھ استعمال کرنا اپنی توہین سمجھتا ہے۔

اب آیئے! قرآنی دلائل کی طرف، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ۚ أُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴾

(سورۂ لقمان: ٦/٢١)

ترجمہ: ''اور کچھ لوگ ایسے ہیں جو خریدار ہیں کھیل کی باتوں کے، تاکہ گمراہ کریں اللہ کی راہ سے بن سمجھے اور ٹھہرائیں اس کو ہنسی وہ جو ہیں ان کو ذلت کا عذاب ہے۔''

یہ آیت نضر بن حارث کے بارے میں اتری، جو مشرکین مکہ میں سے ایک بڑا تاجر تھا، اور تجارت کے لیے مختلف ملکوں کا سفر کرتا تھا۔

درِ منثور میں حضرت ابن عباس ﷺ سے منقول ہے کہ یہ باہر سے گانے والی ایک کنیز لے کر آیا اور اس کے ذریعہ اس نے لوگوں کو قرآن سے دور رکھنے کی یہ صورت نکالی کہ جو لوگ قرآن سننے کا ارادہ کریں، اپنی اس کنیز سے ان کو گانا سنواتا تھا اور کہتا تھا کہ محمد ﷺ تم کو قرآن سنا کر کہتے ہیں کہ نماز پڑھو، روزہ رکھو اور اپنی جان دو، جس میں تکلیف ہی تکلیف ہے، آؤ تم یہ گانا سنو اور جشنِ طرب مناؤ۔

اس آیت میں تھوڑا سا تدبر کرنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جو چیز دین سے گمراہ ہونے یا دوسروں کو گمراہ کرنے کا ذریعہ بنے وہ کفر ہے اس لیے کہ یہاں لفظ " عـــذاب مہین " لایا گیا ہے اور یہ صرف کافروں کی سزا ہے اور ایک مقام پر ارشادِ ربانی ہے:

﴿ وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ ۙ وَ اِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ﴾

(سورۂ فرقان: ٧٢/١٩)

ترجمہ: ''اور جو لوگ شامل نہیں ہوتے جھوٹے کام میں اور جب گزرتے ہیں کھیل کی باتوں پر تو گزر جاتے ہیں بزرگانہ۔''

اس آیت میں اللہ کے برگزیدہ بندوں کی دو نشانیاں ذکر کی گئی ہیں:

(۱) لا یشھدون الزور: یعنی یہ لوگ جھوٹ اور باطل کی مجلسوں میں شریک نہیں ہوتے۔

اب " الزور " سے مراد کیا ہے؟

تو اس میں جہاں اور اقوال ہیں وہاں ایک قول حضرت مجاہد رحمہ اللہ اور محمد بن حنفیہ کا بھی ہے، کہ ''اس سے مراد گانے بجانے کی محفلیں ہیں۔''

عمرو بن قیس فرماتے ہیں کہ ''اس سے مراد (بے حیائی اور) ناچ رنگ کی محفلیں ہیں۔''

دونوں قولوں کا خلاصہ یہ نکلتا ہے کہ مؤمن حقیقی گانے بجانے کا شیدائی کبھی بھی نہیں ہو سکتا بلکہ اس بیہودہ فعل سے دور بھاگتا ہے۔

دوسری صفت مؤمنین کی بیان فرمائی کہ جب کسی بیہودہ محفل سے اتفاقاً ان کا گزر ہو تو شرافت کے ساتھ گزر جاتے ہیں اور ارادۃً ایسی محفلوں میں ان کے شریک ہونے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ حضرت ابن مسعود ﷜ کا گزر اتفاق سے کسی ایسی ہی بیہودہ مجلس سے ہوا تو ٹھہرے نہیں بلکہ گزر گئے۔ نبی کریم ﷺ کو معلوم ہوا تو فرمایا کہ ابن مسعود ''کریم'' ہو گئے اور یہ آیت بھی تلاوت فرمائی:

﴿ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ﴾

ان اقوال کی روشنی میں یہ آیت فلساز کے قلب و دماغ پر دستک دے دے کر پکار رہی

ہے کہ:

”خدارا! اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر افتراء اور جھوٹ باندھنے سے باز رہیں۔“

ہائے کاش! ہمارا یہ مسلمان بھائی بھی جنید جمشید کی طرح رب کے حضور گڑگڑا کر توبہ کر لے۔ آمین

حدیث سے استدلال

بخاری شریف میں حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

” انه سمع النبي ليكونن من امتي اقوام يستحلون الحرير والخمر والمعازف.“ (صحیح ابن حبان : ٦٦٤٠)

ترجمہ:”البتہ بالضرور میری امت میں ایسے لوگ ہوں گے جو زنا کو، ریشم کے پہننے کو، شراب اور گانے بجانے کو حلال سمجھیں گے۔“

رسول اللہ ﷺ فرما رہے ہیں کہ میری امت کے کچھ لوگ ” گانے بجانے“ کو حلال سمجھیں گے، معلوم ہوا کہ موسیقی اور گانا بجانا ہے تو حرام البتہ کچھ لوگ اپنے خیال کے مطابق اسے حلال ثابت کرنے کی کوشش کریں گے، جیسا کہ اس فلم میں کیا گیا ہے کہ اس فعل حرام کو جائز ثابت کرنے کے لیے احادیث کے مفہوم تک کو بگاڑ دیا گیا ہے مثلاً حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی مشہور حدیث کہ ان کی تلاوت کی تعریف کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا تھا:

”يا ابا موسى لقد اوتيت مزمارا من مزامير آل داؤد“

([illegible] باب استحباب تحسين الصوت بالقرآن [illegible] صحيح مسلم : ١٨٠٢)

''اے ابوموسیٰ تمہیں تو مزمار داؤد (لحن) عطا کیا گیا ہے۔''

یہاں ''لحن'' کو ''موسیقی'' پر محمول کرنے کی کوشش کی گئی ہے حالانکہ لحن اور موسیقی میں بُعد المشرقین ہے۔

موسیقی اس آواز کو کہا جاتا ہے جو آلات سے پیدا ہو اور جذبات میں مدو جزر پیدا کرے اور ''لحن'' گلے سے نکلنے والی آواز کا نام ہے۔

پھر اگر بالفرض آپ کے مطابق یہاں موسیقی ہی کی تعریف ہو رہی ہے اور یہ اتنی ہی اچھی چیز ہے تو کسی ایک صحابی یا صحابیہ کا نام پیش کریں جو گلوکاری میں مشہور ہو؟

اسی طرح ترمذی شریف کی ایک حدیث جس کے راوی حضرت ابو ہریرہ ﷺ ہیں اس میں گانے بجانے کو عذاب الٰہی کا سبب بتایا گیا ہے۔ احد میں ابوسفیان اپنے ساتھ مغنیات لے کر گیا تھا لیکن مسلمانوں کے لشکر میں گانے بجانے والی عورتیں نہ تھیں بلکہ یہاں تو ''تعلق مع اللہ'' سے لیس جانباز تھے، اگر گانا بجانا ہوتا تو مسلمانوں کے لشکر میں بھی عورتیں نہ سہی گانے والے مرد ضرور ہوتے۔

پھ موسیقی تو بلبل کے ترنم، ہوا کی سرسراہٹ اور چشمے کی روانی کا نام بھی ہے، مگر آپ نے ہر قسم کی موسیقی کو جائز قرار دے دیا ہے، حتیٰ کہ اس موسیقی کو بھی جو دعوت زنا دے، آپ نے اپنے اس فعل سے ان لوگوں کو جری کیا ہے جو خود کو مسلمان تو کہلوانا چاہتے ہیں لیکن اسلام پر عمل کے لیے تیار نہیں، ایسے لوگوں میں سے کل کوئی یہ بھی کہہ دے گا کہ سود حلال ہے جیسا کہ کہا جا رہا ہے کہ پہلے سود حرام تھا شخصی ضروریات کی وجہ سے لیکن اب حلال ہے بوجہ تجارتی ضروریات کے!

پھر تو شراب کی حلت کے بھی بہانے ڈھونڈے جائیں گے اور ڈھونڈے جا رہے ہیں کہ پہلے شراب حرام تھی کیونکہ وہ دیسی طریقے سے بنائی جاتی تھی، صحت اور صفائی کے اصولوں کا لحاظ نہیں رکھا جاتا تھا اسی لیے وہ شراب خوروں کی ہلاکت کا سبب بنتی تھی، آج کل تو اعلیٰ قسم کی مشینوں سے محکمہ صحت کی اجازت سے تیار کی جاتی ہے، صفائی کا بے حد اہتمام کیا جاتا ہے، پینے والوں کو اس سے کوئی نقصان نہیں ہوتا بلکہ جسمانی طور پر طاقت حاصل ہوتی ہے، لہٰذا اسے حلال ہونا چاہیے۔

زنا کے عادی اس فعل قبیح کے جواز کے لیے سرگرم ہو جائیں گے اور فی الوقت بھی دبے لفظوں میں کہہ رہے ہیں کہ ''زنا بالجبر'' حرام ہے نہ کہ ''زنا بالرضا''۔

بتائیے اگر بالفرض یہ لوگ عملاً اور قولاً ایسی تحریک چلا دیں جیسا کہ آپ نے موسیقی کے جواز کے لیے چلائی ہے، تو پھر مذہب کا کیا بنے گا؟ اور ایسے لوگوں کی ان مجرمانہ حرکتوں کا گناہ کس کے سر ہوگا؟

کتنے افسوس کی بات ہے کہ ایک عام سا ڈاکٹر کوئی پرہیز بتا دے تو آنکھیں بند کر کے اسے قبول کر لیا جائے، مگر خالق کائنات کسی پرہیز کا مطالبہ کرے تو اسے ماننے کے بجائے اُلٹا اس پر تنقید شروع کر دی جائے اور من مانی تاویلات کر کے اسے اپنے لیے حلال ثابت کر لیا جائے۔

اسلام سے بغاوت اگر اس کا نام نہیں تو پھر کس چیز کا نام ہے؟

باقی رہیں وہ بعض احادیث جن میں دَف بجانے اور فحاشی سے پاک اشعار کہنے کی اجازت دی گئی ہے تو ان پر قیاس کرتے ہوئے موسیقی جیسی غلاظت کو بھی جائز قرار دے دینا

''دماغی خرابی'' کے سوا کچھ نہیں۔

بھلا بکری کی حلت کو مدنظر رکھتے ہوئے خنزیر کو حلال قرار دیا جاسکتا ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ کوئی قومی مسئلہ ایسا نہ تھا جو موسیقی کے جواز کے بغیر حل نہ ہوسکتا ہو، ملکی ترقی کا بھی اس سے کوئی واسطہ نہ تھا لیکن پھر نجانے کیوں اسے جائز ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا جارہا ہے۔ وہی وجہ سمجھ آتی ہے جو ابتداء میں عرض کر چکا ہوں کہ یہ ایک پورا ایجنڈا ہے، جس پر بتدریج عمل ہو رہا ہے اور وہ ایجنڈا یہ ہے کہ اسلام کی محبت کو تو مسلمانوں کے دلوں سے کھر چا نہیں جاسکتا البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ اسلامی احکامات کی ایسی تشریح کی جائے کہ اسلام کا نام تو باقی رہے مگر روح باقی نہ رہے۔

آخری بات کہہ کر اپنی گفتگو کرتا ہوں وہ یہ کہ آپ سروے کروالیجئے، ایک طرف ان لوگوں کو رکھیے جو موسیقی اور رقص وسرور کی محفلوں میں شرکت کرتے ہیں اور دوسری طرف ان لوگوں کو شمار کر لیجئے جو ان محافل سے بچتے ہیں!

آپ کو زنا کی کثرت ان لوگوں میں نظر آئے گی جو ان بیہودہ اور فحش محافل میں شریک ہوتے ہیں۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ناچ گانا زنا کا داعی ہے لہٰذا جسے اپنا ایمان اور اللہ کی رضا عزیز ہے اس اصل پر لازم ہے کہ وہ زنا کے اس داعی سے خود بھی بچے اور اپنے اہل وعیال کو بھی بچائے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو بچنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ (آمین)

وآخر دعوانا أن الحمد للّٰه رب العلمين

میڈیا کا مثبت اور منفی کردار قسط نمبر ۲، ص نمبر ۵۰۴ پر ملاحظہ فرمائیں۔

قومیت کا اِسلامی تصور

الحمدللّٰه وحده والصّلوة والسّلام علی من لا نبی بعده، أما بعد !

فأعوذ باللّٰه من الشیطٰن الرجیم

بسم اللّٰه الرحمٰن الرحیم

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ﴿١٣﴾

(سورئہ حجرات/۲۶/۱۳)

میرے اسلامی بھائیو اور بہنو! آج کی نشست کا موضوع ہے: ''قومیت کا اسلامی تصور'' عام طور پر قومیت کے چار اسباب ہوتے ہیں:

(۱) نسل

(۲) رنگ

(۳) زبان

(۴) وطن

بعض لوگ نسل کی بناء پر قومیت کی بیماری میں مبتلا ہو جاتے ہیں، بعض رنگ اور زبان کی بناء پر اور بعض وطن کی بناء پر اس بیماری میں مبتلا ہوتے ہیں۔ جاہلیت خواہ وہ جاہلیتِ قدیمہ ہو یا جاہلیتِ جدیدہ جہاں جہالت ہوگی وہاں قومیت پرستی ہوگی۔

جہالت زدہ انسان ان چار چیزوں پر فخر کرتے ہیں۔

اپنی نسل پر، اپنے رنگ پر، اپنی زبان پر اور اپنے وطن پر۔

تاریخ کا مطالعہ کریں تو ہمیں بے شمار ایسے افراد اور جماعتیں ملیں گی جن کا دعویٰ یہ تھا کہ ہم دوسرے انسانوں سے اعلیٰ اور افضل ہے ہماری نسل دوسروں سے اعلیٰ ہے، مصر کے جو فرعون تھے انہوں نے عوام کے ذہنوں میں یہ بات بٹھا رکھی تھی کہ ہم سورج دیوتا کے اوتار ہیں۔

ہندوستان کے بعض خاندان ایسے تھے جو اپنا تعلق سورج اور چاند سے جوڑتے تھے اس لیے بعض اپنے آپ کو سورج بنسی اور بعض چندر بنسی کہلواتے تھے۔

یہ تقسیم شروع سے چلی آرہی ہے کہ وہ ایک ہی مذہب کے پیروکاروں یعنی ہندوؤں کو چار گروہوں میں تقسیم کرتے ہیں۔

(۱) برہمن جو عام طور پر مذہبی رہنما بنتے ہیں۔

(۲) چھتری یہ فوجی اور سپاہی بنتے ہیں۔

(۳) ویش یہ تجارت اور کاشتکاری سے منسلک ہوتے ہیں۔

(۴) (شودر) ان کو خدمت کے لیے مخصوص سمجھا جاتا ہے۔

اور ہندوؤں میں نسلی اعتبار سے سب سے اعلیٰ برہمن اور سب سے گھٹیا شودر سمجھے جاتے ہیں برہمن کے بارے میں تصور یہ ہے کہ وہ کتنا ہی ظالم اور لٹیرا کیوں نہ ہو وہ نجات یافتہ ہے کیونکہ اس کا تعلق اعلیٰ نسل سے ہے، وہ محصول اور ٹیکس سے مستثنیٰ ہے۔ وہ سزائے موت کا مستحق نہیں ہوسکتا ہے۔

اور شودر کے بارے میں یہ نظریہ تھا کہ شودر برہمن کے پاس نہیں بیٹھ سکتا، ہندو ہوتے ہوئے بھی اپنی مذہبی کتابوں کو ہاتھ نہیں لگا سکتا اور مال جمع نہیں کرسکتا۔

ایرانی بادشاہوں میں بھی قومیت کا تصور پایا جاتا تھا۔ چنانچہ وہ کہتے تھے کہ ہماری رگوں میں خدائی خون دوڑتا ہے گویا معاذ اللہ یہ باور کروانے کی کوشش کرتے تھے کہ ہم انسانی نسل سے نہیں بلکہ خدائی نسل کے لوگ ہیں۔

چینی بادشاہ اپنے آپ کو آسمان کا بیٹا کہتے تھے۔ یہودی مذہب کی بنیاد بھی نسل پرستی پر ہے، اسی لیے وہ ایک مخصوص طبقہ یعنی ''بنی اسرائیل'' کا مذہب ہے جس میں کسی دوسرے کا دخول ناممکن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پورے عالم میں کہیں بھی یہودیت کی دعوت نہیں دی جاتی اسی لیے یہودیت کو دعوتی اور تبلیغی مذہب نہیں کہا جا سکتا۔

جرمنی کے نازیوں کے ذہنوں میں ہٹلر نے یہ بات بٹھا دی کہ تم سب سے برتر ہو اس لیے کہ تمہاری نسل سب سے اعلیٰ ہے۔

عرب اس بیماری میں گھرے ہوئے تھے اور قریش عرب میں اپنے آپ کو سب سے افضل گردانتے تھے۔

حد تو یہ کہ اسلام سے قبل ہر قوم ایک نسلی خدا کی پرستار تھی، پورے جزیرۂ عرب کے مشرکوں میں ہر قبیلے کا خدا الگ تھا۔ گویا خدا کی حیثیت ایک قومی خدا کی تھی اور مشرکین کو چھوڑ یئے، یہود جیسی موحد قوم بھی خدا کو ''خدائے کائنات'' ماننے کی واضح طور پر قائل نہ تھی۔

قرآن نے ''خدائی اور بڑائی'' کے ان غلط تصورات کی تردید کی۔

سورۃ الفاتحہ میں رب العالمین فرما کر بتلا دیا کہ پوری کائنات میں پالنہار اور متصرف و قادر مطلق صرف خدا کی ذات ہے......

جو دن لا کر رات کی تاریکی غائب کر دیتا ہے......

دن کی چمک کو رات کی سیاہی میں چھپا دیتا ہے......

جو پھولوں کی مہک اور پرندوں کی چہک میں کار فرما ہے......

تو خدائی کا جو غلط دعویٰ تھا اس کو مٹا دیا اور اس کے بعد بڑائی اور افضلیت کے غلط نظریے کو یہ فرما کر ہمیشہ کے لیے دفن کر دیا کہ:

﴿ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ ﴾

''اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مذکر اور ایک مؤنث سے پیدا کیا اور تمہارے کنبے اور قبیلے بنائے تاکہ تمہارا تعارف ہو۔ بے شک اللہ کے ہاں قابل عزت وہ شخص ہے جو تقویٰ دار ہے۔'' اللہ رب العزت فرمانا چاہتے ہیں کہ:

تمہارا رب بھی ایک......

تمہارا باپ بھی ایک......

تمہاری ماں بھی ایک......

تو پھر بڑائی اور فضیلت جتلانے کا کیا مطلب؟

آگے ارشاد فرمایا:

﴿ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا ﴾

کنبے اور قبیلے تعارف کے لیے ہیں

ہاں! یہ تعارف کے لیے ہی استعمال ہوں تفاخر اور بڑائی کے لیے نہیں، اس لیے کہ:

﴿ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ ﴾

''فضیلت اور بڑائی خدا کے ہاں تقویٰ والوں کو ہے۔''

خطبہ وداع جسے پورے عالم انسانیت کا منشور کہا جا سکتا ہے اس میں سرکار دو عالم ﷺ نے قومیت کی جڑیں کاٹ کر رکھ دیں، فرمایا:

" يأيها الناس إن ربكم واحد و ان اباكم واحد كلكم من آدم وآدم من تراب ان اكرمكم عند اللّٰه أتقكم وليس لعربي على عجمي فضل الا بالتقوىٰ."

ان لوگوں کی تردید فرما دی جو،

بدعملی کے باوجود......

بے عملی کے باوجود......

ظلم کے باوجود......

عزتیں لوٹنے کے باوجود......

دھوکہ بازی اور فریب کاری کے باوجود......

حرام خوری کے باوجود......

خود کو اپنی قوم، نسل کی بناء پر افضل اور اعلیٰ سمجھتے ہیں۔

یہود کا دعویٰ تھا:

﴿ نَحْنُ أَبْنَاءُ اللَّهِ وَأَحِبَّاؤُهُ ﴾

''ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں۔''

اعمال کیسے بھی ہوں......

اخلاق کیسے بھی ہوں......

معاملات کیسے بھی ہوں لیکن قوم اعلیٰ تو نجات دہندہ!

اسلام نے جب قومیت پرستی کے بت کو توڑا تو پھر حبشی اور رومی، فارسی اور غفاری، دوسی اور اموی بھائی بھائی بن گئے اور تمام امتیازات ختم ہو کر رہ گئے، علمی اور عملی ترقی کے دروازے سب کے لیے یکساں طور پر کھل گئے۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ غلام تھے ....

زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ غلام تھے.....

ان کے صاحبزادے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ، آزاد کردہ غلام کے بیٹے تھے لیکن چند ایک صحابہ رضی اللہ عنہم کے علاوہ کون ہے جو ان کی عظمت و منقبت کا مقابلہ کر سکے؟ بلکہ حضرت زید رضی اللہ عنہ تو وہ واحد صحابی ہیں جن کا تذکرہ قرآن مجید میں بھی آیا، کسی ہاشمی کسی قریشی کا ذکر نہیں بلکہ ذکر ہے تو حضرت زید رضی اللہ عنہ کا۔

﴿ فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا ﴾

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو نبی کریم ﷺ نے زندگی کے آخری دنوں میں جس لشکر کی قیادت کے لیے مقرر کیا اور اس لشکر کے سپاہی کون تھے؟

حضرت ابو بکر، حضرت عمر اور حضرت علی جیسے کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایک نو عمر امیر کی قیادت میں!

تو عرض کر رہا تھا کہ اسلام نے قومیت پرستی کو مٹا کر علمی اور عملی ترقی کے دروازے سب

کے لیے کھول دیے اور افضلیت کو تقویٰ سے مشروط کر دیا فرمایا:

" من أحبّ ان يكون اكرم النّاس فليتق اللّٰه."

ترجمہ: ''جو چاہتا ہے کہ لوگوں میں سے سب سے زیادہ افضل بن جاؤں تو اسے چاہیے وہ تقویٰ اختیار کرے۔

اور حضرت ابو ہریرہ ﷛ سے روایت ہے:

" إن اللّٰه تعالىٰ يقول يوم القيامة إني جعلت نسباً وجعلتم نسباً فجعلت أكرمكم اتقكم وابيتم إلا ان تقولوا فلان ابن فلان وأنا اليوم أرفع نسبي وأضع أنسابكم أين المتقون ؟ أين المتقون ؟"

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اعلان فرمائیں گے کہ ایک نسب میں نے بنایا تھا اور ایک تم نے۔

میں نے عزت کا معیار تقویٰ کو قرار دیا مگر تم نے انکار کیا کہ عزت اور افضلیت کا معیار تقویٰ نہیں بلکہ فلاں قوم، قبیلے کا فرد ہونا ہے۔

آج میں اپنے نسب کو بلندی عطا کروں گا اور تمہارے نسبوں کو گرا دوں گا، تمہارے نسبوں کا آج کے دن کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔

عصبیت اور قومیت پرستی کی تردید میں سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا:

" ليس منّا من دعا الى العصبيه وليس منّا من قاتل على العصبية وليس منّا من مات على العصبية." ابو داؤد/۲/۱ ۳/باب في العصبيه

''جس نے عصبیت کی دعوت دی اور عصبیت پر مرنے مارنے کی بات کی وہ ہم میں

سے نہیں۔"

اور حقیقت یہی ہے میرے دوستو! اگر ہمارے اندر عصبیت اور قوم پرستی کی بیماری موجود ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم ایمان میں کمال حاصل نہیں کر سکے۔ نمازیں اپنی جگہ، روزے، صدقات، حج اور عمرے اپنی جگہ۔ بہت بڑی عبادتیں ہیں مگر اس مرض کے ہوتے ہوئے یہ بے روح اور بے جان ہیں

معاف کیجئے گا! بعض دیندار لوگ بھی جب کسی کے خلاف بات کرتے ہیں تو ساری کی ساری قوم کو لٹیرا، ڈاکو اور فاسق تک کہہ دیتے ہیں۔

یہ پٹھان تو ہوتے ہی ایسے ہیں......

یہ پنجابی تو ہوتے ہی ایسے ہیں......

یہ سندھی، مہاجر، یہ بلوچ تو ہوتے ہی سارے کے سارے ایسے ہیں......

ارے نہیں، میرے بھائیو! کسی ایک فرد یا چند افراد کی کمزوریوں کو دیکھ کر ساری کی ساری قوم یا جماعت کو فاسق، لٹیرا، دھوکے باز، خائن، عزت فروش، کمینہ کہہ دینا انصاف نہیں۔

کمزوریاں اور خامیاں تو ہر ایک میں ہوتی ہیں۔

دنیا کی کوئی جماعت، کوئی گروہ، کوئی قوم ایسی نہیں جس میں سو فیصد لوگ صحیح ہوں۔

کوئی رشوت لینے والا نہ ہو......

کوئی دوسروں کے حقوق کھانے والا نہ ہو......

کوئی کمزوروں پر ظلم کرنے والا نہ ہو......

کوئی کسی کو ستانے والا نہ ہو......

کوئی قاتل اور ڈاکو نہ ہو......

کوئی زانی اور شرابی نہ ہو......

اور اگر میری یہ بات غلط ہو تو کسی ایک جماعت کا نام لیجیے جس کے سارے افراد عابد و زاہد ہوں اور خامیوں سے پاک ہوں۔

میں ایک کتاب کا مطالعہ کر رہا تھا جو انڈیا سے چھپی ہے اس کے مصنف شاید انڈیا کے حوالے سے یا کسی اور ملک کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ یہاں مسجدیں بھی تقسیم ہیں:

یہ میمنوں کی مسجد ہے......

یہ گجراتیوں کی مسجد ہے......

یہ فلاں کی اور یہ فلاں کی مسجد ہے......

انداز دیکھیے! خانہ خدا کو بھی قومیت کی بناء پر بنایا اور تقسیم کیا جا رہا ہے۔

لیکن اس ضمن میں ایک وضاحت ضروری سمجھتا ہوں اور وہ یہ کہ خاندان سے محبت، قوم سے محبت، وطن سے محبت یہ عصبیت کے زمرے میں نہیں آتی

ہم حرمین جاتے ہیں تو وہاں سکون ملتا ہے، قلبی کیفیات کو ایمانی جلا ملتی ہے اس لیے کہ وہاں ہمارے آقا ﷺ کا روضہ ہے اور اس مبارک زمین پر میرے اور آپ کے بلکہ پوری کائنات کے محسن اعظم ﷺ کے مبارک قدم لگے ہیں اس لیے ہمیں اس قطعۂ ارض سے سب سے زیادہ محبت ہے اور اس کے بعد اپنے وطن پاکستان سے محبت ہے۔ مجھے کچھ عرصہ قبل جنوبی افریقہ جانے کا اتفاق ہوا تو وہاں سے پیشکش ہوئی کہ آپ یہاں آ جائیں۔ میں

نے معذرت کی کہ بچے پاکستان میں ہیں اور میں ان کے بغیر نہیں رہ سکتا انہوں نے کہا آپ کے بچوں کو بھی بلا لیتے ہیں تو میں نے پھر اپنے دلی جذبات کا اظہار کر ہی دیا کہ مجھے تو پاکستان کے علاوہ کہیں چین ہی نہیں آتا، کہیں دل ہی نہیں لگتا۔

تو عرض یہ کر رہا تھا کہ قوم سے، وطن سے محبت عصبیت نہیں بلکہ ایک مسلمان تو اپنی قوم سے، اپنے وطن سے، خاندان سے اور کنبے قبیلے سے محبت کرنے والا ہوتا ہے اور کیوں نہ ہو اسلام کی تو تعلیم ہی یہی ہے اسی لیے فرمایا کہ اگر تم نے صدقہ دینا ہو تو دور کے لوگوں کے بجائے قریبی رشتہ داروں کو دو۔ ان کو دینے میں دو ثواب ہیں:

ایک تو صدقہ کا ثواب اور دوسرا صدقہ کے ذریعے کی جانے والی صلہ رحمی کا ثواب

اپنے وطن سے محبت تو میرے آقا ﷺ کو بھی تھی۔ جب آپ مدینہ ہجرت کر کے جانے لگے تو رات کی تاریکی میں آپ مکہ سے خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''مکہ! میرا جی تو نہیں چاہتا ہے کہ تجھ سے دور رہوں مگر تیرے باسی اور مکین مجھے یہاں رہنے نہیں دیتے''

بلکہ ایک موقع پر تو خود خدا کے حکم سے نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

﴿ لا أسئلكم عليه أجرا إلا المودّة في القربى ﴾

''میں تم سے قرابت داری اور رشتہ داری کا سوال کرتا ہوں۔''

اے قریشیو!

اے عربو!

اے میرے خاندان والو!

آخر تم تو رشتہ داریوں کا لحاظ رکھتے ہو، رشتوں کو اہمیت دیتے ہو تو میں بھی تو تمہارے خاندان سے ہوں، پھر میرے اوپر اتنا ظلم نہ کرو، میرے ساتھ اتنی ناانصافی تو نہ کرو۔ تو یہاں خاندانی رشتے کی جو محبت ہوتی ہے اسکا واسطہ دے کر سوال کیا گیا ہے پتہ چلا کہ خاندانی محبت، عصبیت میں داخل نہیں۔ اور سورۃ النساء میں فرمایا:

﴿ يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ ﴾

(سورۃ نساء/۴/۱)

''اے لوگو! اس اللہ سے ڈرو جس نے تمہیں ایک نفس سے پیدا فرمایا اور اسی سے اس کی بیوی پیدا کر کے ان دونوں سے مرد اور عورتیں پھیلا دیے اور اس اللہ سے ڈرو جس کے نام پر ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور رشتوں سے ڈرو۔''

اس آیتِ کریمہ میں جو یہ کہا گیا کہ ''رشتوں سے ڈرو'' تو اس کا ایک مطلب یہ ہے کہ رشتوں کو توڑنے سے بچو، رشتوں کو توڑو نہیں، قطع رحمی نہ کرو اور ایک اور تفسیر بھی کی گئی ہے:

﴿ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ ﴾

کہ اللہ سے ڈرو اور رشتوں سے ڈرو جن رشتوں کے ذریعے تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس دوسری تفسیر کے پیشِ نظر اس آیت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ خاندانی محبت اور عصبیت دو الگ الگ چیزیں ہیں ہر قومی محبت عصبیت نہیں ہوتی۔

ایسا ہوسکتا ہے کہ قوم سے، وطن سے، خاندان سے محبت ہو لیکن اس میں عصبیت کا عنصر نہ ہو اور جو محبت عصبیت شمار ہوگی میرے آقا ﷺ نے اسے بھی واضح فرما دیا، سوال کیا گیا یا رسول اللہ عصبیت کیا ہے؟

ارشاد فرمایا:

" ان تعین قومك علی الظلم. "ابو داؤد/۲/۳۵۱/باب فی العصبیه

قربان جائے اس نبی اُمّی پر جس نے کسی سے لکھنا پڑھنا نہیں سیکھا لیکن کیا حکمت کی باتیں جاری ہوتی تھیں ان کی مقدس زبان پر، فرمایا کہ عصبیت یہ ہے کہ تمہاری قوم ظلم کرے اور تم اس کا ساتھ دو۔

جانتے ہو کہ خاندان جھوٹا ہے......

ناحق پر ہے......

ظلم پر ہے......

زیادتی کر رہا ہے......

دوسروں کے حقوق غصب کر رہا ہے......

لیکن اس کے باوجود خاندان کی محبت میں آکر خاندان کا ساتھ دیتا ہے تو اسے عصبیت کہا جائے گا۔

لیکن اگر ویسے خاندان میں یتیم ہیں، بیوائیں ہیں، بے سہارا لوگ ہیں تو ان کی مدد کرنا عصبیت نہیں دین ہے۔

تو آقا ﷺ نے اتنی سختی سے تردید فرمائی عصبیت کی لیکن اُمت آج بھی اس بیماری میں

مبتلا ہے اور اس کی پیشین گوئی بھی سرکارِ دو جہاں ﷺ نے فرمادی تھی۔

حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ چار باتیں ایسی ہیں جو زمانہ جاہلیت میں تھیں لیکن میری اُمت کے بعض افراد میں بھی موجود رہیں گی۔

یہاں یہ بھی وضاحت کر دوں کہ جاہلیت کیا ہے؟

لوگوں نے سمجھ رکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ سے پہلے کا زمانہ ہی زمانہ جاہلیت تھا اور بس! نہیں! ہر وہ طرزِ زندگی جو وحی کو چھوڑ کر اختیار کیا جائے وہ جاہلیت ہے اس لیے ہم مغربی تہذیب کو جاہلیت کہتے ہیں......

ہندو تہذیب کو جاہلیت کہتے ہیں......

اس لیے کہ ان کی بنیاد وحی الٰہی پر نہیں ہے

آج یورپ والے کہتے ہیں کہ معاذ اللہ جاہلیت کا دور وہ تھا جب

سائنسی علوم نہ تھے......

سائنسی ایجادات عام نہ تھیں......

سائنسی ترقی نہیں تھی......

چنانچہ ان کے فلسفہ کے مطابق معاذ اللہ نبی کریم ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا زمانہ جاہلیت کا زمانہ تھا اور ہمارے نزدیک وہ زمانہ سب سے زیادہ ہدایت اور روشنی کا زمانہ تھا۔

فرمایا:

" خیر القرون قرنی. "

''سب سے بہترین زمانہ میرا زمانہ ہے۔''

آقا نے فرمادیا ہم نے آنکھیں بند کر کے تسلیم کر لیا کہ بے شک بہترین زمانہ آپ ﷺ کا زمانہ تھا۔

ایسا بہترین زمانہ نہ انسانیت نے پہلے دیکھا تھا اور نہ قیامت تک دوبارہ ایسے زمانہ کی جھلک دیکھی جاسکتی ہے۔

اور بدترین زمانہ وہ زمانہ ہے جس میں خدا سے بغاوت کر کے زندگی گزاری جائے۔

چاہے اس زمانہ میں ایٹم بموں کے ڈھیر لگے ہوں......

چاہے اس زمانہ میں سورج اور چاند کی تسخیر ہو رہی ہو......

ستاروں پر کمندیں ڈالی جارہی ہوں......

ایجادات کی کثرت ہو......

لیکن اگر وہ زمانہ خدا کا باغی ہے، وحی الٰہی کا باغی ہے تو وہ بدترین اور تاریکی میں ڈوبا ہوا زمانہ ہے۔

تو عرض کر رہا تھا کہ چار باتیں زمانہ جاہلیت کی اس اُمت کے بعض افراد کے اندر بھی پائی جائیں گی!

اللہ اکبر! دعا فرمائیں اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے دل سے ان چاروں باتوں سے بچنے کی توفیق عطا فرمائیں اور اگر ہمارے اندر ہیں تو ہمیں نکالنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

آقا ﷺ نے فرمایا پہلی بات:

" الفخر فی الاحساب۔"

''اپنے حسب نسب پر، اپنی قوم پر فخر ہوگا، اپنے خاندان پر فخر ہوگا۔''

سوچیے! کیا آج کے دور میں امت اس بیماری میں مبتلا نہیں ہے؟

" والطعن في الانساب."

یہ دوسری چیز ذکر فرمائی کہ اپنے حسب نسب پر تو فخر ہوگا اور دوسروں کے حسب نسب کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا جائے گا:

آپ نے سنا ہوگا لوگ لڑائی جھگڑے کے وقت کہتے ہیں

جانتا ہوں تو کون ہے......

تیرا والد کون تھا......

تمہارا خاندان کیسا ہے......

قوم، صوبے، زبان کا نام لے کر گالی دی جاتی ہے۔

" والاستسقاء بالنجوم."

تیسری بات فرمائی کہ ستاروں سے بارش طلب کریں گے، ستاروں کو مؤثر سمجھیں گے،

آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان کی سچائی پر قربان جاؤں۔

آج نجوم کے ذریعے سے حال بتائے جارہے ہیں، یہ ہفتہ کیسا رہے گا؟ ٹی وی اور اخبارات کے ذریعے یہ باتیں بتائی جارہی ہیں۔

ستاروں کی چالوں پر نظر ہے، یہ ستارہ وہاں ہوگا تو سعد گھڑی ہوگی، یہ ستارہ وہاں ہوگا تو نحس گھڑی ہوگی۔

اور یہ باتیں اس مسلمان کو بتائی جارہی ہیں جو سعادت اور نحوست کا مالک اللہ تعالیٰ کو

سمجھتا ہے۔

چوتھی چیز جو زمانہ جاہلیت میں تھی اور اس امت میں رہے گی وہ ہے:

" النیاحه. "

نوحہ، ماتم واویلا......مسلم/۲۱۱٤

یہ وہ چار چیزیں ہیں جن کی پیشین گوئی آقا ﷺ نے چودہ سو سال قبل فرما دی تھی۔

آج ہم کھلی آنکھوں ان ساری باتوں کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔

دشمنوں نے ہمیں ایسا تقسیم کیا کہ قوم وملک کی بناء پر ایک دوسرے سے نفرت کی جارہی ہے۔

یہاں نفرت ہے:

پنجابی ہونے کی بناء پر......

سندھی ہونے کی بناء پر......

بلوچی ہونے کی بناء پر......

پٹھان ہونے کی بناء پر......

مہاجر ہونے کی بناء پر......

اور آگے چلیں تو ایک مسلمان دوسرے مسلمان سے نفرت کر رہا ہے، پاکستانی ہونے کی بناء پر......

ہندوستانی ہونے کی بناء پر......

تو قومیت پرستی نے ہمیں کھوکھلا کر کے رکھ دیا اور رہی سہی کسر فرقہ واریت نے نکال دی۔

پہلے عربوں کے ذہن میں عصبیت بٹھائی گئی!

وہ عرب جن کے ذہن سے ہادی اعظم ﷺ نے یہ بات کھرچنا چاہی کہ یہ قومیت پرستی کی بیماری میں مبتلا نہ ہوں، ان کے ذہنوں سے قومیت پرستی کا تصور نکل جائے اور نکل کیا گیا تھا لیکن وہ جاہلیت دوبارہ واپس آگئی اور عربوں کے ذہن میں یہ بات بٹھائی گئی کہ عجمی سارے کے سارے گھٹیا ہیں اور تم اعلیٰ ہو۔

چنانچہ عربیت کی بناء پر ایک زمانہ میں قومیت پرستی کو بڑا فروغ دیا گیا کہ جو عربی ہے وہ ہمارا ہے، چاہے وہ یہودی ہو، یا عیسائی ہو!

لٹریچر کے ذریعے اس زہریلے نظریے کو خوب پروان چڑھایا گیا اور پھر نتیجہ یہ نکلا کہ قومیت کی تقسیم کے بعد دشمنوں نے ایک ایک کر کے مسلمانوں کو مارنا شروع کر دیا۔

وہی نظریہ جو خود ان کے ذہنوں میں بٹھایا تھا کہ تم سب سے اعلیٰ ہو اسے نکالنا شروع کر دیا، دماغ درست کرنا شروع کر دیا۔

قومیت کے بعد ہمیں فرقہ واریت میں تقسیم کیا گیا۔

میں نہ محدث ہونے کا دعویٰ کرتا ہوں......

نہ مفسر ہونے کا دعویٰ کرتا ہوں......

نہ عالمی حالات پر گہری نظر رکھنے کا اور نہ تجزیہ نگار ہونے کا......

حقیقت یہ ہے میرے دوستو! کہ جب دیکھتا ہوں کہ مسلمان کافروں کی چالوں کو سمجھتے نہیں تو دل ٹکڑے ٹکڑے ہوتا ہے۔

ارے مؤمن تو عقلمند ہوتا ہے، دانا اور صاحب فراست ہوتا ہے۔

اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا:

"اتقوا فراسة المؤمن فإنه ينظر بنور الله."

''مؤمن کی فراست سے ڈرو کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔'' ترمذی/۳۲۳۹

اور آقا ﷺ نے فرمایا:

''مؤمن ایک سوراخ سے دوبار نہیں ڈسا جاتا۔'' النسائی/۴۸۰۸

ہم بار بار ڈسے جا رہے ہیں اور پھر بھی عبرت نہیں پکڑتے، نصیحت حاصل نہیں کرتے، یوں لگتا ہے جیسے دشمن نے ہمیں کھلونا بنا رکھا ہو۔

ہمیں دشمن کی تدبیروں اور سازشوں کو سمجھنا ہوگا، میں اور آپ زیادہ سے زیادہ اخبارات کا مطالعہ کر لیتے ہیں، ریڈیو سن لیتے ہیں یا بعض لوگ ٹی وی پر تجزیے اور تبصرے سن لیتے ہیں لیکن اس وقت تمام میڈیا بشمول بی بی سی کے اکثر جھوٹ پھیلا رہا ہے۔

اور جھوٹ تو ایسا عام وبا بن چکی ہے کہ ہماری،

تجارت میں جھوٹ......

معاشرت میں جھوٹ......

معیشت میں جھوٹ......

سیاست میں جھوٹ......

اخبارات ورسائل میں جھوٹ......

ریڈیو اور ٹی وی میں جھوٹ......

ہر طرف جھوٹ ہی جھوٹ ہے۔

اتنا جھوٹ کہ حقیقت چھپ کر رہ جاتی ہے۔

مسلمانوں میں اتحاد پیدا کرنے کے لئے اس وقت اگر کو ضرورت ہے تو میری ناقص سوچ کے مطابق اس بات کی ہے کہ قرآن وحدیث کی دعوت کو عام کیا جائے۔

کاش! کوئی ایسی صورت بن جائے کہ ہم قرآنی دعوت کو، قرآنی افکار کو ایسے منظم اور بھرپور انداز سے پیش کریں کہ قرآن پر گولی چلانے والے قرآن کے محافظ بن جائیں،

علم کی بنیاد پر......

دلیل کی بنیاد پر......

قرآن کی آواز ہر جگہ پہنچائی جائے۔

پھر بھی قرآن کا حق تو ادا نہیں ہو سکے گا مگر ہمارا نام اس مقدس کتاب کے خادموں میں ضرور آجائے گا۔

اب تو فساد اور خون خرابہ دیکھ دیکھ کر یہ یقین ہو گیا ہے کہ امت کی نجات قرآنی تعلیمات میں ہے، اس نور کو پھیلا دینے میں ہے، قرآنی تعلیمات کو زیادہ سے زیادہ عام کیجئے اور اس کے ذریعہ ذہنوں اور دلوں کو بدلنے کی کوشش کیجئے۔

اسی کتاب میں ہمارے تمام مسائل، تمام پریشانیوں اور ساری الجھنوں کا حل مضمر ہے۔

قرآن ''حق بات'' کہنے کا درس دیتا ہے اور یہ بتلاتا ہے کہ حق بات کہو، اگر چہ اس کی زد میں تمہارے والدین، رشتہ داریا عزیز آتے ہوں۔

آج کل دوسروں کے معاملات میں تو حق کہا جاتا ہے اور وہ بھی صرف اپنے مفاد کی خاطر لیکن اپنی ذات کے بارے میں کوئی حق سننے کو تیار نہیں۔

عرض یہ کر رہا تھا کہ قومیت پرستی اور عصبیت کا توڑ قرآنی تعلیمات ہی سے ممکن ہے،

ورنہ یہ موذی مرض اسلامی بھائی چارے کو مٹا کر معاشرے کو فساد کی طرف دھکیل دے گا۔

اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو یہ توفیق عطا فرمائیں کہ ہم اپنی زندگی کے لیے قرآن اور سنت رسول اللہ ﷺ کو مشعل راہ بنائیں۔ (آمین)

وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العلمین

کیا دنیا میں اسلام تلوار کے زور سے پھیلا؟

الحمدللّٰہ وحدہ والصلوٰۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ، أما بعد!

فأعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

﴿لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ﴾

(سورۃ البقرۃ: ۲۵۶/۳)

بزرگو اور دوستو، بہنو اور بیٹیو! آج کی اس فکری نشست کے لیے منتظمین نے جس موضوع کا انتخاب کیا ہے وہ اشتہار کے ذریعے آپ کے علم میں آچکا ہے یہ موضوع ایک سوال کی شکل میں ہے یعنی یہ کہ "کیا دنیا میں اسلام تلوار سے پھیلا؟" یہ سوال بہت پرانا ہے اور اس کے جوابات بھی عرصہ دراز سے علماءِ کرام دے رہے ہیں، میری ناقص سوچ کے مطابق اس سوال کو اچھالنے میں مستشرقین کی کوششوں کا خصوصی دخل ہے، مستشرقین ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جنہوں نے مشرقی اور اسلامی علوم اور تاریخ میں مہارت حاصل کی، یہ لوگ کتاب وسنت سے گہری واقفیت رکھتے ہیں، ان میں سے بعض عربی زبان اور فقہ وغیرہ میں بھی بڑے ماہر ہوتے ہیں، تاریخ کے مدوجزر پر ان کی گہری نظر ہوتی ہے، ظاہری طور پر یہ اپنے بارے میں خالص علمی انسان ہونے کا تاثر دیتے ہیں اور اپنے آپ کو غیر متعصب باور کراتے ہیں، قرآن کی ادبیت، فصاحت، تاثیر، تازگی اور جامعیت کا اقرار کرتے ہیں، نبی کریم ﷺ کی تعلیم وتربیت کے انداز، شجاعت وبسالت اور تاریخی انقلاب کی بڑی

تعریف کرتے ہیں لیکن چلتے چلتے درمیان میں کوئی ایسی بات لکھ جاتے ہیں کہ دلوں میں شکوک وشبہات پیدا ہو جاتے ہیں، یہ کام صرف مستشرقین اور ان مصنفین نے نہیں کیا جنہوں نے مذہب اور تاریخ کے موضوع پر کام کیا ہے بلکہ سائنس، میڈیکل اور ادب کے موضوع پر لکھنے والوں نے بھی اپنے قارئین کے ذہنوں میں کانٹوں کی فصل کاشت کرنے کی کوشش کی ہے۔

مولانا دریا آبادی:

میں اکثر مولانا عبد الماجد دریا آبادی رحمہ اللہ کا ذکر کرتا رہتا ہوں یہ بڑے ذہین، صاحب علم اور مذہبی خاندان سے تعلق رکھتے تھے، مگر ایک وقت ایسا آیا کہ مذہب سے متنفر اور بیزار ہو گئے، انہیں مذہب سے دور کرنے میں مغربی دانشوروں کی کتابوں کا بڑا ہاتھ تھا چونکہ مطالعہ کے شوقین تھے اسلئے جس موضوع پر بھی کوئی کتاب ہاتھ لگتی یا اسے پڑھ ڈالتے، انہوں نے لکھا ہے کہ میں نے جب ڈاکٹر دریسڈی کی کتاب Elemetsofsocial Science کا مطالعہ کیا تو دل میں مذہب اور اخلاقیات کے بارے میں شکوک پیدا ہو گئے۔

عین اسی زمانہ میں لکھنو کی لائبریری میں Tional library of Famous Literature in Terna کے نام سے کتاب دیکھی جس میں دنیا کے ادبیات کے بہترین انتخابات کو جمع کیا گیا ہے، اس کی ایک جلد میں قرآن اور اسلام کا ذکر ہے، اسی جلد میں بانی اسلام کا فوٹو بھی پورے صفحہ کا دیا گیا ہے جس کے نیچے مستند حوالہ درج ہے کہ فلاں قلمی تصویر کا یہ عکس ہے، تصویر یوں تھی کہ ایک عرب کے جسم پر عبا، سر پر عمامہ اور چہرہ مہرہ پر بجائے کسی قسم کی نرمی کے، تیوروں پر خشونت سے بل پڑے ہوئے، ہاتھ میں کمان، شانہ پر

ترکش، کمر میں تلوار، نعوذ باللہ جلاد قسم کے بدوی سردار کی تصویر۔ چونکہ مغرب کی تحقیق پر اندھا اعتماد تھا اس لیے دل نے کہا کہ حضور ﷺ کے کرم اور رحمت کے سارے قصے تو بے اصل تھے، حقیقت تو آج معلوم ہوئی۔

اس کے بعد ڈاکٹر ماڈسلی کی کتاب مرضیات دماغی دیکھی جس میں نفسیاتی بیماریاں بیان کرتے ہوئے اچانک اس نے مثال میں وحی محمد ﷺ کا ذکر کیا ہے اور آپ کا نام لکھ کر وہ کہتا ہے کہ بعض اوقات پاگل بھی بڑے بڑے کارنامے انجام دے دیتے ہیں۔ حوالہ میں یہ بتا رہا تھا کہ "تلوار کے زور پر اسلام کی اشاعت" کا پروپیگنڈا کرنے میں مستشرقین کی کوششیں کسی سے کم نہیں، یہ پروپیگنڈا آج بھی ہو رہا ہے مگر آج الفاظ بدل دیے گئے ہیں اور کہا جا رہا ہے کہ پوری دنیا میں تشدد کا ذمہ دار اسلام اور قرآن ہے۔

روشن خیالی:

میں "روشن خیالی" کے نام پر "تاریک خیالی" پھیلانے والے اپنے مسلمان بھائیوں کی خوابیدہ غیرت بیدار کرنے کے لیے سنا رہا ہوں کہ وہ غور فرمائیں ان کی کتاب مقدس اور نبی محترم ﷺ کے خلاف کیسی گندی زبان استعمال کی جا رہی ہے، میں نے ۲۰ نومبر کے روزنامہ جنگ کے ادارتی صفحہ میں پاکستان کے ایک مشہور صحافی کا کالم پڑھا، اس صحا کو امریکہ کے ایک شہر لاس ویگاس میں ہونے والی کانفرنس میں شرکت کی دعوت دی گئی تھ جس کا موضوع تھا "اسلامی شدت پسندی کا مقابلہ کیسے کیا جائے؟" مگر اس موضوع بات کرنے کی بجائے اکثر مقررین نے قرآن، اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کو تنقید کا ہدف بنایا، ڈاکٹر بروس جو نیویارک پولیس کا مشیر ہے اس نے کہا:

''قرآن مسلمانوں کو جھوٹ بولنے کی ترغیب دیتا ہے۔''

پینٹا گون میں اسلام پر لیکچر دینے والے رابرٹ سینز نے کہا:

''اسلام کوئی دین نہیں دنیا میں بڑھتے ہوئے تشدد کی وجہ قرآن ہے، جب تک مسلمان قرآن کو نہیں بدلیں گے روشن خیال نہیں ہو سکتے۔''

ایک بگڑی ہوئی شامی خاتون جسے نیوز ویک نے ۲۰۰۶ کی سب سے طاقتور شخصیات میں سے ایک قرار دیا ہے اس نے کہا:

''ڈیڑھ ارب مسلمانوں کو روشن خیال بنانے کے لیے ضروری ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے توہین آمیز کارٹون بار بار شائع کیے جائیں، جب مسلمان احتجاج کرنا چھوڑ دیں گے تو ہمیں ان کے ماڈرن ہونے کا یقین آ جائے گا۔''

کانفرنس ہال کے باہر ڈاکٹر رابرٹ مور کے کتابچے فروخت ہو رہے تھے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف گالیوں سے بھرے ہوئے تھے۔

کالم نگار کہتا ہے کہ رابرٹ سینز نے میری طرف بار بار اشارہ کرتے ہوئے کہا جو مسلمان قرآن کو جھٹلانے کی ہمت نہیں رکھتا ہم اسے ماڈرن تسلیم نہیں کر سکتے، جس پر میں نے کہا:

''تم ہمیں ماڈرن سمجھو یا نہیں سمجھو ہم قرآن کو جھٹلانے کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔''

یہ ہے وہ روشن خیالی جسے اہلِ مغرب، مسلمانوں میں عام کرنا چاہتے ہیں۔

متعصب دیوانے:

تلوار سے اسلام کی اشاعت اور قرآن کو تشدد پھیلانے کا ذمہ دار ٹھہرانے کا پروپیگنڈا!

بھی انہی "تاریک خیالوں" کا ہے جو روشن خیال ہونے کے دعویدار ہیں، یہ وہ انتہائی متعصب لوگ ہیں جو اسلام کی تیز ترین اشاعت کو دیکھ کر پاگل ہو گئے ہیں، یہ پاگل پن آج سے نہیں، بہت پرانا ہے۔

یہ تو آپ جانتے ہیں کہ دنیا میں بڑے مذاہب چھ ہیں، بدھ، ہندو، زرتشت، یہودیت، عیسائیت اور اسلام، پہلے پانچ مذاہب کے مقابلہ میں اسلام سب سے کم عمر مذہب ہے، اسلام پر وہ محاورہ صادق آتا ہے کہ "وہ آیا اس نے دیکھا اور فتح کرلیا" نبی کریم ﷺ کی وفات کو ابھی سو سال بھی نہیں گزرے تھے کہ اسلام دنیا کے تین براعظموں میں پھیل گیا، سب سے پہلے شام، فلسطین، مصر، شمالی افریقہ اور ایران نے اس کے سامنے سر تسلیم خم کیا، پھر مغرب کی طرف بڑھتے ہوئے اس کے نام لیوا اسپین تک جا پہنچے اور مشرق میں اس کی تعلیمات کی خوشبو دریائے سندھ کو عبور کر گئی، صرف سو سال کے اندر مسلمانوں کی حکومت روم اور ایران کی حکومتوں سے کہیں زیادہ وسیع، طاقتور اور خوشحال ہو چکی تھی، جس کے عدل امن وسلامتی، رواداری، علم پروری اور استحکام کے چرچے بچے بچے کی زبان پر تھے۔

میں صرف کل کی کامیابی کی خبریں سنا کر آپ کو خوش کرنا نہیں چاہتا، میں آج کی دنیا پر بھی نظر ڈالتا ہوں تو دنیا میں سب سے زیادہ قبول کیا جانے والا مذہب اسلام ہی ہے، چند دن پہلے اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی کہ یورپ میں روزانہ پانچ سو افراد اسلام قبول کر رہے ہیں، جرمنی کے ایک بہتر سالہ پادری نے اسلام قبول کرنے والوں کی بڑھتی ہوئی تعداد دیکھ کر اپنے آپ کو زندہ جلالیا، ایسے متعصب دیوانوں کو کہا جا سکتا ہے:

﴿ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ ﴾

(سورۂ آل عمران : ۱۱۹/٤)

''اپنے غصے میں مرجاؤ''

اور یہ کہ

﴿وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْكَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ﴾

(سورۂ صف : ۸/۲۸)

''اللہ اپنے نور کو پورا کر کے رہے گا، اگر چہ کافر ناپسند کریں۔''

ریڈرز ڈائجسٹ المانک برائے ۱۹۸۴ء میں مذاہب کے پھیلاؤ کے بارے میں ایک مضمون شائع ہوا بعد میں یہی مضمون ''دی پلین ٹرتھ'' نامی جریدے میں بھی شائع ہوا اس میں اقرار کیا گیا کہ گزشتہ پچاس سال کے عرصے میں اسلام کا پھیلاؤ ۲۳۵ فیصد رہا جبکہ عیسائیت کا پھیلاؤ ۴۷ فیصد رہا۔

غلط فہمی:

عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ دنیا میں سب سے زیادہ تعداد عیسائیوں کی ہے اور مسلمان دوسرے نمبر پر ہیں مگر میں اسے ایک غلط فہمی قرار دیتا ہوں اس لیے کہ مغربی ممالک کا حال یہ ہے کہ وہاں کے باشندوں کی اکثریت مذہب سے باغی ہو چکی ہے نہ وہ خدا کا وجود تسلیم کرتے ہیں، نہ وہ آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ ہی وہ نبوت و رسالت اور آسمانی تعلیم پر یقین رکھتے ہیں، وہ اپنی شہوت پرستی اور مادیت پرستی میں کسی کی دخل اندازی برداشت نہیں کرتے خواہ وہ خدا ہی کیوں نہ ہو، ایسے لوگوں کو یقیناً خود عیسائی بھی عیسائی نہیں مانتے، جب کہ مسلمان اگر چہ عملی اور اخلاقی اعتبار سے کمزور ہی کیوں نہ ہوں کم از کم ان بنیادی عقائد پر ایمان رکھتے ہیں جن کے بارے میں تمام آسمانی کتابوں کی تعلیمات

مشترک ہیں اس لیے میرا یہ دعویٰ ہے کہ دنیا میں سب سے زیادہ تعداد مسلمانوں کی ہے۔

ایک بڑا سبب:

قبولِ اسلام کے علاوہ مسلمانوں کی تعداد میں روز افزوں اضافے کا ایک سبب توالد و تناسل کی کثرت بھی ہے، یہ حقیقت ہے کہ شہوت پرستی کو مقصدِ زندگی بنا لینے کی وجہ سے مغربی عورت اور مرد اولاد کے چکر میں نہیں پڑنا چاہتے، وہ بچوں کی ولادت کو اپنی آزادی کے راستے میں بڑی رکاوٹ سمجھتے ہیں اس لیے اول تو وہ بچے پیدا ہی نہیں کرتے اگر پیدا کریں تو ایک دو بچوں سے آگے نہیں بڑھتے، انہوں نے ہمارے ہاں بھی یہ تحریک چلانے کی کوشش کی، خاندانی منصوبہ بندی کا محکمہ جس کے لیے وہ اربوں روپے امداد دیتے ہیں اس کا مقصد یہ ہے کہ بچے پیدا نہ کیے جائیں اور اگر بہت زیادہ خواہش ہو تو ایک دو بچوں سے دل بہلایا جائے، آپ کو ہر چوراہے پر ''بچے دو ہی اچھے'' کا سلوگن دکھائی دے گا لیکن زیادہ تر مسلمان اس نعرے سے متاثر نہیں ہوتے، وہ نہ صرف زیادہ بچے پیدا کرتے ہیں بلکہ اس نیت سے پیدا کرتے ہیں کہ یہ بڑے ہو کر اسلام کے مبلغ، خادم اور مجاہد بنیں اور پوری دنیا میں اسلام کا جھنڈا بلند کریں، میں ایک ایسے مسلمان کو جانتا ہوں جو امریکا میں رہتا ہے اور اس کے تیرہ بچے ہیں ان میں سے گیارہ بچے دین کا علم حاصل کر رہے ہیں میرے سامنے ایک دن وہ اپنے بچوں سے کہہ رہا تھا:

''تم نے امریکہ کو مسلمان کرنا ہے۔''

مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی تعداد، اسلام کے ساتھ ان کی قلبی وابستگی اور دعوت کے جوش نے پوری دنیا کے اسلام دشمنوں کو پاگل کر دیا ہے، ان سے جب دائرۂ اسلام کی وسعت کے

بارے میں سوال کیا جاتا ہے تو وہ کہہ دیتے ہیں کہ دنیا میں اسلام تلوار کے زور سے پھیلا، بعض مسلمان بھی ان کے جھوٹے پروپیگنڈے سے متاثر ہو جاتے ہیں اور سوال کرتے ہیں کیا دنیا میں اسلام تلوار کے زور سے پھیلا؟

اجازت ہی نہیں:

میں بڑے ادب سے اس سوال کا جواب دیتا ہوں کہ نہیں اسلام تلوار کے زور سے نہیں پھیلا اس لیے کہ خود اسلام کسی کافر کو قبول اسلام پر مجبور کرنے کیلئے تلوار اٹھانے کی اجازت نہیں دیتا، آپ پورے قرآن سے ایک آیت اور ذخیرۂ احادیث میں سے ایک حدیث پیش نہیں کر سکتے، جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ کسی کا مذہب اور نظریہ تبدیل کرنے کیلئے تلوار اُٹھانے کی اجازت دی گئی ہے بلکہ اس کے برعکس یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ اور مسلمانوں کی ذمہ داری صرف دعوت وابلاغ ہے، اس سے آگے بڑھ کر کسی کو مجبور کرنا جائز نہیں ہے، میں چند آیات آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں جن سے میرے دعویٰ کی تائید ہوتی ہے۔

سورۂ بقرہ کی آیت ۲۵۶ آپ نے بارہا سنی ہوگی، میں نے خطبہ میں بھی یہی آیت کریمہ تلاوت کی تھی، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ﴾

"دین میں کوئی جبر نہیں، تحقیق ہدایت اور ضلالت کا فرق واضح ہو چکا۔"

یعنی حق اور باطل، کفر اور ایمان بالکل واضح ہو چکے، اللہ تعالیٰ نے دوٹوک دلائل کے ذریعے ہدایت اور ضلالت کے درمیان فرق بیان کر دیا تاکہ جو ایمانی زندگی کا طلبگار ہے وہ بھی دلائل کی روشنی دیکھ کر راہِ راست پر چلے اور جو کفر وشرک پر مرنا چاہتا ہے وہ بھی دلیل سن

کر ہی مرے۔

سورۂ انفال کی آیت نمبر ۴۲ میں ہے:

﴿ لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ ﴾

''تا کہ جو ہلاک ہو دلیل جان لینے کے بعد ہلاک ہو اور جو زندہ رہے وہ بھی حق پہچان لینے کے بعد زندہ رہے۔''

سورۂ یونس کی آیت ۹۹ میں ہے:

﴿ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِى الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ۚ اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴾

''اور اگر آپ کا رب چاہتا تو زمین پر بسنے والے تمام انسان ایمان لے آتے تو کیا آپ لوگوں کو زبردستی مؤمن بنا سکتے ہیں؟''

اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کو تسلی دے رہے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کی تکوینی مشیت ہوتی تو وہ زمین پر بسنے والے سارے انسانوں کو ایمان قبول کرنے پر مجبور کر دیتا مگر ایسا کرنا اللہ تعالیٰ کی مشیت کے خلاف ہے، لہٰذا آپ کو بھی یہ امید نہیں رکھنی چاہیے کہ ہر شخص ایمان قبول کرلے گا، اس مقصد کے لیے جبر کرنا بھی جائز نہیں۔

سورۂ نحل کی آیت ۸۲ میں ہے:

﴿ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴾

''پس اگر وہ (ایمان سے) اعراض کریں تو آپ کے ذمہ تو صرف واضح طور پر پہنچا دینا ہی ہے۔''

سورۂ حج کی آیت ۴۹ میں ہے:

﴿ قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا أَنَا لَكُمْ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴾

''فرما دیجیے اے لوگو! میں تو صرف واضح طور پر ڈرانے والا ہوں۔''

یعنی میرا کام ماننے والوں کو خوشخبری سنانے اور تکبر کرنے والوں کو ڈرانے تک محدود ہے، کسی کے دل میں ایمان داخل کر دینا اور اسے اسلام کے سامنے سرِتسلیم خم کرنے پر مجبور کر دینا میرے اختیار میں نہیں ہے۔

سورۂ شوریٰ کی آیت ۴۸ میں ہے:

﴿ فَإِنْ أَعْرَضُوا فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا إِنْ عَلَيْكَ إِلَّا الْبَلَاغُ ﴾

اگر وہ اعراض کریں تو ہم نے آپ کو ان پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجا، آپ کے ذمہ تو صرف پہنچا دینا ہے۔''

تلوار میں یہ طاقت کہاں؟

ان تمام آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی ذمہ داری دعوت و ابلاغ، انذار و بشارت، تخویف و ترغیب اور سمجھانے تک محدود تھی، تلوار کے زور پر لوگوں کو قبولِ ایمان پر مجبور کرنے کی آپ کو اجازت نہیں تھی اور جب آپ کو اجازت نہیں تھی تو کسی دوسرے کو اس کی اجازت کہاں ہو سکتی ہے؟ ویسے میں عرض کرتا ہوں کہ تلوار میں یہ طاقت کہاں کہ وہ کسی کے نظریہ اور عقیدہ کو بدل دے، تلوار جسم کو جھکا سکتی ہے مگر دل اور دماغ کو نہیں جھکا سکتی۔

آپ مجھے بتایئے تیرہ سالہ مکی دور میں کونسی تلوار تھی؟ جس نے سینکڑوں دلوں میں ایمان کی شمع روشن کر دی، تلوار شمع کو گل تو کر سکتی ہے مگر روشن نہیں کر سکتی، اسلام کے ابتدائی

دور کا مطالعہ کرنے والا ہر انصاف پسند تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ تلوار اسلام دشمنوں کے ہاتھ میں تھی، اسلام قبول کرنے والوں کے ہاتھ میں نہیں تھی۔

کیا یہ حقیقت نہیں کہ تلوار عمر بن خطاب کے ہاتھ میں تھی، ظلم کا نشانہ بننے والی بہن فاطمہ بنت خطاب اور بہنوئی خباب کے ہاتھ میں نہیں تھی، آپ بتایئے، جب میرے آقا ﷺ مکہ والوں کے رویے سے بے حد دل شکستہ تھے وہ کونسی تلوار تھی جس نے مدینہ کے گھر گھر میں اسلام کا نور پھیلا دیا؟؟؟

آپ بتایئے وہ کونسی تلوار تھی جس نے اسلام کے بدترین دشمن ابوجہل کے بیٹے عکرمہ اور اس کی بہو کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کر دیا؟

وہ کونسی تلوار تھی جس نے غزوۂ احد میں لشکرِ کفار کی قیادت کرنے والے ابوسفیان کو اسلام کا مجاہد بنا دیا؟

وہ کونسی تلوار تھی جس نے میدانِ احد میں میرے آقا ﷺ کے مشفق اور محسن چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا کلیجہ چبانے اور مثلہ کرنے والی ہندہ کی زبان سے کہلوا دیا:

''اے محمد (ﷺ)! آج سے پہلے آپ کے چہرے سے زیادہ مجھے کسی چہرے سے نفرت نہ تھی اور آج کے بعد مجھے آپ کے چہرے سے زیادہ کسی چہرے سے محبت نہیں رہی۔''

وہ کونسی تلوار تھی جس نے یمامہ کے سردار ثمامہ بن اثال کو حلقہ بگوشِ اسلام کر دیا تھا، مسلمانوں نے اسے گرفتار کر کے تین دن کے لیے مسجد نبوی کے ستون کے ساتھ باندھ دیا تھا، حضور ﷺ اس سے روزانہ سوال کرتے اے ثمامہ! میرے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ ثمامہ کہتے میرا گمان آپ کے ساتھ اچھا ہے اگر آپ قتل کریں تو ایک خونی کو قتل کریں

گے جو قتل کا مستحق ہے اور اگر انعام واحسان فرمائیں تو آپ کا شکر گزار ہوں گا اور اگر مال مطلوب ہے تو جتنا چاہیں حاضر کروں...... تین دن کے بعد آپ نے ثمامہ کو معاف اور آزاد کر دیا، ثمامہ چونکہ تین دنوں میں مسلمانوں کے اخلاق اور اعمال قریب سے دیکھ چکے تھے اس لیے رہا ہوتے ہی مسجد کے قریب ایک نخلستان میں گئے وہاں جا کر غسل کیا اور مسجد میں آ کر کلمہ شہادت پڑھ کر مسلمان ہو گئے۔

وہ کونسی تلوار تھی جس نے فتح مکہ کے موقع پر قریش کا خون بہائے بغیر ان کے دل مسخر کر لیے تھے، صحابہ کرام ﷺ کو قریش کا ایک ایک ظلم یاد تھا،

حضرت بلال ﷺ کا گلیوں میں گھسیٹا جانا......

حضرت خبیب ﷺ کا انگاروں پر تڑپنا......

آل یاسر ﷺ کی دل ہلا دینے والی چیخیں......

حضرت سمیہ ﷺ کا کٹا پھٹا جسم......

اسی لیے حضرت سعد بن عبادہ ﷺ جیسے صحابہ ﷺ کی زبان پر یہ رجز تھا:

الیوم یوم الملحمة، الیوم تستحل الحرمة

(بخاری/٤١٨١)

آج لڑائی کا دن ہے آج بیت اللہ کی حرمت اٹھا دی جائے گی

میرے آقا ﷺ کو اطلاع ملی تو آپ نے ایک حرف بدل کر معنی کچھ سے کچھ کر دیے، فرمایا: سعد! یوں کہو:

الیوم یوم المرحمة

آج کا دن رحم اور معافی کا دن ہے

آپ نے قریش کے ستمگروں کی ساری زیادتیاں اور سارے ظلم معاف کر دیے اور معاف کرنے کے لیے ایمان قبول کرنے کی شرط نہیں لگائی، بلکہ فرمایا تو بس یہ فرمایا کہ جو ہتھیار ڈال دے گا اس کے لیے امن ہے، جو مسجد میں داخل ہو جائے گا اس کے لیے امن ہے اور جو ابوسفیان اور حکیم بن حزام کے گھر میں داخل ہو جائے گا اس کے لیے امن ہے۔

عکرمہ، مسلمانوں سے عداوت اور نفرت رکھنے میں اپنے باپ ابوجہل کے مشابہ تھے اسی لیے وہ فتح مکہ کے بعد روپوش ہو گئے، یمن جانے کے لیے جہاز پر سوار ہو رہے تھے کہ ان کی بیوی ام حکیم تلاش کرتے ہوئے آ پہنچیں اور کہنے لگیں:

جئتك من عند احلم الناس و اوصلهم و أكرمهم

''میں ایسے شخص کے پاس سے آئی ہوں جو انسانوں میں سب سے زیادہ حلیم، کریم اور صلہ رحمی کرنے والا ہے۔''

چنانچہ عکرمہ شرمندہ ہو کر خدمتِ اقدس میں حاضر ہو گئے آپ نے اسے امن دیا اور اس کی اور اس کے باپ کی ساری زیادتیوں کو یکسر معاف کر دیا۔

بے گناہ اور نہتے انسانوں پر کارپٹ بمباری کرنے والے غور کریں کہ دلوں کو کیسے جیتا جاتا ہے؟ فاتحِ زمانہ وہ نہیں جو جسموں پر قبضہ جما لیتے ہیں، فاتحِ زمانہ وہ ہے جو دلوں کو مٹھی میں لینے کا ہنر جانتا ہے اور یہ ہنر میرے آقا ﷺ کے پاس تھا، تلواروں، نیزوں، خنجروں، بمبار طیاروں، تباہی مچاتے ٹینکوں اور ہلاکت خیز گیسوں میں یہ طاقت اور تاثیر کہاں کہ وہ دلوں اور دماغوں کا رخ موڑ دیں۔

فتنۂ ارتداد:

بعض لوگوں کو نبی کریم ﷺ کی رحلت کے بعد پھیلنے والے فتنۂ ارتداد سے بھی شبہ ہوا ہے کہ اسلام تلوار سے پھیلا ہے، ان کا کہنا یہ ہے کہ آپ کی رحلت کے بعد ہزاروں لوگوں کا دین کو چھوڑ دینا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ لوگ ڈر کر مسلمان ہوئے تھے حالانکہ یہ استدلال انتہائی بودا اور فضول ہے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ سیرت رسول ﷺ کے کسی واقعہ سے ثابت نہیں ہوتا کہ کسی شخص کو ڈرا دھمکا کر مسلمان کیا گیا تھا۔

دوسری بات یہ ہے کہ انتقال صرف حضور اکرم ﷺ کا ہوا تھا، آپ کی تیار کردہ جماعت اور فوج تو اسی طرح موجود تھی جس طرح آپ کی زندگی میں تھی ان کے پاس اسلحہ کی طاقت بھی تھی افرادی قوت بھی تھی، جذبۂ جہاد بھی تھا تو کیا صرف نبی کریم ﷺ ہی کا خوف تھا جو منافقوں کو کھلم کھلا مرتد ہونے سے روکے ہوا تھا؟

اصل بات یہ ہے کہ جب مکہ فتح ہوگیا، قریش کی کمر ٹوٹ گئی اور اشاعت اسلام کے راستے میں حائل ایک بڑی دیوار گر گئی اور قبیلے کے قبیلے فوج در فوج ایمان قبول کرنے لگے تو بعض ایسے افراد اور جماعتیں بھی تھیں جنہوں نے عمومی فضا دیکھ کر بظاہر ایمان قبول کر لیا مگر ان کے دلوں میں ایمان داخل نہیں ہوا تھا۔

سورۂ حجرات کی آیت ۱۴ میں باری تعالیٰ نے انہی لوگوں کا ذکر کیا ہے:

﴿قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا قُلْ لَمْ تُؤْمِنُوا وَلَكِنْ قُولُوا أَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ﴾

''دیہاتی کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے آپ فرما دیجئے تم ایمان نہیں لائے بلکہ تم یوں کہو کہ ہم اسلام لے آئے اور ابھی تک تمہارے دلوں میں ایمان داخل نہیں ہوا۔''

یہ لوگ اپنے دلوں میں چھپے ہوئے کفر اور نفاق کے اظہار کے لیے کسی مناسب موقع کی تلاش میں تھے اور ہمارے آقا ﷺ کی رحلت کے موقع پر انہیں وہ مناسب موقع مل گیا اس لیے کہ اس وقت مسلمان سخت پریشانی اور انتشار کی حالت میں تھے، بے شمار صحابہ ؓ تھے جنہوں نے کبھی اپنے آقا ﷺ کی جدائی کے بارے میں سوچا بھی نہیں تھا، پہاڑ جیسے اس صدمے نے انہیں نڈھال کر کے رکھ دیا تھا، ان کے صدمے کا اندازہ آپ اس امر سے لگا سکتے ہیں کہ صحابہ ؓ کہتے ہیں ہمیں اگر والدین یا اولاد یا عزیز و اقارب کی جدائی کی صورت میں صدمہ پیش آتا تھا تو ہم اپنے آقا کی جدائی کا تصور کر لیتے تھے تو یہ خاندانی حادثہ ہمیں ہیچ محسوس ہوتا تھا۔

حکومت و عدالت، فتویٰ و قضا، بیت المال اور عمال کی نگرانی، مجاہدین کی تربیت اور ترتیب، بیرونی وفود سے ملاقاتیں، فقراء اور مساکین کی دیکھ بھال، نومسلموں کی تعلیم و تربیت، سالکین کا تزکیہ اور تذکیر سمیت نہ معلوم کتنے ہی شعبے اور معاملات تھے جن کی ذمہ داری نبوت کے کندھوں نے اٹھا رکھی تھی اور اب ان شعبوں کی بقا اور ترقی کا بار آپ کے جانشینوں نے اٹھانا تھا، گویا صحابہ ؓ کو صرف اپنی یتیمی کا غم نہ تھا ان شعبوں کی یتیمی کا بھی غم تھا، چند منافقوں نے اس المناک صورتحال کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ارتداد کا جو راستہ اختیار کیا تو ہزاروں ان کے راستے پر چل پڑے، یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ یہود حضور اکرم ﷺ کی زندگی ہی میں اپنے ہم خیال دوستوں کو مشورہ دیا کرتے تھے کہ تم چند دن کے لیے

ایمان قبول کرلو، پھر یہ کہتے ہوئے دوبارہ پرانے مذہب میں لوٹ آنا کہ ہمیں اسلام میں کوئی خوبی دکھائی نہیں دی، ہم نے اندر جا کر دیکھ لیا کہ مسلمانوں میں تو شر ہی شر ہے، اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ ایسے لوگ جو متذبذب ہیں وہ بھی دائرۂ ایمان سے نکل آئیں گے، حضور اکرم ﷺ کی وفات کے بعد یہ تدبیر وقتی طور پر بڑی کامیاب ثابت ہوئی،

فتنہ ارتداد پھیلنے کی دوسری وجہ یہ تھی کہ بے شمار ایسے نومسلم تھے جن کی نظریاتی اور عملی تربیت ٹھیک طرح نہیں ہو سکی تھی، انہوں نے سرور دو عالم ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے آخری دنوں میں اسلام قبول کیا تھا اور انہیں آپ کی صحبت میں بیٹھنے، آپ کے فرمودات سننے اور اپنے آپ کو بنانے، سنوارنے کا موقع ہی نہیں مل سکا تھا، ان میں سے بعض ایسے بھی تھے جنہیں یہ باور کرایا گیا تھا کہ اسلام کی عمر محمد رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ تک تھی، آپ گئے تو اسلام بھی گیا، ان لوگوں نے بھی مرتد ہونے میں جلد بازی سے کام لیا۔

تجوبۂ روزگار:

ارتداد کی تیسری وجہ یہ تھی کہ بعض بدنصیبوں کے دل میں بڑا بننے کا شوق پیدا ہو گیا، ان کی عقلیں اور آنکھیں دھوکا کھا گئیں، انہوں نے سوچا کہ جیسے محمد (ﷺ) نے دعویٰ نبوت کے بعد قریش کو اکٹھا کر کے بادشاہت قائم کر لی ہے ہم بھی قائم کر سکتے ہیں، مسیلمہ کذاب، اسود عنسی اور طلیحہ اسدی اسی قسم کے لوگ تھے بلکہ ایک "محترمہ" کے دل میں بھی اسی شوق نے انگڑائی لی تھی لیکن یہ "نبیہ" مسیلمہ کذاب کی باتوں میں آگئی اور اس نے اسے اپنے نکاح میں لے لیا اور مہر میں صبح اور شام کی دو نمازیں معاف کر دیں مگر جلد ہی اس خناس سے اسے چھٹکارا مل گیا اور وہ تائب ہو کر سچی مسلمان ہوگئی۔

مسیلمہ، بنو حنیفہ جیسے بڑے قبیلے کا سردار تھا، قبیلہ اسد اور غطفان ملک اور مال کے لالچ میں اس کے ساتھ ہو گئے تھے۔ اس نے ہمارے آقا ﷺ کی زندگی میں ہی نبوت کا دعویٰ کر دیا تھا اور اس نے بذریعہ خط آپ ﷺ سے گزارش کی تھی کہ مجھے اپنا شریک بنالیں اور نصف ملک کی حکومت میرے سپرد کر دیں، آپ نے جواب میں تحریر فرمایا تھا:

﴿ ان الارض لله یورث من یشاء من عباده و العاقبة للمتقین ﴾

''تمام زمین کا مالک اللہ ہے وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے عطا کر دیتا ہے اور اچھا انجام پرہیزگاروں کا ہے۔''

مسیلمہ کے پیروکار اپنے مجوبہ روزگار نبی کی حقیقت سمجھنے کے باوجود قبائلی عصبیت کی بناء پر اس کا ساتھ دیتے تھے اسی لیے اس کا مؤذن اذان میں یہ الفاظ کہتا تھا:

اشهد ان مسیلمة یزعم انه رسول الله

''میں گواہی دیتا ہوں کہ مسیلمہ اپنے آپ کو اللہ کا رسول سمجھتا ہے۔''

طلحہ نمیری نے مسیلمہ سے کہا تھا:

اشهد انك كاذب وان محمداً صادق ولكن كذاب ربيعة احب الينا من صادق مضر.

''میں گواہی دیتا ہوں کہ تو جھوٹا ہے اور محمد (ﷺ) سچے ہیں مگر قوم ربیعہ کے جھوٹے کو ہم مضر کے سچے سے زیادہ پسند کرتے ہیں۔''

معجزے:

یہ جو قومی اور قبائلی عصبیت ہوتی ہے انسان کی عقل پر پردے ڈال دیتی ہے جیسا کہ

مسیلمہ کے پیروکاروں کی عقلوں پر پردے پڑ گئے تھے ورنہ وہ خوب جانتے تھے کہ یہ جھوٹا ہے، کئی واقعات ایسے پیش آئے کہ جن سے اس کے جھوٹا ہونے پر مہر لگ گئی۔

ایک دفعہ کسی شخص نے مسیلمہ سے کہا کہ محمد (ﷺ) بچوں کے سر پر برکت کے لیے ہاتھ پھیرتے تھے اور انہیں کھجور کی گھٹلی دیا کرتے تھے تم بھی ایسا کرو، اس نے یہی کچھ کیا تو جس بچے کے سر پر ہاتھ پھیرا وہ گنجا ہو گیا اور جسے اس نے گھٹلی دی اس کی زبان میں لکنت ہو گئی۔

ایک عورت نے آ کر کہا کہ ہمارے باغات اور کنوؤں کے لیے دعا کرو کہ خوب پھل دیں اور پانی کی فراوانی ہو، مسیلمہ نے اپنے خصوصی معتمد کو بلا کر پوچھا تو اس نے بتایا کہ محمد ﷺ نے دعا کی تھی، کنوؤں میں پانی کی کلی کی تھی جس سے درخت اچھی طرح پھل دینے لگے اور پانی بھی خوب ہو گیا تھا، مسیلمہ نے یہی کچھ کیا تو درخت سوکھ گئے اور رہا سہا پانی بھی خشک ہو گیا۔

مسیلمہ کے پاس ایک ایسا شخص آیا جو ''یک چشم گل'' تھا یعنی اس کی ایک آنکھ کی بینائی ختم ہو گئی تھی، اس نے بتایا کہ محمد (ﷺ) نے اپنے ایک صحابی کی جنگ میں شہید ہو جانے والی آنکھ کو لعاب دہن لگا کر اپنی جگہ جما دیا تھا اور وہ آنکھ پہلے سے بھی زیادہ روشن ہو گئی تھی، مسیلمہ نے بھی یہی نسخہ استعمال کرنے کی کوشش کی مگر نہ تو ہاتھ رحمۃ للعالمین ﷺ کا تھا، نہ لعاب سید المرسلین ﷺ کا اور نہ دہن شفیع المذنبین ﷺ کا! بلکہ ایک کذاب کا ہاتھ تھا اسی کا دہن اور اس کا لعاب، نتیجہ یہ نکلا کہ وہ شخص جو یک چشم گل تھا، لعاب لگنے کے بعد ''بالکل'' اندھا ہو گیا۔

بالکل کا مطلب تو آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ اس کی دوسری آنکھ بھی بے نور ہو گئی، بہر حال ارتداد عام ہونے کے یہ تین بڑے اسباب تھے، یہ ارتداد بہت بڑا فتنہ تھا، یہودیوں، نصرانیوں

کے سر اٹھانے اور رومیوں کے لشکر کی اسلامی سرحدوں کی طرف پیش قدمی کی افواہ نے اس فتنے کو اور مدینہ کی فضا کو انتہائی خوفناک بنادیا تھا، صحابہ ﷺ کہتے ہیں، صورتحال ایسی تھی:

كالغنم في الليلة المطيرة لفقد نبيهم وقلتهم و كثرة عدوهم.

''مسلمان اپنے نبی کی وفات، تعداد کی قلت اور دشمنوں کی کثرت کی وجہ سے بے یار و مدد گار رہ گئے جیسے بکریوں کا ریوڑ تاریکی اور بارش والی رات میں چرواہے کے بغیر رہ جاتا ہے۔

لیکن اس فتنہ میں بھی بہت سی حکمتیں پوشیدہ تھیں، ایک بڑی حکمت اس میں یہ تھی کہ کھرا اور کھوٹا، مخلص اور منافق، دوست اور دشمن کھل کر سامنے آ گیا، ان لوگوں کا پتہ چل گیا جو حب مال اور حب جاہ جیسی بیماریوں میں مبتلا تھے، منافقوں، سرکشوں اور فصلی بیڑوں کی صفائی کے بعد مسلمان، جہاد اور دعوت وتبلیغ کے لیے یکسو ہو گئے اگر فاسد مواد جسد ملی میں باقی رہتا تو مخلص اہل ایمان پوری دنیا میں اسلام کا پیغام پہنچانے کے لیے مدینہ سے باہر جا ہی نہیں سکتے تھے، انہیں ہمیشہ گھر کی فکر لگی رہتی لیکن اس سرکش گروہ کے قلع قمع کے بعد انہوں نے اپنی ساری صلاحیتیں ان لوگوں تک ایمان کا آب صافی پہنچانے کے لیے وقف کردیں جو ہدایت کے ایک ایک قطرے کے پیاسے اور منتظر تھے، چنانچہ تھوڑے ہی عرصے میں مشرق سے مغرب تک کئی علاقے ایمان کے نور سے جگمگا اٹھے۔

جہاد کا مقصد:

جیسے فتنۂ ارتداد کی وجہ سے یہ اشتباہ دلوں میں پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ چونکہ تلوار کے ڈر سے اسلام قبول کیا گیا تھا اس لیے حضور اکرم ﷺ کی وفات کے فوراً بعد ان مجبور لوگوں نے ارتداد کا راستہ اختیار کرلیا۔

یونہی جہاد کی مشروعیت کو بھی جبر کی بھیانک صورت میں پیش کیا جاتا ہے جہاد کی وجہ سے غلط فہمی پیدا کرنے والے نام نہاد دانشور دو جھوٹ بولتے ہیں،

پہلا جھوٹ تو یہ کہ جہاد اور قتال ہم معنی ہیں یعنی جہاد کا مطلب صرف جنگ اور خونریزی ہے......

دوسرا جھوٹ یہ کہ جہاد کا مقصد مذہبی آزادی کا حق پامال کرتے ہوئے سارے انسانوں کو کلمہ طیبہ پڑھنے پر مجبور کرنا ہے......

حالانکہ یہ دونوں باتیں غلط ہیں، قتال، جہاد کا حصہ تو ہے مگر دونوں ہم معنی نہیں ہے، جہاد کا لفظ قرآن کریم میں کئی معانی میں استعمال ہوا ہے۔

سورۂ فرقان کی آیت ۵۲ میں ہے:

﴿ فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا ﴾

''آپ کافروں کی اطاعت نہ کریں اور ان کے ساتھ قرآن کے ذریعے بڑا جہاد کریں۔''

اس آیت کریمہ میں قرآن کی بنیاد پر دعوت اور وعظ و تلقین کو جہادِ کبیر قرار دیا گیا ہے۔

سورۂ عنکبوت کی آیت ٦ میں ہے:

﴿ وَمَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ ﴾

''ہر کوشش کرنے والا اپنے ہی فائدہ کے لیے کوشش کرتا ہے۔''

اس آیتِ کریمہ میں ہر عمل صالح اور اچھی کوشش پر جہاد کا اطلاق ہوا ہے جو انسان

اپنی اصلاح یا دین کی سربلندی کے لیے کرتا ہے۔

سورۂ عنکبوت کی آخری آیت ٦٩ میں ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا﴾

''اور جو لوگ ہماری راہ میں مشقتیں برداشت کرتے ہیں ہم انہیں اپنی راہیں ضرور دکھائیں گے۔''

اس آیتِ کریمہ میں دین پر عمل کرنے میں جو مجاہدہ کیا جاتا ہے اور جو مشکلات برداشت کی جاتی ہیں انہیں جہاد کہا گیا ہے۔

علماء نے لکھا ہے کہ دینِ اسلام کی حفاظت اور اشاعت کے سلسلہ میں مال، قلم اور زبان سے جو کوشش کی جاتی ہے وہ جہاد ہے جس کی سب سے بلند چوٹی یہ ہے کہ بوقتِ ضرورت اس مقصد کے لیے اپنی جان بھی قربان کر دی جائے۔

قرآن کریم میں متعدد مقامات پر اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا ذکر کیا ہے جو مال اور جان سے جہاد کرتے ہیں، ان مقامات پر جہاد بالمال کا ذکر جہاد بالنفس سے پہلے ہے۔

پروپیگنڈا کرنے والوں کا دوسرا دعویٰ بھی سراسر جھوٹ پر مبنی ہے یعنی یہ کہ جہاد کا مقصد مذہبی آزادی کا حق چھین کر عالمِ انسانیت کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کرنا ہے، جہاد کا یہ مقصد نہ کسی آیت میں ہے نہ حدیث میں ہے اور نہ ہی خیر القرون میں ایسا کوئی واقعہ پیش آیا جس میں مجاہدین نے اپنے قیدیوں اور دشمنوں کو مسلمان ہونے پر مجبور کیا ہو، اگر دورِ ملوکیت میں اسلامی تعلیمات سے ناواقف کسی شخص نے ایسا فعل کیا ہو تو ہم اسے عین اسلام قرار نہیں دے سکتے اس لیے کہ کسی مذہب کے حقائق اور اصولوں سے واقفیت کے لیے اس کی متفق

علیہ کتاب کو بنیاد بنایا جاتا ہے، اعتدال سے ہٹے ہوئے کسی شخص کے ذاتی فعل کو حجت اور سند کا درجہ نہیں دیا جاتا، ہمارے دور کے امریکی صدر مسلمانوں پر بے پناہ مظالم ڈھا رہے ہیں اور مسلمانوں کے خلاف شروع کی جانے والی جنگ کو وہ کروسیڈ یعنی صلیبی جنگ کہتے ہیں لیکن اس کے باوجود ہم ان کے جور وجفا کو تورات اور انجیل کی تعلیم کا نتیجہ قرار نہیں دیتے۔

عالم اسلام کے غلامانہ ذہنیت رکھنے والے سربراہ آئے دن بیان دیتے رہتے ہیں کہ ہمیں اسلام اور قرآن کے بارے میں پائے جانے والی غلط فہمیوں کو دور کرنا چاہیے حالانکہ جن لوگوں نے جان بوجھ کر قرآن کے بارے میں جھوٹ بولے ہیں، انہیں غلط فہمی کہاں ہے وہ تو تعصب اور عناد کی بیماری میں مبتلا ہیں، حقیقی غلط فہمی تو بائبل کے بارے میں ہے جو انبیاءِ کرام علیہم السلام کو معاذ اللہ جھوٹا، شرابی، زانی، بت پرست اور جادوگر تک کہتی ہے اور فحش مضامین پوری دنیا کے سامنے پیش کرتی ہے، اس وقت میرا یہ موضوع نہیں ہے انشاء اللہ کسی موقع پر آپ کے سامنے قرآن کریم اور بائبل کا تقابلی مطالعہ پیش کروں گا اور آپ میرے دعویٰ کی تصدیق پر اپنے آپ کو مجبور پائیں گے، اس وقت جو ہمارا موضوع ہے میں اسی کی طرف واپس آتا ہوں، بتا یہ رہا تھا کہ اسلام کی اشاعت جبر اور قہر سے نہیں ہوئی۔

ٹی ڈبلیو کی گواہی:

مشہور مصنف پروفیسر ٹی ڈبلیو آرنلڈ نے پریچنگ آف اسلام کے عنوان سے ایک ضخیم کتاب لکھی ہے جس کا اردو میں ترجمہ ''اشاعت اسلام'' کے نام سے ہو چکا ہے اس کتاب میں اس نے مغربی ایشیا، افریقہ، اندلس، یورپ، ایران، وسطی ایشیا، مغلوں اور تاتاریوں،

ہندوستان، چین، ملائیشیا اور انڈونیشیا میں اسلام کی اشاعت کے اسباب بیان کیے ہیں اور تسلیم کیا ہے کہ ان علاقوں میں اسلام کے پھیلنے میں جبر واکراہ اور طاقت کے استعمال کا کوئی دخل نہیں بلکہ اس کے برعکس سنجیدہ مسلمان ہمیشہ جبر کے مخالف رہے ہیں۔

ٹی ڈبلیو نے اس کتاب کے صفحہ ۳۷۵ پر جزیرۂ سیلبیز کی ایک ریاست مکسر کے بارے میں لکھا ہے کہ:

وہاں کے حکمران نے اسلام قبول کرلیا، اسلام قبول کرنے کے بعد وہ ایسا سرگرم مبلغ ثابت ہوا کہ اس کی تبلیغ سے مکسر زبان بولنے والے تمام قبیلے مسلمان ہو گئے، مکسر قوموں کے دلوں میں نئے مذہب نے ایسا جوش مارا کہ انہوں نے بونی کی ہمسایہ قوم اور بونی کے راجہ کو بھی مسلمان کرلیا، بونی کے راجہ نے اپنی رعایا اور قرب وجوار کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو جبراً مسلمان کرنا چاہا، تعجب کی بات یہ ہے کہ اس کی غیر مسلم رعایا نے مکسر کے مسلمان حکمران سے امداد طلب کی جس نے اپنے سفیر راجہ بونی کے پاس بھیجے اور اسے جبر کرنے سے منع کیا مگر راجہ بونی باز نہ آیا تو اس نے راجہ بونی کے ملک پر چڑھائی کر کے اسے شکست دی۔

آپ مذاہب عالم کی تاریخ میں کوئی ایک بھی ایسی مثال پیش کر سکتے ہیں؟ جب کسی بادشاہ نے اپنے ہم مذہب بادشاہ پر صرف اس لیے حملہ کر دیا ہو کہ وہ اپنی رعایا کو اپنا مذہب قبول کرنے پر مجبور کرتا تھا۔

ٹی ڈبلیو نے لکھا ہے کہ مکسر کے راجہ نے بونی کے راجہ سے سوال کیا کہ کیا اس جبر پر تمہارے پاس قرآن اور حدیث کی کوئی دلیل ہے؟ یا تمہیں الہام ہوا ہے؟ یا تم اپنی خواہش

سے ایسا کر رہے ہو؟ ظاہر ہے اس کے پاس ان میں سے کسی سوال کا بھی جواب نہ تھا۔

رواداری:

اس میں شک نہیں کہ مسلمانوں نے ملک پر ملک اور شہر پر شہر فتح کیے لیکن وہ مفتوحہ علاقوں کے باشندوں کو مذہب کی تبدیلی پر مجبور نہیں کرتے تھے بلکہ مذہبی آزادی دیتے تھے، فتوحات کی تیزی کا بڑا سبب ان ملکوں کا سڑا ہوا نظام تھا جس میں چند افراد بلا شرکت غیرے عوام کی عزت و آبرو، مال و جان اور ذرائع آمدنی کے مالک بنے بیٹھے تھے،، ذرا ذرا سی حکم عدولی پر لرزہ خیز سزائیں دی جاتی تھیں، یہی وجہ ہے کہ مذہبی اختلاف کے باوجود مفتوحہ شہروں کے باشندے مسلمان فاتحین کو اپنا نجات دہندہ سمجھتے تھے، ان فاتحین نے رعایا کو ایسی مذہبی آزادی دی اور ان کے ساتھ ایسی رواداری اختیار کی کہ ایسی رواداری کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔

ٹی ڈبلیو نے اپنی کتاب کے صفحہ ۵۸ میں لکھا ہے کہ:

جب اسلامی لشکر اردن کی وادی میں پہنچا اور حضرت ابو عبیدہ (رضی اللہ عنہ) نے فحل کے مقام پر اپنے خیمے گاڑے تو ملک کے عیسائی باشندوں نے انہیں لکھا:

''اے مسلمانو! ہم تمہیں رومیوں پر ترجیح دیتے ہیں اگرچہ وہ ہمارے ہم مذہب ہیں کیونکہ تم ہمارے ساتھ عہد و پیمان کی پابندی کرتے ہو اور ہمارے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرتے ہو اور بے انصافی سے احتراز کرتے ہو، تمہاری حکومت ہمارے اوپر ان کی حکومت سے بہتر ہے کیونکہ انہوں نے ہمارے گھروں اور مال و متاع کو لوٹ لیا ہے۔''

اسی طرح جب ہرقل کی فوج حمص کے قریب آئی تو شہر والوں نے فصیل کے دروازے

بند کر لیے اور مسلمانوں سے کہا کہ ہم تمہاری حکومت اور انصاف کو رومیوں کی بے انصافی اور ظلم کے مقابلے میں بہتر جانتے ہیں۔

رومی سلطنت کے جن صوبوں کو مسلمانوں نے فتح کیا تھا انہیں ایسی مذہبی آزادی حاصل ہوئی جو انہیں اپنے مونوفزائٹ اور نسطوری عقائد کی وجہ سے کئی صدیوں سے نصیب نہیں ہوئی تھی، وہ اپنے مذہبی فرائض کی ادائیگی میں اب بالکل آزاد تھے، اس قسم کی مذہبی آزادی ساتویں صدی عیسوی کے زمانے میں ایک عجوبہ تھی۔

بجائے اس کے کہ اسلامی سلطنت کے قیام سے عیسائی کلیسا کی ترقی رک جاتی، نسطوری فرقے کی تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ جب یہ فرقہ اسلامی حکومت کے زیر نگیں آیا تو اس کی مذہبی زندگی میں ایک حیرت انگیز ولولہ اور جوش پیدا ہوگیا اور انہوں نے چین اور ہندوستان وغیرہ کی طرف اپنے مشنری روانہ کیے اور تبلیغی کوششیں تیز کر دیں۔

اعلیٰ اخلاق:

یہ جو اردن کے عیسائی باشندوں نے مسلمانوں کے ایفاء عہد اور دوسرے اخلاق کی تعریف کی تو یہ صرف عوام کی رائے نہیں تھی بلکہ ان کے خواص بھی مسلمان مجاہدین کے بارے میں یہی رائے رکھتے تھے اور آپ یہ بات نوٹ کرلیں کہ مجاہدین کی تلوار نے صرف ملک اور شہر فتح کیے جبکہ ان کے اعلیٰ اخلاق، حسن معاملات اور اجلے کردار نے ان ملکوں اور شہروں کی رعایا کے قلب و دماغ فتح کر لیے۔

رستم جسے فارس کا سپہ سالارِ اعظم کہا جاتا تھا، فارس کے بادشاہ اور عوام وخواص اسی کو اپنا نجات دہندہ سمجھتے تھے لیکن اس شخص کا دل بھی مسلمانوں کے اخلاق کا گرویدہ ہو چکا تھا اور وہ

ان کے مقابلے میں آنے سے بچنا چاہتا تھا لیکن بدقسمتی اور بادشاہ کے مجبور کرنے کی وجہ سے اسے مسلمانوں کے مقابلے میں آنا ہی پڑا وہ مسلمانوں کے بتیس ہزار کے لشکر کے مقابلے میں ہر قسم کے سامان سے آراستہ ہو کر ایک لاکھ بیس ہزار سپاہیوں پر مشتمل فوج لے کر نکلا لیکن اسے ذلت آمیز شکست کا سامنا کرنا پڑا، میں اس جنگ کی تفصیل آپ کو سنانا نہیں چاہتا اصل بات جو بتانا چاہتا ہوں وہ یہ کہ رستم کا لشکر "برس" نام کے ایک مقام پر ٹھہرا ہوا تھا یہاں انہوں نے خوب بدمستیاں کیں، شرابیں پی کر عورتوں پر دست درازیاں کیں، لوگوں کے مال غصب کیے اور جو نہ کرنا تھا سب کچھ کیا، لوگ گھبرا اٹھے اور رستم کے پاس فریاد لائے، رستم نے اپنے فوجیوں کو شرم دلاتے ہوئے کہا:

"بیشک وہ عربی (جسے میں نے ابھی ناحق قتل کیا) اس نے سچ کہا تھا کہ ہم اپنے اعمال ہی کی بدولت اس حالت کو پہنچے ہیں، باوجودیکہ مسلمان ملک فتح کرنے اور لڑنے آئے ہیں مگر وہ ان دیہات والوں کے ساتھ نہایت اچھا معاملہ کرتے ہیں اور تم باوجودیکہ وہ تمہاری رعایا ہیں اس قدر ظلم کرتے ہو؟ بے شک تم اسی قابل ہو کہ تمہارا ملک تم سے سلب کر لیا جائے اور بے شک ایسا ہی ہوگا۔"

آپ رستم کی اس تقریر سے جان سکتے ہیں کہ وہ اسلامی افواج کو اپنے ملک کے مظلوموں کا نجات دہندہ سمجھتا تھا، ویسے تو مغربی ممالک خصوصاً امریکہ صاحب بھی اپنے آپ کو نجات دہندہ سمجھ کر مختلف ملکوں پر چڑھائی کرتے ہیں مگر آپ نے دیکھا کوئی دن نہیں جاتا جب ان کے خلاف عراق اور افغانستان میں خودکش حملے نہ ہوتے ہوں مگر ان کے ڈھیٹ پن کا یہ حال ہے کہ پھر بھی اپنے آپ کو نجات دہندہ کہتے ہیں، جاپان وغیرہ ممالک

جہاں امریکیوں نے اپنی چھاؤنیاں قائم کی ہوئی ہیں وہاں سے آئے دن ان کے فوجیوں کی جانب سے عصمت دری اور لوٹ مار کے واقعات میڈیا میں شائع ہوتے رہتے ہیں مگر مسلمان فوجیوں کا کردار ایسا تھا کہ خود دشمن کہتے تھے کہ

" رهبان بالليل و فرسان بالنهار"

''وہ رات کو راہب بن جاتے ہیں اور دن کو شہسوار۔''

وہ حسیناؤں کے جھرمٹ میں سے نظریں جھکا کر گزر جاتے تھے، سونے چاندی کے انبار دیکھ کر ان کے دل میں خیانت کا خیال نہیں آتا تھا، وہ وعدے کے پکے اور زبان کے سچے تھے، بعض اوقات دشمن دھوکہ دے کر اپنے لیے امان حاصل کر لیتا تھا مگر وہ پھر بھی اپنی زبان کا پاس کرتے تھے، میں آپ کو ایفاءِ عہد کا صرف ایک واقعہ سناتا ہوں، جس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ مسلمان، خونریزی اور جبر واکراہ سے کس قدر پرہیز کرتے تھے۔

عہد کی پاسداری:

ہرمزان فارس کے ان سات مشہور گھرانوں میں سے ایک خاندان کا معزز ممبر تھا جو پورے فارس میں شریف اور خاندانی نواب کہلاتے تھے، وہ قادسیہ کے معرکہ میں پیش پیش تھا، کئی مسلمانوں کو قتل کرنے اور بار بار عہد شکنی کا گناہ بھی اسی کے سر تھا اسے جب گرفتار کر کے امیر المؤمنین حضرت عمرؓ کے سامنے پیش کیا گیا تو آپ نے اس سے باز پرس کی، اس نے کہا مجھے چونکہ قتل کیے جانے کا اندیشہ ہے اس لیے میں اپنا عذر بیان نہیں کر سکتا اگر آپ مجھے امان دیں تو بیان کر سکتا ہوں، آپ نے اسے امان دے دی تو اس نے پینے کے لیے پانی مانگا جو لکڑی کے سادہ سے پیالے میں لا کر دیا گیا، وہ دوسرے عجمی سرداروں کی

طرح ناز ونعمت میں پلا ہوا تھا ایسے پیالے میں پانی کیسے پی سکتا تھا؟ اس نے کہا اگر میں پیاس سے مر بھی جاؤں تب بھی ایسے پیالہ میں نہیں پی سکتا، اس پر اس کی مرضی کے موافق گلاس میں لا کر پانی دیا گیا، اس نے گلاس ہاتھ میں لے کر سخت پریشانی ظاہر کی اور کہا میں ڈرتا ہوں کہ مجھے پانی پینے کی حالت میں قتل کر دیا جائے گا، حضرت عمر ﷺ نے فرمایا:

لا باس عليك حتى تشربه.

''پانی پینے تک تمہیں ڈرنے کی ضرورت نہیں۔''

ہرمزان نے یہ سن کر پانی گرا دیا، حضرت عمر ﷺ نے حاضرین سے فرمایا:

"اعيدوا عليه ولا تجمعوا عليه بين القتل والعطش"

''اسے اور پانی دے دو، پیاس اور قتل کو اس کے لیے جمع نہ کرو۔''

یعنی مناسب نہیں کہ اسے پیاس کی حالت میں قتل کیا جائے ایسا کرنے سے دو سزائیں جمع ہو جائیں گی۔

ہرمزان نے کہا نہ تو مجھے پیاس ہے اور نہ ہی پانی پینا چاہتا ہوں میں تو اس بہانہ سے امن حاصل کرنا چاہتا تھا، جس پانی کے بارے میں آپ نے کہا تھا کہ اس کے پینے تک مجھے قتل نہیں کیا جائے گا، اسے میں گرا چکا ہوں، گویا اس کا پینا تو ناممکن ہو چکا ہے اور آپ اس کے پینے تک مجھے امن دے چکے ہیں۔

ظاہر ہے یہ دھوکہ اور فراڈ تھا اس لیے امیر المؤمنین نے فرمایا:

میں تجھے قتل کیے بغیر نہیں چھوڑوں گا،

اس نے کہا آپ مجھے امن دے چکے ہیں،

آپ نے فرمایا: ہرگز امن نہیں دیا تم چالاکی کر رہے ہو،

اس پر حضرت انس ﷜ بولے امیر المومنین! یہ سچ کہتا ہے آپ نے اسے امن دیا ہے، آپ نے فرمایا میں براء بن مالک اور مجزء ۃ بن ثور جیسے لوگوں کے قاتل کو کیسے امن دے سکتا ہوں؟ تم یا تو اس کی کوئی دلیل بیان کرو ورنہ تمہیں بھی باطل کی تائید میں سرزنش کی جائے گی، حضرت انس ﷜ نے فرمایا آپ اسے کہہ چکے ہیں:

"لا باس عليك حتى تخبرني و لا باس عليك حتى تشربه"

''جب تک تم اپنا عذر بیان نہ کرو اور جب تک پانی نہ پی لو تمہیں ڈرنے کی ضرورت نہیں۔''

حاضرین نے حضرت انس ﷜ کی تائید کی، اس پر حضرت عمر ﷜ نے سکوت فرمایا اور ہرمزان سے کہا:

"ذرعتني و لا انخدع الا لمسلم"

''تو نے مجھے دھوکہ دیا اور میں تو کسی مسلمان ہی کے دھوکے میں آسکتا ہوں۔''

حضرت عمر ﷜ نے یہ جو فرمایا کہ میں صرف مسلمان ہی کے دھوکہ میں آسکتا ہوں، تو اس کا مطلب اہل علم نے یہ بیان کیا ہے کہ آپ اپنی خداداد فراست سے سمجھ گئے تھے کہ ہرمزان مسلمان ہو جائے گا، وہ چاہتا یہ ہے کہ اطمینان کی حالت میں اسلام قبول کرے تاکہ اسے کوئی یہ طعنہ نہ دے کہ وہ جان کے خوف سے مسلمان ہو گیا ہے، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

آپ فیصلہ کیجئے کہ ایسے واقعات کے بعد بھی کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ اسلام تلوار کے زور پر پھیلایا گیا تھا؟ اور مسلمان کافروں کو ایمان لانے پر مجبور کرتے تھے؟ ان کا حال تو یہ تھا

کہ دشمن پر قابو پالینے کے باوجود بھی کسی پر جبر نہیں کرتے تھے۔

اسلام خود ایک طاقت:

سچی بات تو یہ ہے کہ اسلام اپنی اشاعت کے لیے کسی مادی طاقت اور ہتھیار کا محتاج ہے ہی نہیں، اسلام خود ایک طاقت ہے، اس کی اپنی بادشاہت اور سلطنت ہے، وہ خود ایک فوج ہے، اس کی تعلیمات ایٹم بم سے زیادہ سریع الاثر ہیں، ایٹم بم توڑ پھوڑ تو کر سکتا ہے تعمیر نہیں کر سکتا، موت دے سکتا ہے زندگی نہیں دے سکتا، جبکہ اسلام تعمیر کرتا اور دائمی زندگی عطا کرتا ہے اسلام ایک خوشبو ہے جو خود پھیلتی ہے، اسے پھیلنے سے کوئی روک نہیں سکتا، اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں کے سیاسی اور فوجی زوال اور شکست کے زمانے میں بھی اسلام کی روحانی فتوحات کا سلسلہ جاری رہا، میں نے ایک مضمون لکھا تھا اور اس کا عنوان قائم کیا تھا ''مسلمانوں کے فاتح اسلام کے مفتوح'' اس مضمون میں بتایا تھا کہ کئی اقوام ایسی ہیں جنہوں نے مسلمانوں کو میدانِ جنگ میں شکست دے دی لیکن بالآخر اسلام نے انہیں فتح کر لیا اس کی مثال میں ہم سلجوقی ترکوں اور تاتاریوں کو پیش کر سکتے ہیں ان وحشی کافروں نے مسلمانوں کو سختی کے ساتھ پامال کیا مگر ان دونوں موقعوں پر فاتحین نے اسی قوم کا مذہب اختیار کر لیا جسے انہوں نے مغلوب اور مفتوح کیا تھا۔

فتنہ تاتار:

بالخصوص تاتاریوں کا فتنہ ایسا تھا کہ اس سے پہلے کی تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی، علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ جیسا حوصلہ مند مورخ جب تاتاریوں کی سفاکی اور غارت گری کے بارے میں لکھنے لگا تو ان کے قلم سے یہ الفاظ نکل گئے کہ

ایسا شخص کون ہوگا جس کے لیے اسلام اور مسلمانوں کی خبر مرگ کا لکھنا اور اس کا بیان کرنا آسان ہو، کاش کہ میری ماں مجھ کو نہ جنتی اور میں اس سے پہلے ہی مرجاتا اور دنیا مجھ کو بالکل بھول جاتی، یہ مصیبت جو مسلمانوں پر نازل ہوئی اس کی نظیر لانے سے لیل ونہار قاصر ہیں، اگر کوئی شخص یہ کہے کہ جب سے اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا ہے اس وقت سے آج تک اہلِ دنیا ایسی سخت مصیبت میں گرفتار نہیں ہوئے تو وہ بالکل حق بجانب ہوگا بلکہ شاید اہل علم دنیا کے خاتمہ تک ایسا عظیم حادثہ نہیں دیکھیں گے۔

مغلوں کی درندگی کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ ہرات شہر میں ایک لاکھ مسلمان تھے جن میں سے صرف چالیس زندہ بچ سکے کیونکہ وہ ادھر ادھر چھپ گئے تھے، ایسے بد اندیشوں کی کمی نہیں تھی جو عالمِ اسلام کی تباہی دیکھ کر سوچ رہے تھے کہ اب مسلمان اٹھ نہیں سکیں گے لیکن اللہ تعالیٰ نے وحشی تاتاریوں ہی کو اسلام کا حلقہ بگوش بنانے کا فیصلہ کر رکھا تھا اور وہی ہوا جو اللہ تعالیٰ کا فیصلہ تھا حالانکہ یہ کام بڑا دشوار تھا کیونکہ بدھ مت اور عیسائیت کے پیروکار بھی تاتاریوں کو اپنی طرف مائل کرنے کے لیے سرتوڑ کوششیں کر رہے تھے۔

بعض کا خیال ہے کہ تاتاریوں کو اسلام کے قریب لانے میں ان مسلمان خواتین کا ہاتھ ہے جنہیں مغلوں نے لونڈیاں بنا کر اپنے حرم میں داخل کرلیا تھا، ان بے سہارا خواتین نے نئی نسل پر ایمانی محنت کی اور انہیں مسلمانوں کے عقائد اور اطوار سکھا دیے۔

بعض کہتے ہیں کہ مسلمان مبلغین نے اس سلسلہ میں اہم کردار ادا کیا ان مبلغین نے اتنے اخلاص کے ساتھ دعوت وتبلیغ کا فریضہ سرانجام دیا کہ چند ایک کے سوا ان کے نام بھی کسی کو معلوم نہیں، جو چند نام مورخین کو معلوم ہوسکے ان میں سے ایک نام شیخ جمال الدین کا

بھی ہے۔

حیرت انگیز واقعہ:

ان کا واقعہ حیرت انگیز بھی ہے اور عبرت آموز بھی، اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ صاحبِ درد مبلغ اپنے کام سے کتنے مخلص ہوتے ہیں اور ان کا اخلاص کیسے کیسے کرشمے اور کرامتیں دکھاتا ہے۔

شیخ جمال الدین رحمہ اللہ سیاح قسم کے انسان تھے، چلتے چلاتے کاشغر جا پہنچے اور چند مسافروں کے ساتھ نادانستہ طور پر تو تغلق کی شکارگاہ میں داخل ہوگئے، خان نے حکم دیا کہ ان کی مشکیں باندھ کر میرے سامنے حاضر کیا جائے، جب حاضر کر دیا گیا تو خان نے ان سے غضبناک ہو کر پوچھا کہ تم لوگوں نے ہمارے شکار میں خلل ڈالنے کی کیسے جرأت کی؟ شیخ نے جواب دیا کہ ہم بالکل اجنبی ہیں اور اس بات سے مطلق بے خبر تھے کہ ہم کسی ممنوعہ علاقے میں داخل ہو رہے ہیں، جب خان کو ان کے مسلمان اور ایرانی ہونے کا علم ہوا تو اس نے کہا کہ ایک ایرانی سے تو کتا بھی بہتر ہوتا ہے، شیخ نے کہا ہاں یہ سچ ہے اگر ہم دینِ حق پر نہ ہوتے تو اس صورت میں یقیناً کتوں سے بھی بدتر تھے۔ شیخ کے اس جواب سے خان بہت متاثر ہوا اور اس نے حکم دیا کہ جب ہم شکار سے واپس آئیں تو اس جرأت مند ایرانی کو ہمارے سامنے حاضر کیا جائے، جب آپ پیش ہوئے تو خان نے شیخ کو الگ لے جا کر پوچھا کہ دین برحق کیا چیز ہے؟ اور اس سے تمہاری کیا مراد ہے؟ یہ سن کر شیخ نے اسلام کے عقائد ایسی گرم جوشی اور دینی ولولے سے بیان کیے کہ خان کا دل جو پہلے پتھر کی طرح سخت تھا، موم کی مانند پگھل گیا، پھر شیخ نے حالتِ کفر کا ایسا ہیبت ناک نقشہ کھینچا کہ خان کو اپنے بے بصیرت اور گمراہ ہونے کا

یقین ہوگیا لیکن اس نے کہا کہ اگر میں اسی وقت دین اسلام کا اظہار کروں تو میں اپنی رعایا کو اس راستے پر نہیں لاسکوں گا لہٰذا تم کچھ عرصے کے لیے صبر وتحمل سے کام لو جب میں اپنے باپ دادا کی سلطنت کا مالک بنوں گا تو اس وقت تم میرے پاس پھر آنا۔

اس زمانے میں چغتائی سلطنت ٹکڑے ٹکڑے ہو کر چند چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم ہو چکی تھی، کئی برسوں کے بعد تغلق تیمور سلطنت کو جمع کرنے اور اس پر اپنی حکمرانی قائم کرنے میں کامیاب ہوا، اسی اثناء میں شیخ جمال الدین اپنے ملک واپس جاچکے تھے، وطن پہنچ کر وہ سخت بیمار ہو گئے جب ان کی موت کا وقت قریب آیا تو انہوں نے اپنے بیٹے رشید الدین کو اپنے پاس بلایا اور اس سے کہا کہ تو تغلق تیمور بادشاہ بننے والا ہے، اس وقت اس کے پاس ضرور جانا اسے میرا اسلام پہنچانا اور اسے بے خوف وخطر وہ وعدہ یاد دلانا جو اس نے مجھ سے کیا تھا، چند سال کے بعد جب تو تغلق تیمور اپنے باپ دادا کا تخت وتاج حاصل کر چکا تو شیخ رشید الدین اس کے لشکر میں جا پہنچے تاکہ اپنے والد کی وصیت پر عمل کرسکیں لیکن ہر طرح کی کوشش کے باوجود وہ خان تک نہ پہنچ سکے، آخر کار مجبور ہو کر انہوں نے یہ تدبیر کی کہ ایک دن علی الصبح خان کے خیمے کے پاس اذان کہنی شروع کردی، اذان کی آواز سن کر تو تغلق ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا، اور اس کی نیند خراب ہوگئی اس نے ''شور'' کرنے والے کو حاضر کرنے کا حکم دیا، شیخ رشید آئے اور اپنے والد کا پیغام پہنچایا تو تغلق کو بھی اپنا وعدہ یاد تھا اس نے کہا:

''جب سے میں تخت پر بیٹھا ہوں مجھے اپنا وعدہ یاد آرہا تھا لیکن جس شخص سے میں نے وعدہ کیا تھا وہ پھر کبھی نہیں آیا، بہر حال باپ نہ سہی تو بیٹا ہی سہی میں تمہارا خیر مقدم کرتا ہوں۔''

اس کے بعد تو قلق نے کلمۂ شہادت پڑھا اور مشرف باسلام ہو گیا، اس کے بعد انہوں نے فیصلہ کیا کہ تبلیغ اسلام کے لیے مغل شہزادوں سے فرداً فرداً گفتگو کرنی چاہیے سب سے پہلے انہوں نے جس شخص کے سامنے اپنا پروگرام رکھا وہ امیر تو لک تھا، خان نے اس سے پوچھا کیا تم اسلام قبول کرو گے؟ اس پر وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا اور کہنے لگا کہ تین سال ہو گئے جب کاشغر کے چند مقدس آدمیوں نے میرے سامنے اسلام کی تبلیغ کی تھی اور میں مسلمان ہو گیا تھا لیکن تمہارے خوف سے میں نے اس کا اعلان نہیں کیا؟ تو قلق خان اٹھا اور امیر تو لک کو گلے لگا لیا، پھر ان تینوں نے یکے بعد دیگرے تمام شہزادوں سے بات کی اور ان سب نے اسلام قبول کر لیا، سوائے ایک شخص کے جس کا نام جراس تھا، اس نے یہ عجیب و غریب تجویز پیش کی کہ شیخ اور میرے ملازم کے درمیان مقابلہ ہونا چاہیے، اگر شیخ جیت گئے تو میں ان کا مذہب قبول کر لوں گا، یہ ملازم بڑا قد آور، تنومند اور پہلوان قسم کا تھا، وہ اکیلا دو سال کے اونٹ کو اٹھا سکتا تھا، شیخ اس کے مقابلے میں کمزور اور پہلوانی کے اسرار و رموز سے بالکل ناواقف تھے اس کے باوجود انہوں نے یہ کہتے ہوئے مقابلہ منظور کر لیا کہ ''اگر میں تمہارے خادم کو گرا نہ سکا تو میں تمہیں مسلمان ہونے کے لیے نہیں کہوں گا۔'' تو قلق وغیرہ نے سمجھانے کی کوشش کی کہ حضرت آپ اس سانڈ کا مقابلہ نہیں کر سکتے خواہ مخواہ اپنے آپ کو آزمائش میں نہ ڈالیں مگر حضرت اپنے قول پر قائم رہے اور فرمایا اگر اللہ کی مرضی ہے کہ مغل مشرف باسلام ہوں تو وہ مجھے بے شک اس آدمی کو مغلوب کرنے کیلئے کافی طاقت بخشے گا۔

ایک وسیع و عریض میدان میں ہزاروں تاتاری جمع ہو گئے، دونوں حریف بھی میدان میں آ گئے، پہلوان جسے اپنی طاقت پر بڑا گھمنڈ تھا، پر غرور انداز میں اتراتا ہوا آگے بڑھا۔

اس کے مقابلے میں شیخ طفل معصوم نظر آتے تھے، دونوں ایک دوسرے کے خلاف داؤ پیچ آزمانے لگے، شیخ نے اللہ کا نام لے کر اچانک اس کافر کی چھاتی پر ایسی کاری ضرب لگائی کہ وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا، تھوڑی دیر کے بعد ہوش میں آیا تو اٹھ کر شیخ کے قدموں میں گر پڑا اور کلمۂ شہادت اس کی زبان سے جاری ہو گیا، لوگوں نے آفرین اور ستائش کے نعرے بلند کیے۔

ٹی ڈبلیو نے ابو الغازی کی کتاب کے حوالے سے لکھا ہے کہ اس دن ایک لاکھ ساٹھ ہزار مغلوں نے اپنے سروں کی بودیاں کٹوا ڈالیں اور مسلمان ہو گئے، اس وقت سے اسلام ان تمام شہروں میں مضبوطی سے قائم ہو گیا جو چغتائی خاں کے زیر نگیں تھے۔

میں عرض یہ کر رہا تھا کہ اسلام اپنے پھیلاؤ کے لیے کسی حکومت اور مادی طاقت کا محتاج نہیں ہے یہ خود پھیلتا ہے، اگر اس کے ماننے والے اپنے اخلاق اور اعمال اسلام کے مطابق بنالیں تو اسلام کے پھیلنے کی رفتار میں کئی گنا اضافہ ہو سکتا ہے اس لیے کہ لوگ باتوں سے زیادہ عمل سے اور تقریر سے زیادہ کردار سے متاثر ہوتے ہیں اور یہ کہتے ہوئے کلیجہ منہ کو آتا ہے کہ آج کا مسلمان کردار اور اخلاق کے شعبہ میں پستی کی آخری حد تک پہنچا ہوا ہے، خصوصاً مال اور عورت اس کی ایسی دو کمزوریاں ہیں جن کی وجہ سے یہ ناٹک کی پتلی بنا ہوا ہے، زر پرستی اور شہوت پرستی کی بیماری نے اسے کہیں کا نہیں رکھا، اس کی بدکرداری اور بد اخلاقی کی وجہ سے اسلام بھی بدنام ہوتا ہے کیونکہ درخت اپنے پھل سے، استاذ اپنے شاگردوں سے اور مذہب اپنے پیروکاروں سے پہچانا جاتا ہے، آپ ہندو مذہب کو لے لیں، محققین کہتے ہیں کہ ہندو مذہب کی جو بنیادی کتابیں ہیں یعنی بھگو گیتا، اپنشداد اور

ویدان، میں توحید کی تعلیم ہے، اپنشد میں واضح طور پر ہے کہ "وہ صرف ایک ہے کسی دوسرے کے بغیر" لیکن چونکہ ہندو عملی طور پر بت پرستی میں مبتلا ہیں اس لیے انہیں ساری دنیا بت پرست ہی سمجھتی ہے، یہی حال مسلمانوں کا ہے، ان کا مذہب عفت وعصمت، امن اور سلامتی، اتحاد اور اتفاق، حلال پر قناعت اور حرام سے بچنے کا سبق دیتا ہے مگر ان کی عملی زندگی اس کے برعکس ہے، جسے دیکھ کر غیر مسلم اسلام سے دور بھاگتے ہیں۔

خوش نصیب لوگ:

یقیناً وہ لوگ خوش نصیب ہیں جو اس ماحول اور سوسائٹی میں رہتے ہیں جہاں دن رات اسلام، قرآن اور پیغمبر اسلام کے خلاف زہریلا پروپیگنڈا کیا جاتا ہے اور وہ مسلمانوں کی عملی اور اخلاقی پستی کو بھی دیکھتے ہیں پھر بھی وہ اسلام کی غلامی کا طوق اپنے گلے میں ڈال لیتے ہیں، ہمارے دور میں جو مشہور اور غیر مشہور شخصیات اسلام قبول کر رہی ہیں وہ تو بے شمار ہیں میں اپنا اور آپ کا ایمان تازہ کرنے کے لیے ان میں سے صرف چند کا ذکر کر رہا ہوں۔

سب سے پہلے میں سابق روسی ایجنٹ الیگزینڈر لٹوینکو کا تذکرہ کرتا ہوں جس کے بارے میں مجھے آج ہی اخبار کے ذریعے پتہ چلا، اس کی عمر ۴۴ سال تھی، اس نے ۸۰ کی دہائی میں سیکرٹ ایجنٹ کی حیثیت سے کے جے بی میں شمولیت اختیار کی، ۲۰ سالہ کیریر میں اس کا شمار روس کے انتہائی ذہین اور چوٹی کے جاسوسوں میں ہونے لگا، اس کی مردانہ وجاہت سے بھرپور شخصیت کو دیکھ کر اسے روس کا جیمز بانڈ بھی کہا جاتا تھا، روسی حکومت سے اختلاف کے بعد اسے جیل میں ڈال دیا گیا، رہا ہوا تو جعلی پاسپورٹ کے ذریعہ ترکی کے راستے برطانیہ فرار ہوگیا جہاں اسے پہلے سیاسی پناہ اور پھر شہریت بھی دے دی گئی، انگلینڈ

میں اس نے ایک کتاب لکھی جس میں اس نے وہ اہم راز افشا کیے جو روسی حکومت کے لیے نہایت شرمندگی کا سبب بنے، اس نے اپنی کتاب میں جو انکشافات کیے ان میں ایک یہ بھی تھا کہ ۱۹۹۹ء میں ماسکو کی عمارتوں میں جو دھماکے ہوئے جن میں ۳۰۰ سے زائد افراد ہلاک ہوئے اور جن کی ذمہ داری چیچن مسلمانوں پر عائد کی گئی تھی وہ دراصل روسی خفیہ ایجنسی نے کروائے تھے، اس کے علاوہ ۲۰۰۲ء میں ماسکو تھیٹر میں لوگوں کو یرغمال بنانے کا جو واقعہ پیش آیا اس میں بھی چیچن مسلمانوں کو ملوث ظاہر کیا گیا جبکہ اس میں بھی روسی سیکرٹ سروس کے ایجنٹ ملوث تھے جو روسی خفیہ ایجنسی کے لیے کام کررہے تھے، روس میں ہونے والے ان واقعات کا اصل مقصد چیچن مسلمانوں کو بدنام کرنا، اسلام کے نام لیواؤں کے خلاف عالمی سطح پر نفرت کی فضا پیدا کرنا اور چیچنیا کے خلاف فوج کشی کا جواز پیدا کرنا تھا جس کے نتیجے میں پیوٹن کو ہیرو ثابت کرنے کی کوشش کی گئی جو چیچن مسلمانوں کو کچل سکتا ہے چنانچہ ایسا ہی ہوا، پیوٹن کی قیادت میں روسی فوج نہتے مسلمانوں پر چڑھ دوڑی اور اس ٹڈی دل نے ہنستی مسکراتی بستیوں کو کھنڈرات میں تبدیل کردیا۔

یقیناً الیگزینڈر اور اس کے ساتھی اپنی سازشوں، ہلاکت خیزیوں اور مسلمانوں کی تباہی و بربادی پر بڑے خوش تھے، ان کی ہر تدبیر کامیاب ہوئی تھی، دنیا کے سامنے ہیرو بھی بن گئے اور مسلمانوں کو کچل بھی دیا ان کا خیال تھا کہ اب مسلمان کبھی سر نہیں اٹھا سکیں گے، مسلمانوں نے تو سر اٹھایا یا نہیں لیکن تباہ حال کھنڈرات اور کئی پھٹی بے گور وکفن لاشوں میں سے اسلام نے سر اٹھایا، ہم نہیں جانتے اسلام نے کتنے ستمگروں کو اپنے دامِ محبت میں گرفتار کیا ہوگا لیکن الیگزینڈر نے تو زندگی کے آخری دنوں میں پوری دنیا کے سامنے اسلام قبول کرلیا۔

دو روسی سیکرٹ ایجنٹوں نے لندن کے ایک فائیو اسٹار ہوٹل میں اس سے ملاقات کی اور نہایت چالاکی سے نمک کے ذروں کے برابر پلوٹینم ۲۱۰ اس کے گلاس میں ڈال دی، جیمز بانڈ کی طرح نظر آنے والے الیگزینڈر کے کچھ ہی دنوں میں تمام بال گر گئے، اس کا گوشت گل گیا اور وہ ہڈیوں کا ڈھانچہ بن کر تین ہفتوں میں کربناک موت کا شکار ہو گیا، اسے جب موت کا یقین ہو گیا تو وہ اپنے باپ کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گیا، اس نے اپنا مسلمان ہونا ظاہر کر دیا اور اپنے والد سے درخواست کی کہ مرنے کے بعد اس کی تدفین اسلامی روایات کے مطابق کی جائے، چنانچہ جمعہ کے مبارک دن اس کی تدفین عمل میں آئی جس میں سینکڑوں مسلمانوں نے حصہ لیا، اسی دن ریجنٹ مسجد میں اس کے ایصالِ ثواب کے لیے قرآن خوانی اور دعائے مغفرت کی گئی جس میں اسی چیچنیا کے جلاوطن مسلم رہنما احمد زکایو نے بھی شرکت کی جس چیچنیا کو خون میں نہلانے میں الیگزینڈر بھی شریک رہا تھا اور جس چیچنیا میں اس نے سینکڑوں مسلمانوں کو سرکاری درندوں کے ہاتھوں قتل ہوتے ہوئے دیکھا تھا۔

آپ مجھے بتایئے ایک غیر اسلامی ملک میں وہ کون سی تلوار تھی جس نے الیگزینڈر کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کر دیا، مجھ سے پوچھا جائے تو میں کہوں گا کہ یہ اسلام کی روحانی تلوار تھی جسے چلانے کے لیے ہاتھوں کو حرکت دینے کی بھی ضرورت پیش نہیں آتی جس کا شکار تو دکھائی دیتا ہے مگر وہ خود دکھائی نہیں دیتی۔

میں آپ کے سامنے دوسرا نام لیتا ہوں اپنی قومی کرکٹ ٹیم کے کھلاڑی محمد یوسف کا جو کل تک یوسف یوحنا تھا اور گراؤنڈ میں سنچری بنانے کے بعد اپنے سینے پر صلیب کا نشان بنایا کرتا تھا، آج وہ محمد یوسف ہے اور سنچری بنانے کے بعد پاکستان میں ہو یا پاکستان سے باہر،

رب کے حضور سجدۂ شکر بجالاتا ہے، مجھے اس کے ایک قریبی دوست نے بتایا کہ فرض نماز تو کجا، محمد یوسف کی کوشش ہوتی ہے کہ تہجد بھی قضا نہ ہو، وہ اپنے اہل وعیال کو اسلام کی تعلیم دے رہا ہے اور وہ اپنا آئیڈیل حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو قرار دیتا ہے، بعض ماڈرن مسلمان داڑھی رکھنے کو دقیانوسی سوچ سمجھتے ہیں جبکہ محمد یوسف نے سنت کے مطابق یکمشت داڑھی رکھی ہوئی ہے، اگر نماز کا وقت ہو جائے تو وہ برسر میدان بھی نماز ادا کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتا، اپنی ان اداؤں کی وجہ سے بجائے اس کے کہ اس کی تعریف کی جاتی بعض ''روشن خیال'' مسلمان ہاتھ دھو کر اس کے پیچھے پڑ گئے ہیں، ان کا خیال ہے کہ مسلمان ہونا اچھی بات ہے مگر اتنا بھی مسلمان نہیں ہونا چاہیے، وہ اسے سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں دیکھو ہم بھی مسلمان ہیں، کبھی کبھار نماز پڑھ لیتے ہیں، داڑھی روزانہ شیو کرتے ہیں، سودی کاروبار کرتے ہیں، رقص وسرود کی محفلوں میں ذوق وشوق سے شریک ہوتے ہیں، ہماری خواتین پردہ نہیں کرتیں، پھر بھی ہمارا اسلام متاثر نہیں ہوتا، اصل بات یہ ہے کہ محمد یوسف نے اسلام قبول کیا ہے، جبکہ ہمیں اسلام وراثت میں ملا ہے، اسلام قبول کرنے والے قربانی دے سکتے ہیں مگر موروثی مسلمانوں میں یہ جذبہ مفقود ہوتا جا رہا ہے، آج اگر محمد یوسف داڑھی منڈا دے تو اسے ملٹی نیشنل کمپنیاں کروڑوں روپے کے اشتہارات میں لے سکتی ہیں، وہ قومی ٹیم کا کپتان بن سکتا ہے مگر اس کے دل میں ایک لگن ہے، ایک جوش ہے ایک ولولہ ہے وہ سنتِ رسول کو کروڑوں روپے اور کپتانی سے زیادہ گرانقدر چیز سمجھتا ہے، مجھے بتایئے وہ کونسی تلوار ہے جس کے خوف سے محمد یوسف مسلمان ہی نہیں آپ کے بقول بنیاد پرست مسلمان بن گیا ہے۔

ذاتی محاسن:

اگر اللہ کا کوئی بندہ تعصب کی عینک اتار کر تحقیق کرے تو وہ یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہو جائے گا کہ دنیا میں اشاعتِ اسلام کا پہلا اور حقیقی سبب اللہ تعالیٰ کی غیبی تائید ہے، دوسرا سبب مسلمان مبلغین کی مسلسل کوششیں اور تیسرا سبب اسلام کے ذاتی محاسن ہیں، اسلامی شریعت کے اصول اور فروع ہیں، نبی کریم ﷺ کے اخلاق اور کردار میں ایسی کشش، ایسا حسن اور ایسی سادگی اور فطرت کی ایسی آواز پائی جاتی ہے کہ کوئی بھی ایسا شخص متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا جس نے اپنی فطرت کو مسخ نہ کر لیا ہو۔ جو عصبیت میں اندھا نہ ہو گیا ہو، پھر مسلمانوں کے پاس قرآن کریم جیسی بے مثال کتاب ہے جس کی فصاحت اور تاثیر، اعجاز اور جامعیت اپنے قاری اور سامع کو اپنے سحر میں جکڑ لیتی ہے، اس کے مضامین آج بھی تازہ ہیں، پڑھنے والا بعض آیات کے بارے میں محسوس کرتا ہے کہ یہ ابھی نازل ہوئی ہیں۔

آپ اسلام کے عقیدۂ توحید کو دیکھیں، اس کی قدر آپ کو اس وقت ہوگی جب آپ دوسرے مذاہب میں "تصورِ خدا" کا مطالعہ کریں گے، عیسائیوں میں سے کسی نے کہا کہ اللہ تین میں سے تیسرا ہے......

کسی نے کہا مسیح ابن مریم ہی خدا ہے......

کسی نے کہا مسیح خدا کا بیٹا ہے......

یہودی ایک خدا کو مانتے ہیں لیکن بائبل کہتی ہے کہ خدا انسانی جسم میں بھی زمین پر آسکتا ہے اور یہ کہ خدا کی ابراہام کے ساتھ رات بھر کشتی ہوتی رہی۔

مجوسی کہتے ہیں کہ خدا دو ہیں ایک نیکی کا خالق ہے اور دوسرا برائی کا خالق ہے۔

ہندوؤں میں سے بعض تین خدا مانتے ہیں اور بعض ۳۳ کروڑ خداؤں کو مانتے ہیں وہ انسانی شرمگاہ کو بھی معبود کا درجہ دیتے ہیں ہے، چوہے اور بندر بھی ان کے ہاں بڑا تقدس رکھتے ہیں، بدھ مت اور زرتشت کو دیکھیں تو ان کے ہاں بھی خدا کا تصور موجود ہے، مگر بہت الجھا ہوا۔

لیکن اسلام میں اللہ کا تصور بالکل واضح ہے، اس کے لیے آپ قرآن کریم کی مختصر سورت سورۂ اخلاص ہی کا مطالعہ کریں۔

﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۞ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۞ لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ۞ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۞﴾

اللہ ایک ہے اپنی ذات میں بھی ایک ہے صفات میں بھی ایک ہے، وہ بے نیاز ہے وہ کسی بھی چیز میں کسی کا محتاج نہیں مگر اس کا ہر کوئی محتاج ہے، نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے اور کوئی اس کا ہمسر اور شریک نہیں۔

مسلمانوں کا خدا ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا اس کے لیے فنا نہیں......

وہ ہر نقص اور عیب سے پاک ہے......

اس کا نہ کوئی وزیر ہے نہ مشیر......

انسانوں کی عبادت سے اس کی کبریائی میں اضافہ نہیں ہوتا اسے نہ نیند آتی ہے نہ وہ اونگھتا ہے......

نہ تھکتا ہے نہ بیمار ہوتا ہے......

نہ بھولتا ہے نہ خطا کرتا ہے......

اس سے کوئی ایسا فعل سرزد نہیں ہوتا جو نازیبا ہو......

وہ انسانوں بلکہ ساری کائنات پر بڑا رحیم وکریم ہے......

وہ ساری مخلوق کا رازق اور نگہبان ہے......

مسلمان اسی ایک اللہ کی عبادت کرتے ہیں......

اسی کی اطاعت کرتے ہیں......

اسی سے ڈرتے ہیں......

اسی سے محبت کرتے ہیں......

اسی سے امید رکھتے ہیں......

اسی سے مانگتے ہیں......

ان کا جینا اور مرنا......

محبت اور نفرت......

نذر ونیاز اور صدقہ خیرات......

دینا اور منع کرنا سب اللہ کے لیے ہوتا ہے......

اسی کی رضا کو وہ ہر چیز پر مقدم رکھتے ہیں، دعوت وتبلیغ اور جہاد وقتال بھی وہ صرف اللہ کے لیے کرتے ہیں۔

توحید کا یہ وہ تصور تھا جس نے مسلمانوں میں ایک نئی روح پھونک دی، توحید پر ایمان لانے والے ایک نئے انسان کے روپ میں دنیا کے سامنے آئے، وہ نہ مظاہر فطرت سے ڈرتے تھے اور نہ ہی قیصر وکسریٰ کو خاطر میں لاتے تھے، انہیں دیکھنے والوں کو تعجب ہوتا ہے

کہ عرب کے صحراؤں اور پہاڑوں کے دامن میں حیوانی زندگی گزارنے والوں کے اندر انسانی اور ملکوتی صفات کہاں سے آ گئیں، اور انہیں روم وایران کو للکارنے اور ان پر حملہ آور ہونے کی جرأت کیسے ہوئی؟

رومی اور فارسی عربوں کو بہت ذلیل قوم سمجھتے تھے، اسی لیے جب مسلمانوں کی فوجیں قادسیہ تک جا پہنچیں اور فارس کا نامور اور بہادر سپہ سالار مسلمانوں کے مقابلے میں بہت بڑی فوج لے کر آیا تو اس نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو عربوں کا ماضی یاد دلا کر شرمندہ کرنے کی کوشش کی تھی۔

حضرت مغیرہ نے جواب میں فرمایا تھا:

''ہاں ہم واقعی ویسے ہی تھے جیسے تم بیان کرتے ہو مگر اب ہم بدل گئے ہیں اور ہمارے اندر یہ تبدیلی ایمان کی وجہ سے آئی ہے۔''

عبادات:

عقیدۂ توحید کے علاوہ آپ اسلام کے نظامِ عبادات پر نظر ڈالیں تو ان میں بھی آپ فطری حسن، سادگی اور جسم و روح کے تقاضوں کی تکمیل پائیں گے۔

نماز تو بعد کی بات ہے آپ وضو ہی کو لیں، وضو طہارت اور صفائی کا ایک ایسا عمل ہے جو سلام کے علاوہ کسی دوسرے مذہب میں نہیں پایا جاتا، ایسا عمل جس سے بدن کے وہ مارے حصے صاف کیے جاتے ہیں جن کے ذریعے جسم میں امراض داخل ہوتے ہیں۔

وضو میں پہلے ہاتھ دھوئے جاتے ہیں کیونکہ اگر ہاتھوں کے ساتھ جراثیم ہوں گے تو وہ منہ کے راستے معدے میں داخل ہو جائیں گے۔ ہاتھوں کے ساتھ کیمیکلز بھی ہو سکتے ہیں،

مٹی بھی ہوسکتی ہے، گندگی بھی ہوسکتی ہے، کوئی زہریلا مواد بھی ہوسکتا ہے۔

کلی کرنے سے منہ سے سڑے ہوئے غذائی ذرات نکل جاتے ہیں علاوہ ازیں پانی کی بو اور ذائقے کا پتہ چل جاتا ہے اور اگر کلی کے ساتھ مسواک بھی کر لیں تو دانت چمکدار ہوں گے، گلے کے غدود ٹھیک ہوں گے، منہ کا تعفن دور ہوگا، دماغ روشن ہوگا، بصارت تیز ہوگی، معدہ درست کام کرے گا، ایک مشہور دانشور کہتے ہیں جب سے ہم نے مسواک چھوڑی ہے اس دن سے ڈینٹل سرجن کی ابتداء ہوئی ہے۔

ناک میں پانی ڈالنے سے ناک میں جراثیم پرورش نہیں پاسکتے۔

چہرہ دھونے سے مہاسے اور دانے یا تو نکلتے ہی نہیں یا ان کے نکلنے کی شرح کم ہوجاتی ہے اور فضا میں پھیلی ہوئی آلودگی سے اگر چہرہ متاثر ہوا ہو تو اس سے نجات مل جاتی ہے۔

کہنیاں دھونے کا اثر دل و دماغ اور جگر تک پہنچتا ہے۔

مسح کرنے سے پاگل پن سے حفاظت ہوتی ہے۔

پاؤں دھونے سے ڈپریشن، بے سکونی اور دماغی خشکی ختم ہوجاتی ہے۔

غرضیکہ وضو میں کئی حکمتیں اور فوائد ہیں جنہیں جدید سائنس بھی تسلیم کرتی ہے۔

نماز سے قبل اذان کہی جاتی ہے، یوں تو دوسرے مذاہب میں بھی عبادت کے لیے جمع کرنے کے مختلف طریقے ہیں، کہیں گھنٹہ بجایا جاتا ہے، کہیں آگ جلائی جاتی ہے اور کہیں کچھ اور کیا جاتا ہے لیکن آپ کو اذان جیسی دعوت کہیں نہیں ملے گی کہ مختصر الفاظ میں اللہ تعالیٰ کی توحید اور کبریائی، حضرت محمد ﷺ کی نبوت و رسالت اور فلاح و کامرانی کے پروگرام کی طرف انسانوں کو دن میں پانچ بار بلایا جاتا ہے،

یہ پر خلوص دعوت سمندر میں بھی دی جاتی ہے اور خشکی میں بھی......

آبادی میں بھی اور صحرا میں بھی......

شہروں میں بھی اور دیہاتوں میں بھی......

اسلامی ممالک میں بھی اور غیر مسلم حکومتوں میں بھی......

بلکہ زمین پر بھی اور شمس وقمر میں بھی......

شمس وقمر کی بات میں اس لیے کر رہا ہوں کہ چند سال پہلے ہم نے چاند پر جانے والے ایک سائنسدان کے بارے میں پڑھا تھا کہ وہ سیاحت کے دوران مصر گیا اور اس نے اذان سنی تو ایمان قبول کر لیا، جب اس سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو اس نے بتایا کہ جب میں چاند پر گیا تو میں نے یہی آواز اور الفاظ وہاں بھی سنے تھے۔

آپ اس پہلو پر بھی غور کریں کہ شب وروز میں کوئی وقت ایسا نہیں جب دنیا کے کسی نہ کسی خطے، ملک اور شہر میں اذان نہ ہو رہی ہو، اس لیے کہ زمین گول ہے، سورج اس کے چاروں طرف طلوع ہوتا اور گھومتا ہے، کسی ایک ملک میں دن ہوتا ہے تو دوسرے ملک میں رات ہوتی ہے، ایک جگہ صبح ہوتی ہے تو دوسری جگہ دوپہر اور تیسری جگہ شام ہوتی ہے، زمین کے انتہائی مشرق میں ایک علاقہ ہے جسے فجی کہتے ہیں وہاں دنیا میں سب سے پہلے نئی تاریخ کا آغاز ہوتا ہے، وہاں جب اذانِ فجر کا وقت ختم ہوتا ہے تو آسٹریلیا میں فجر کا وقت شروع ہو جاتا ہے، اس کے بعد انڈونیشیا، ملیشیا، بنگلہ دیش، بھارت اور پاکستان وغیرہ میں ترتیب سے فجر کا آغاز ہوتا ہے، جب مصر میں فجر کی اذان ہوتی ہے تو فجی میں عصر کی اذان ہو رہی ہوتی ہے، جب لیبیا اور الجزائر میں مسلمان فجر کی اذان کہتے ہیں تو فجی میں مغرب کی

اذان ہو رہی ہوتی ہے، پھر جب مراکش میں اذانِ فجر دی جاتی ہے تو فجی میں اذانِ عشاء کا وقت ہو جاتا ہے، مختصر یہ کہ پانچوں نمازوں کے یہ اوقات روئے زمین کے گرد مسلسل گھومتے رہتے ہیں اور ہر وقت کہیں نہ کہیں اذان ہوتی رہتی ہے یہ مقدس آواز ساڑھے چودہ سو سال سے دنیا میں مسلسل گونج رہی ہے۔

نماز:

وضو اور نماز کے علاوہ آپ نماز کے ارکان کا جائزہ لیں کئی حضرات نے طویل ریسرچ کرنے کے بعد تسلیم کیا ہے کہ نماز ایک بہترین ورزش ہے جو کہ بیرونی اور اندرونی اعضاء کی صحت اور خوبصورتی کی ضامن ہے، یہ نفسیاتی امراض سے بچاتی ہے، دل کو سکون ملتا ہے، انسان چاق و چوبند ہو جاتا ہے، اس کے اوقات کا انتخاب یقیناً ایسی ہستی نے کیا ہے جو ہر وقت کے اثرات کو بھی جانتی ہے اور انسان کی جسمانی اور روحانی ضروریات کو بھی جانتی ہے ان اوقات کی پ ی کرنے سے زندگی میں نظم وضبط پیدا ہوتا ہے، نمازی شخص شاذ و نادر ہی خودکشی کے بارے میں سوچتا ہے، جماعت کے ساتھ نماز ا کرنے سے طبقاتی تقسیم کرنے میں مدد ملتی ہے، محمود و ایاز ایک ہی صف میں کھڑے ہو جاتے ہیں، جماعت کا نظارہ ایسا ہوتا ہے کہ انسان متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا، ٹی ڈبلیو نے اسکندریہ کے ایک یہودی سعید بن حصن کا واقعہ لکھا ہے جس نے ۱۲۹۸ء میں اسلام قبول کیا، یہ نو مسلم اپنے قبول اسلام کی تفصیل بیان کرتے ہوئے بتاتا ہے کہ ''جمعہ کی نماز باجماعت کا جو نظارہ میں نے مسجد میں دیکھا تھا میرے لئے تبدیلی مذہب کا فیصلہ کن سبب ثابت ہوا، ایک سخت بیماری کے دوران میں نے ایک خواب دیکھا جس میں مجھ سے ایک آواز کہہ رہی تھی کہ تم اپنے اسلام کا اعلان

کر دو، اس کے بعد جب میں ایک مسجد میں داخل ہوا اور مسلمانوں کو دیکھا کہ فرشتوں کی طرح صفیں باندھ کر کھڑے ہیں تو میرے دل سے آواز اٹھی کہ یہی وہ امت ہے جس کی آمد کی انبیاء علیہم السلام نے بشارت دی تھی، جب خطیب نمودار ہوا جو ایک سیاہ جبے میں ملبوس تھا تو میرے دل پر ایک ہیبت چھا گئی، جب اس نے اپنے خطبہ کو اس آیت کے ساتھ ختم کیا:

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ﴾

تو میں بے حد متاثر ہوا جب نماز شروع ہوئی تو مجھے ایسا معلوم ہوا گویا مسلمان نمازیوں کی صفیں فرشتوں کی صفیں ہیں، ان کے رکوع و سجود کے وقت خدا اپنی تجلی دکھا رہا ہے اور میرے اندر سے ایک آواز مجھے کہہ رہی ہے کہ اگر خدا بنی اسرائیل سے اس تمام عرصے میں دو مرتبہ مخاطب ہوا ہے تو وہ اس امت سے ہر نماز کے وقت مخاطب ہوتا ہے، مجھے اپنے دل میں اس بات کا یقین ہو گیا کہ میں تو مسلمان ہونے کے لیے پیدا ہوا تھا۔"

مشہور فرانسیسی مصنف رینان نے اپنے ایک مقالے میں لکھا تھا کہ "میں جب بھی کسی مسجد میں داخل ہوا ہوں تو میں نے اپنے دل میں ایک عجیب کیفیت محسوس کی ہے اور اگر اجازت ہو تو کہہ دوں کہ وہ کیفیت کیا تھی؟ اس بات کی حسرت تھی کہ میں مسلمان کیوں نہیں ہوں؟"

یہ حقیقت ہے کہ نماز کی صورت میں مسلمان کا مذہب ہمیشہ اس کا ساتھ رہتا ہے اور ایسی پرکشش صورت میں ظاہر ہوتا ہے کہ نمازی اور تماشائی دونوں کے دل میں اثر کیے بغیر نہیں رہتا۔

زکوٰۃ، روزہ، حج:

نماز کے علاوہ اسلام کے دوسرے بنیادی ارکان یعنی زکوٰۃ، روزہ اور حج کی حکمتوں اور فوائد کا مطالعہ کیا جائے تو ضرور دل سے پکار اٹھتی ہے کہ اسلامی شریعت ہی ایسی شریعت ہے جو ہر زمانے اور ہر علاقے کے انسان کے مادی اور روحانی سارے مسائل حل کر سکتی ہے۔

زکوٰۃ ایک ایسی عبادت ہے جسے ادا کرنے سے اللہ کا قرب حاصل ہوتا ہے، نفس بخل اور خود غرضی سے پاک ہو جاتا ہے، دل کی قساوت اور سختی دور ہو جاتی ہے، مالدار مسلمان، غریب مسلمانوں کے دکھ درد میں شریک ہو کر ان کی دعائیں لیتے ہیں، اسلامی معاشرہ میں یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ چند افراد عیاشی کرتے رہیں اور باقی نان جویں کو بھی ترستے رہیں، سرمایہ داروں کے بچے بیرونِ ملک مہنگے اسکولوں میں تعلیم حاصل کریں اور غریبوں کی اولاد ٹاٹ اسکولوں سے بھی محروم رہے، اصحاب ثروت اپنی معمولی بیماریوں کا علاج یورپ میں کروائیں اور غرباء مہلک بیماریوں میں مبتلا ہونے کے باوجود اپنے جھونپڑوں میں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر جائیں۔

زکوٰۃ کے علاوہ واجب اور نفلی صدقات کا پورا نظام ہے، اگر اللہ کی راہ میں یا اپنے کسی فرضی : یونا کو خوش کرنے والوں کا عالمی سطح پر جائزہ لیا جائے تو آج بھی غریبوں، مسکینوں، یتیموں، بیواؤں، بیماروں، مذہبی اداروں اور رفاہی ہسپتالوں اور تعلیم گاہوں پر خرچ کرنے میں مسلمان پیش پیش دکھائی دیں گے۔

اسلام کے چوتھے رکن روزہ کے بارے میں آج ڈاکٹر اور سائنسدان کہہ رہے ہیں کہ اس میں جسمانی طور پر فٹ رہنے کے راز پوشیدہ ہیں، کوئی کہتا ہے کہ روزہ رکھنے سے نظامِ

ہضم درست ہو جاتا ہے اور معدے میں پیدا ہونے والی زہریلی رطوبتیں ختم ہو جاتی ہیں، کوئی کہتا ہے کہ معدے کے ورم اور نفسیاتی امراض کا خاتمہ ہو جاتا ہے، آنتوں کو توانائی اور آرام حاصل ہوتا ہے، روزہ ضبطِ نفس اور اپنے آپ پر قابو پانے کا بھی بہترین ذریعہ ہے، اس کے علاوہ روزہ مسلمان کو غریب پروری بھی سکھاتا ہے اور اس کے دل میں فاقہ کشوں کے دکھ درد کا احساس بھی پیدا کرتا ہے، لیکن یاد رکھیں کہ مسلمان ڈائٹنگ اور جسمانی صحت کے لیے روزہ نہیں رکھتا بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کا حکم سمجھ کر رکھتا ہے، رمضان جو نزولِ قرآن کا مہینہ ہے دنیا بھر کے مسلمان سردی ہو یا گرمی صرف اسی مہینہ میں فرض کے طور پر روزے رکھتے ہیں، روزے کا اصل مقصد تقویٰ اور رضاءِ الٰہی کا حصول ہے، اسی لیے مسلمان روزہ کی حالت میں صرف پیٹ کی حفاظت نہیں کرتے بلکہ زبان، آنکھ، کان اور دوسرے تمام اعضاء کی بھی حفاظت کرتے ہیں، اگر کوئی ڈاکٹر یا حکیم کہہ دے کہ غروبِ آفتاب کے ایک یا دو گھنٹہ بعد افطار کرنے سے صحت پر زیادہ اچھا اثر پڑے گا تو مسلمان کبھی بھی ایسا نہیں کریں گے اور افطار میں ایک منٹ کی بھی تاخیر نہیں کریں گے، یونہی اگر کسی روزہ دار کو مشورہ دیا جائے کہ انتیس اور تیس کے بجائے اکتیس یا بتیس روزے رکھنے سے تم سارا سال تندرست رہو گے تو وہ کبھی ایسا نہیں کرے گا کیونکہ اس کا اصل مقصد اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل ہے اور افطار میں دیر کرنے یا چاند نظر آنے کے بعد روزہ رکھنے سے یہ مقصد فوت ہو جاتا ہے۔

روزے کے بعد آپ اسلام کے پانچویں رکن حج کا جائزہ لیں، اس میں کتنی کشش محبوبیت اور روحانیت پائی جاتی ہے اور یہ کشش اور روحانیت اللہ تعالیٰ کی طرف سے دلوں میں پیدا کی گئی ہے، ہر مسلمان خواہ امیر ہو یا غریب مکہ اور مدینہ جانے کے لیے تڑپتا ہے، حج

کے ایام میں جب پوری دنیا سے مسلمان دو سفید چادروں پر مشتمل لباس پہن کر حرم کی طرف سفر کرتے ہیں تو عجب منظر ہوتا ہے، اگر اللہ تعالیٰ آپ کو توفیق دے اور آپ کسی بلند جگہ پر کھڑے ہو کر منیٰ اور عرفات پر نظر ڈالیں تو یوں محسوس ہوگا کہ آسمان سے فرشتے اتر آئے ہیں، وہاں نہیں جاسکتے تو آپ ائیر پورٹ پر جا کر ہی دیکھ لیں کیسا پر اثر منظر ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر جو عشق ومحبت کا جذبہ رکھا ہے، حج اسی مقدس جذبے کی تسکین کا ذریعہ ہے، حج، عقل اور مادیت کے پرستاروں کے خلاف نعرۂ بغاوت ہے، حج ملت حنفی کے امام حضرت ابراہیم علیہ السلام سے تعلق کی تجدید کرتا ہے، آپ حج کے ایک ایک رکن اور عمل کا بنظر غائر جائزہ لیں آپ کو ان میں بے مثال منافع ملیں گے، دنیا کے کونے کونے سے عشق ومحبت کے جذبات سے سرشار مسلمان اپنے روحانی مرکز کی طرف روانہ ہوتے ہیں، ان کا لباس ایک ہوتا ہے، ان کی منزل ایک ہوتی ہے، ان کے جذبات ایک جیسے ہوتے ہیں، ان کی زبان پر "لبیك اللّٰهم لبيك" کی صورت میں ایک ہی نعرہ ہوتا ہے، وہ کعبہ کے اردگرد دیوانہ وار طواف کرتے ہیں، صفا ومروہ کی سعی کرتے ہیں، مکہ سے منیٰ، منیٰ سے عرفات اور عرفات سے مزدلفہ آتے ہیں عجب وارفتگی کا عالم ہوتا ہے، بلکتے ہیں، سسکتے ہیں اور اپنے مالک سے عفو ودرگزر کے طلبگار ہوتے ہیں، حج کا منظر دیکھنے والا متاثر ہوئے بغیر رہ ہی نہیں سکتا۔

میں نے آپ کے سامنے اسلام کے صرف پانچ بنیادی ارکان کے محاسن سرسری انداز میں بیان کیے ہیں، تفصیل میں جاؤں تو بتا سکتا ہوں کہ اسلام نے شراب، جوا، زنا، سود اور بعض بداخلاقیوں کو جو حرام کیا ہے تو اس میں کیا حکمتیں ہیں؟ میں بتا سکتا ہوں کہ میرے آقا

ﷺ دائیں ہاتھ سے کھاتے تھے، دائیں کروٹ لیٹتے تھے، جو کی روٹی پسند فرماتے تھے، کھجور سے افطار کرتے تھے، صبح سویرے اٹھتے تھے، رات جلد سو جاتے تھے تیل اور کنگھی استعمال فرماتے تھے تو ان چیزوں میں کیا کیا فوائد تھے۔

اب تو مارکیٹ میں کئی کتابیں آ چکی ہیں جوان نومسلموں کے بارے میں ہیں جنہوں نے اپنے اسلام لانے کی وجوہات بتائی ہیں،

ان میں سے کوئی عقیدۂ توحید سے متاثر ہوا......

کسی کو نماز باجماعت کے منظر نے ہدایت کا راستہ دکھایا......

کسی نے روزہ، زکوٰۃ اور حج کی حکمتوں پر غور کیا تو کلمہ پڑھ لیا......

کسی نے ہمارے آقا ﷺ کی سیرت کا مطالعہ کیا تو اسلام قبول کر لیا......

کسی نے گورے اور کالے، اعلیٰ نسب اور ادنیٰ نسب مسلمانوں میں محبت واخوت اور مساوات دیکھی تو اسلام کی سچائی کا قائل ہو گیا......

کسی نے اذان سنی تو اسے کفر سے نفرت ہو گئی......

کسی نے قرآن کریم کی کسی ایک آیت میں غور و تدبر کیا تو اس کی صداقت کا قائل ہو گیا اور میرا دل کہتا ہے کہ مسلمانوں کے پاس کافروں کو اسلام کے قریب لانے کے لیے قرآن کریم اور نبی کریم ﷺ کی سیرت سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہے۔

مبلّغین اسلام کی کاوشیں

اشاعتِ اسلام کا دوسرا بڑا سبب مبلغین اسلام کی بے نظیر کوششیں ہیں یہ بات تو مسلم اور غیر مسلم ہر کوئی جانتا ہے کہ اسلام ایک مشنری اور تبلیغی مذہب ہے، نبی کریم ﷺ کی تعلیم

وتربیت اور نعمتِ ایمان کی برکت سے مسلمانوں میں ایسا جوش وخروش پیدا ہوا کہ وہ دیکھتے ہی دیکھتے دنیا کے تین براعظموں میں پھیل گئے حالانکہ اس وقت نقل وحمل کے تیز ترین ذرائع بھی میسر نہ تھے، توحید کی آواز جو مکہ کی بے آب وگیاہ وادی سے بلند ہوئی تھی کچھ ہی عرصہ میں افریقہ، چین، ہندوستان اور فارس وایران کے صنم خانوں میں گونجنے لگی، ٹی ڈبلیو برمینگ آف اسلام میں تسلیم کرتا ہے کہ:

"روئے زمین کے اس قدر وسیع حصے میں اسلام نے جو اشاعت پائی ہے، اس کے کئی معاشرتی، سیاسی اور مذہبی اسباب ہیں مگر سب سے قوی سبب اس عظیم الشان کامیابی کا یہ ہے کہ مسلمان مبلغین نے اس بارے میں انتھک کوشش کی ہے، رسول کریم ﷺ کا اسوۂ حسنہ ان کے سامنے تھا، چنانچہ انہوں نے کفار اور منکرین کو دائرۂ اسلام میں لانے کے لیے اپنی قوتوں کو بے دریغ صرف کیا ہے۔"

ہمارے لیے نصیحت آموز امر یہ ہے کہ ان میں سے اکثر مبلغین ایسے تھے کہ نہ تو انہیں کسی حکومت کی سرپرستی حاصل تھی اور نہ ہی وہ کسی جماعت کے تحت کام کر رہے تھے بلکہ انسانیت کی اصلاح کا درد اور فریضہ تبلیغ کی اہمیت کا احساس انہیں اس کام پر آمادہ کرتا تھا جیسا کہ ٹی ڈبلیو نے افریقہ کے مغربی ساحل میں اشاعت اسلام کے بارے میں لکھا ہے کہ:

"تبلیغ کا کام مبلغوں یا معلموں کی کوئی خاص جماعت انجام نہیں دے رہی تھی بلکہ ہر ایک مسلمان اپنے مذہب کا ایک مستعد مبلغ تھا جب کبھی پانچ چھ مسلمان کسی شہر میں جمع ہوتے اور کچھ عرصے کے لیے وہاں سکونت کا ارادہ کرتے تو وہاں فوراً ایک مسجد تیار کر لیتے اور تبلیغ کا کام شروع کر دیتے۔"

مسلمانوں کو اپنے مذہب اپنی کتاب اور اپنے رہبر و رہنما کی سچائی کا یقین تھا اور یقین انسان کو بڑی سے بڑی قربانی پر آمادہ کر دیتا ہے، نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد یقین اور ایمان سے سرشار صحابہ کرام ﷺ پوری دنیا میں پھیل گئے، وہ جہاں تک جا سکتے تھے، گئے اور انہوں نے ظلمت کدہ عالم میں ایمان کا نور پھیلایا، حضرت عقبہ بن نافع ﷺ کا نام آپ نے سنا ہو گا جو اپنے ساتھیوں کے ساتھ مصر، لیبیا اور تیونس ہوتے ہوئے مراکش تک جا پہنچے تھے، مراکش میں داخل ہو کر وہ آگے بڑھتے گئے، یہاں تک کہ افریقہ کا انتہائی مغربی ساحل، بحر ظلمات (اٹلانٹک) نظر آنے لگا، یہاں پہنچ کر انہوں نے وہ تاریخی جملہ کہا تھا کہ

" یارب لو لا هذا البحر لمضيت في البلاد مجاهدا في سبيلك."

" پروردگار! اگر یہ سمندر حائل نہ ہوتا تو میں آپ کے راستے میں جہاد کرتا ہوا اپنا سفر جاری رکھتا۔"

اس کے بعد آپ نے اپنے گھوڑے کے اگلے پاؤں اٹلانٹک کی موجوں میں ڈالے، اپنے ساتھیوں کو بلایا اور ان سے کہا کہ ہاتھ اٹھاؤ، ساتھیوں نے ہاتھ اٹھا دیے تو عقبہ بن نافع ﷺ نے یہ اثر انگیز دعا فرمائی:

اللّٰهم اني لم اخرج بطرا ولا أشرا، وإنك تعلم انما نطلب السبب الذي طلبه عبدك ذو القرنين وهو ان تعبد ولا يشرك بك شيء، اللهم انا مدافعون عن دين الاسلام فكن لنا ولا تكن علينا يا ذالجلال والاكرام.

" یا اللہ! میں غرور و تکبر کے جذبے سے نہیں نکلا اور تو جانتا ہے کہ ہم اسی سبب کی تلاش میں ہیں جس کی آپ کے بندے ذوالقرنین نے جستجو کی تھی اور وہ یہ کہ دنیا میں صرف تیری

عبادت ہو اور تیرے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا جائے، اے اللہ! ہم دین اسلام کا دفاع کرنے والے ہیں، تو ہمارا ہو جا اور ہمارے خلاف نہ ہو، یا ذالجلال والاکرام۔"

اعلیٰ اخلاق:

دعوتِ اسلام کا یہ جذبہ صحابہ کرام ﷺ سے تابعین رحمہم اللہ میں اور تابعین سے تبع تابعین رحمہم اللہ میں اور ان سے اگلی نسلوں میں منتقل ہوتا چلا گیا، ایسے مسلمان بے شمار تھے، جو تجارت، ملازمت، زراعت اور کسبِ معاش کے دوسرے ذرائع میں مصروف ہونے کے ساتھ اشاعتِ اسلام کے لیے بھی وقت نکالتے تھے ان میں سے بعض کا کردار اتنا اجلاء، مالی معاملات اتنے شفاف اور اخلاق اتنے اعلیٰ ہوتے تھے کہ وہ جس ملک اور علاقے میں بھی جاتے تھے مقامی باشندے ان سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتے تھے، جن لوگوں نے اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت کی ان میں اکثریت ایسے افراد کی تھی جنھوں نے اسلام اور مسلمانوں کو قریب سے نہیں دیکھا تھا، لیکن جب انہیں مسلمانوں کے ساتھ میل جول اور لین دین کا موقع ملا تو ان کے سینے اسلام کے لیے کھل گئے، پھر چونکہ مسلمانوں میں طبقاتی تقسیم اور حسب نسب کا امتیاز تو ہے نہیں ان کے آقا ﷺ نے انہیں سکھایا ہے کہ گورے کو کالے پر اور عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں، ایک انسان کو دوسرے پر فضیلت صرف ایمان اور تقویٰ کی بنیاد پر حاصل ہو سکتی ہے اس لیے مسلمان، مزدوروں اور نیچ نسل والوں کو اپنے دسترخوان پر بٹھانے اور اپنے سینے سے لگانے میں عار محسوس نہیں کرتے تھے اس وجہ سے بھی اشاعتِ اسلام کا دائرہ بہت وسیع ہوا اور ایسے لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہوئے جو محض کسی نچلی ذات سے تعلق رکھنے کی وجہ سے اپنے ہم مذہبوں کے ہاتھوں ظلم اور زیادتی کا شکار تھے۔

آج ہمارا حال یہ ہے کہ ہم اخلاقی اعتبار سے انتہائی نچلی سطح پر ہیں، ہمارا کردار کھوکھلا ہو چکا ہے، ہمارے تجارتی اور مالی معاملات انتہائی کمزور ہیں، جھوٹ بولنے، وعدہ خلافی کرنے اور ملاوٹ کرنے میں عار محسوس نہیں کی جاتی اس لیے ہماری ذات سے کوئی متاثر نہیں ہوتا بلکہ بعض غیر مسلم ہماری بداخلاقی اور بدمعاملگی کو دیکھ کر کہتے ہیں کہ اسلام اچھا مذہب ہے مگر مسلمان اچھے نہیں ہیں، مجھے کراچی کے ایک مستند اور معروف عالم دین کے بارے میں بتایا گیا کہ وہ کینیڈا گئے اور انہوں نے ایک غیر مسلم کے ہوٹل میں کھانا کھایا تو اس نے کہا مولانا! میں اسلام قبول کرنا چاہتا ہوں مگر مقامی مسلمانوں کی بدکرداری اور بداطواری کی وجہ سے مسلمان کہلوانا پسند نہیں کرتا، کوئی ایسی صورت بتایئے کہ میں اسلام میں داخل ہو جاؤں مگر مجھے مسلمان نہ کہا جائے۔

میرے بھائیو اور بہنو! اپنے اخلاق اور معاملات درست کیجئے، پھر دیکھئے دنیا کیسے پکے ہوئے پھل کی طرح اسلام کی جھولی میں گرتی ہے۔

طاقتور روحانی شخصیات:

عام مسلمانوں اور تاجروں کے اخلاق اور معاملات کی صفائی کے علاوہ ہر دور میں ایسی طاقتور روحانی شخصیات بھی مسلمانوں میں رہی ہیں جن کا وجود اسلام کی صداقت کی دلیل تھا۔

ان شخصیات نے اسلام کی اشاعت بھی کی اور حفاظت بھی کی، حضرت مولانا علی میاں نور اللہ مرقدہٗ نے ''تاریخ دعوت وعزیمت'' کے نام سے کتاب تحریر کی ہے اس میں لکھا ہے کہ ابتداء ہی سے اسلام کے قلب وجگر پر ایسے حملے ہوئے ہیں کہ کوئی دوسرا مذہب ہوتا تو ختم

ہو جاتا، آپ باطنیت کا حملہ دیکھیں، صلیبیوں کی یلغار اور تاتاریوں کی یورش دیکھیں، عجمی اثرات اور مشرکانہ اعمال و رسوم کا طوفان دیکھیں، عقلیت پرستی، مادیت اور الحاد کا سیلاب دیکھیں، ان میں سے کوئی بھی فتنہ جب نمودار ہوا تو کوئی طاقتور شخصیت میدان میں آ گئی۔

آپ پہلی صدی ہجری پر نظر ڈالیں جب ملوکیت کی وجہ سے جاہلی رجحانات امت میں پیدا ہو رہے تھے، اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کو پیدا کر دیا جنھوں نے خلافت راشدہ کی یادیں تازہ کر دیں۔

آپ دوسری صدی کو دیکھیں جب یونانی فلسفہ سے متاثر ہونے کی وجہ سے مسلمانوں میں بھی روشن خیال لوگ پیدا ہو رہے تھے اور خلق قرآن کا فتنہ عام ہو رہا تھا، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اٹھے اور اس فتنے کے سامنے ڈٹ گئے انہیں جیل بھی جانا پڑا اور ایسے کوڑوں کی ضرب بھی سہنا پڑی جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اگر ایک کوڑا ہاتھی پر پڑتا تو وہ چیخ مار کر بھاگ جاتا، امام احمد رحمہ اللہ کی استقامت کی وجہ سے یہ فتنہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا، لوگوں کی نظر میں آپ کو ایسی عزت ملی کہ انتقال ہوا تو جنازہ پڑھنے والوں کی تعداد آٹھ لاکھ مرد اور ساٹھ ہزار عورتیں تھی۔

آپ پانچویں صدی ہجری کو دیکھیں جب فلسفہ کے اثرات سے عقائد متزلزل ہو رہے تھے، ظاہری احکام کی پابندی کی جاتی تھی مگر روح ختم ہو چکی تھی، امام غزالی رحمہ اللہ سامنے آئے جنھوں نے ''مقاصد الفلاسفہ'' اور ''تہافت الفلاسفہ'' لکھ کر یونانی فلسفہ کا تار پود بکھیر کر رکھ دیا۔ آپ ساتویں صدی کا جائزہ لیں جس میں امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ جیسا عظیم داعی پیدا ہوا، جنہیں اللہ تعالیٰ نے بے مثال ذہانت، تبحر علمی، جامعیت اور شجاعت عطا کی تھی، پھر ان کے

عظیم تلامذہ جن میں سے ہر ایک اپنی جگہ علم وعمل کا کوہِ گراں تھا یعنی حافظ ابن قیم، علامہ ابن عبدالہادی، حافظ ابن کثیر اور حافظ ابن رجب رحمہم اللہ۔

آپ ۱۰ھ کے پر آشوب زمانے پر نظر ڈالیں جب لگتا تھا کہ اسلام چند روز کا مہمان ہے، جلال الدین اکبر نے دین اکبری کی بنیاد رکھ دی تھی،

جس میں خنزیر حلال تھا......

شراب نوشی جائز تھی......

آفتاب پرستی کی جاتی تھی اور ہندوانہ رسموں میں کوئی قباحت محسوس نہیں کی جاتی تھی......

تب حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ جیسے صاحب عزیمت سامنے آئے جن کے بارے میں علامہ اقبال نے کہا ہے ۔

وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہبان
اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار

ان کا اصل کارنامہ تجدید دین تھا جسے ایسی شہرت ملی کہ ان کے نام کا قائم مقام بن گیا۔

آپ ۱۲ھ کا مطالعہ کریں جس میں شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ جیسا عبقری پیدا ہوا، ان کا سب سے بڑا کارنامہ دعوت الی القرآن ہے، انہوں نے جان لیا تھا کہ امت کے اخلاقی اور نظری امراض کا علاج قرآن کے مطالعہ اور تدبر کے سوا کچھ نہیں، چنانچہ انہوں نے دعوت الی القرآن کو اپنا اوڑھنا، بچھونا بنالیا، خود انہوں نے اس وقت کی سرکاری زبان فارسی میں ترجمہ کیا، ان کے صاحبزادوں شاہ عبدالقادر اور شاہ رفیع الدین رحمہما اللہ نے اردو میں ترجمہ کیا،

پھر شاہ عبد العزیز رحمہ اللہ نے تفسیر لکھنی شروع کی اور دہلی جیسے مرکزی شہر میں تریسٹھ سال تک قرآن کا درس دیا۔

اسکے علاوہ برصغیر میں خواجہ معین الدین چشتی، خواجہ قطب الدین بختیار کا کی، خواجہ فرید الدین گنج شکر اور خواجہ نظام الدین اولیاء رحمہم اللہ جیسے بزرگوں کی جو خدمات ہیں ان سے بھی کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ آخری دور میں حضرت مولانا محمد الیاس رحمہ اللہ نے تبلیغی جماعت کی صورت میں جو کام کیا اس کی افادیت بھی نصف النہار کے سورج کی طرح روشن ہے۔

میرا مقصد چودہ صدیوں کے سارے بزرگوں اور سارے مبلغین کے کارنامے اور ان کا تعارف بتانا نہیں ہے میں تو اختصار کے ساتھ یہ بتانا چاہ رہا تھا کہ اسلام کا کوئی دور اور کوئی علاقہ بھی طاقتور روحانی، مذہبی اور تبلیغی شخصیات سے خالی نہیں رہا،

کسی نے خانقاہ میں بیٹھ کر اسلام کو پھیلایا......

کسی نے میدان جہاد میں نکل کر دشمنوں کے دانت کھٹے کیے......

کسی نے مسندِ درس کو رونق بخشی ......

کسی نے منبر ومحراب سے نبی کریم ﷺ کی جانشینی کا حق ادا کیا......

کسی نے میدانِ سیاست کا شہسوار ہونے کا ثبوت دیا اور کسی نے قلم اور قرطاس کو دعوت واصلاح کا ذریعہ بنایا......

بلاخوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ اتنی بڑی اور اتنی زیادہ روحانی شخصیات اسلام کے سوا کسی دوسرے مذہب کو حاصل نہیں ہوئیں، یہ وہ شخصیات تھیں جنہوں نے اپنی ساری زندگی دعوتِ دین کے لیے وقف کر رکھی تھی، ان کی فکر وسعی دیکھ کر لگتا تھا کہ وہ دنیا میں آئے ہی

دعوت کے لیے ہیں، بشری تقاضوں کے لیے وہ بقدرِ ضرورت ہی وقت نکالتے تھے ورنہ ان کا جینا اور مرنا صرف دین کے لیے تھا اور حقیقت میں ایسے ہی صاحبِ ایثار لوگ تھے جن کی قربانیوں اور کوششوں کی بدولت اسلام کی روشنی بڑی تیزی کے ساتھ مشرق سے مغرب تک پھیل گئی۔

گمنام لوگ:

اسلام کے ان گمنام سپاہیوں میں ایسے بے شمار لوگ ہیں جن کے ناموں سے بھی کوئی واقف نہیں مگر کفر کی تاریکی میں ڈوبے ہوئے کئی علاقے ایسے ہیں جہاں ان گمنام سپاہیوں نے اپنے لہو سے حق وصداقت کے چراغ جلائے، روپے، پیسے اور مادی اسباب اور آسائشوں ہی کو سب کچھ سمجھنے والے جب ان کے کارناموں کو دیکھتے ہیں تو ان کی عقلیں ماؤف ہو کر رہ جاتی ہیں، یا رب! وہ کس مٹی سے بنے ہوئے لوگ تھے جنہیں اپنے مال و جان، اہل وعیال اور سکھ چین سے زیادہ اللہ کا نام بلند کرنے اور اللہ کا گھر آباد کرنے کی فکر رہتی تھی، میں آپ کا زیادہ وقت نہیں لینا چاہتا صرف ایک واقعہ سناتا ہوں جس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ جن کے دل میں سچی تڑپ اور لگن ہوتی ہے وہ کیسے کیسے مشکل اور ناموافق حالات میں بھی کیا کچھ کر سکتے ہیں یہ واقعہ حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے اپنی کتاب ''دنیا میرے آگے'' میں لکھا ہے، فرماتے ہیں:

''جنوبی افریقہ میں اسلام اور مسلمانوں کے داخلے کی داستان بھی بڑی پراثر ہے اور اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے اسلاف نے ہر خطے میں اسلام کی اشاعت اور تحفظ وبقا کے لیے کیسی عظیم قربانیاں دی ہیں۔

جیسا کہ پہلے عرض کر چکا ہوں، جنوبی افریقہ کی اصل آبادی سیاہ فام قبائل پر مشتمل تھی، سترہویں صدی عیسوی میں ہالینڈ کی ڈچ قوم نے ایک طرف تو جنوبی افریقہ پر اپنا تسلط جمایا، اور دوسری طرف اسی زمانے میں ملایا اور اس کے قرب وجوار کے جزیروں کو بھی اپنے استعمار کے شکنجے میں کس لیا، ملایا اور اس کے قریبی جزیروں میں مسلمانوں کی اکثریت تھی اور وہاں بار بار مسلمانوں کی طرف سے جہادِ آزادی کی تحریکیں اٹھتی رہتی تھیں، ان تحریکوں کو ڈچ قوم نے ہمیشہ اپنی عادت کے مطابق جبر وتشدد کے ذریعے دبایا اور وہاں کے بہت سے مسلمان مجاہدین کو گرفتار کر کے غلام بنالیا۔ غلام بنانے کے باوجود ڈچ حکمرانوں کو یہ خطرہ تھا کہ یہ لوگ کسی بھی وقت بغاوت پر آمادہ ہو سکتے ہیں اس لیے ڈچ حکومت نے ان کو جلا وطن کر کے کیپ ٹاؤن بھیج دیا، تا کہ اپنے وطن سے ہزاروں میل دور رہ کر یہ لوگ بالکل بے دست و پا ہو جائیں، چنانچہ ملایا اور اس کے آس پاس کے تقریباً تین سو مجاہدین غلام بنا کر پابہ زنجیر کیپ ٹاؤن لائے گئے۔

کیپ ٹاؤن میں ملایا کے ان مسلمانوں سے بڑی پر مشقت خدمتیں لی جاتیں اور چونکہ ڈچ حکمرانوں کو اس بات کا احساس تھا کہ ان کا جذبۂ حریت دراصل ان کے سینے میں جلنے والی مشعلِ ایمان کا مرہونِ منت ہے، اس لیے انہیں اپنے دین سے منحرف کرنے اور ان کی نسلوں کو ایمان کے نور سے محروم کرنے کی ہر ممکن کوشش کی گئی، نماز پڑھنا تو کجا ان ڈچ آقاؤں کی طرف سے انہیں کلمہ پڑھنے کی بھی اجازت نہیں تھی، ان بے بس مسلمانوں سے دن بھر سخت مشقت لی جاتی اور اگر کوئی شخص نماز پڑھتے یا کسی اور عبادت میں مشغول ہونے کی جسارت کرتا تو اسے سخت سزا دی جاتی تھی۔

لیکن اس جبر وتشدد کے ذریعے ان غریب الوطن اور بے آسرا مسلمانوں کے دل سے ایمان کی شمع بجھائی نہ جاسکی، ظلم واستبداد کی چکی میں پسنے کے باوجود انہوں نے اپنے دین کو سینے سے لگائے رکھا اور شدید مجبوری کی اس حالت میں بھی انہوں نے نماز تک کو نہیں چھوڑا، دن بھر محنت و مشقت کے کام کرنے کے بعد یہ اولوالعزم مجاہدین جب رات کو اپنی قیام گاہوں پر پہنچتے تو تھکن سے نڈھال ہونے کے باوجود اپنے نگرانوں کے سونے کا انتظار کرتے رہتے اور جب وہ سو جاتے تو رات کی تاریکی میں چھپ چھپ کر اپنی قیام گاہوں سے نکلتے اور ایک پہاڑی پر چڑھ کر وہاں دن بھر کی نمازیں ایک ساتھ ادا کرتے تھے، آج کیپ ٹاؤن کا ہر مسلمان باشندہ وہ جگہ جانتا ہے جہاں یہ مغلوب ومقہور مسلمان رات کے سناٹے میں اپنے مالک کے حضور سربسجود ہوتے تھے، میں نے بھی یہ جگہ دیکھی ہے، یہ قدیم شہر سے خاصے فاصلے پر ایک پہاڑی ہے، جس کے درمیان ایک کشادہ جگہ کو انہوں نے محفوظ سمجھ کر اپنے پروردگار کے سامنے سجدۂ نیاز گذارنے کے لیے منتخب کیا تھا، دن بھر شدید محنت کی تھکن سے چوران مسلمانوں کا روزانہ یہاں آکر نماز پڑھنا ایک ایسا مجاہدہ ہے جس کا تصور ہی آنکھوں کو پرنم کر دیتا ہے اور یہاں کی فضا میں ان خدامست مجاہدین کے ذکر وتکبیر کی مہک آج بھی محسوس ہوئے بغیر نہیں رہتی۔

تقریباً اسی سال، اللہ کے یہ بندے غلامی کی زنجیروں میں اسی طرح جکڑے رہے، اس پورے عرصے میں انہیں مسجد بنانا تو کجا، انفرادی طور پر نماز پڑھنے کی بھی اجازت نہیں تھی، بالآخر ایک مرحلہ ایسا آیا کہ برطانیہ کے گوروں نے کیپ ٹاؤن پر حملہ کر کے یہ علاقہ ڈچ قوم سے چھیننا چاہا اور وہ ایک زبردست فوج لے کر راس امید کے ساحل تک پہنچ گئے،

گویا چور کے گھر چکار آ گیا، اب ڈچ حکمرانوں کو ان انگریزوں کا مقابلہ کرنے کے لیے ایسے جانباز سپاہیوں کی ضرورت تھی جو اپنی جان پر کھیل کر ان کا راستہ روک سکیں اور جان کی قربانی دینے کے لیے ان غریب الوطن مسلمانوں سے زیادہ موزوں کوئی اور نہیں ہو سکتا تھا، چنانچہ ڈچ حکومت نے ان مجبور و مقہور مسلمانوں سے مطالبہ کیا کہ وہ اس جنگ میں ڈچ حکومت کا نہ صرف ساتھ دیں، بلکہ انگریزوں کے مقابلے میں اس کے ہراول دستے کا کردار ادا کریں۔

اس مرحلے پر ان مسلمانوں کو پہلی بار موقع ملا کہ وہ ڈچ حکومت سے کوئی مراعات حاصل کر سکیں، لیکن اس موقع سے فائدہ اٹھانے کے لیے انہوں نے نہ کسی روپے پیسے کا مطالبہ کیا، نہ اپنے لیے کوئی اور راحت طلب کی، اس کے بجائے انہوں نے ڈچ آقاؤں سے کہا کہ اگرچہ ہمارے لیے انگریزوں اور ڈچ حکمرانوں کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے، لیکن ہم آپ کی خاطر انگریزوں سے مقابلہ کرنے کے لیے اپنی جانوں کا نذرانہ ایک صورت میں پیش کر سکتے ہیں اور وہ یہ کہ اس جنگ کے اختتام پر ہمیں کیپ ٹاؤن میں ایک مسجد تعمیر کرنے اور اس میں باجماعت نماز ادا کرنے کی اجازت دی جائے، ڈچ حکمرانوں نے یہ شرط منظور کر لی اور اس طرح بیسیوں مسلمانوں نے اپنی جان دے کر یہاں ایک مسجد بنانے کی اجازت حاصل کر لی، یہ جنوبی افریقہ میں پہلی مسجد تھی جو ان مجبور و مقہور ملائی مسلمانوں نے تعمیر کی۔

غیبی تائید:

اسلام کے ذاتی محاسن، مبلغین اور عام مسلمانوں کی مساعی کے علاوہ اشاعتِ اسلام کا

تیسرا سبب اللہ تعالیٰ کی غیبی تائید بھی ہے، ویسے تو مجاہدین کی کامیابیاں اور داعیانِ اسلام کی زبانوں میں تاثیر بھی اللہ تعالیٰ کی مدد اور توفیق ہی کے نتیجے میں تھی بلکہ میں تو یہ بھی کہوں گا کہ جن مسلمانوں کے دلوں میں دعوت کا ایسا جوش پایا جاتا ہے کہ وہ اس پر سب کچھ قربان کرنے کے لیے آمادہ ہو جاتے ہیں تو یہ جوش اور ولولہ بھی اللہ تعالیٰ ہی پیدا کرتا ہے لیکن یہاں غیبی تائید سے میرا مطلب یہ ہے کہ بعض اوقات ایسے حیرت انگیز واقعات اور کرامتیں ظاہر ہوئیں کہ غیر مسلم، سر تسلیم خم کرنے پر مجبور ہو گئے، اس قسم کے واقعات تاریخ کی کتابوں میں بے شمار ہیں مگر ایک خرابی تو ان میں یہ ہے کہ بہت سارے مؤرخین اور مصنفین کا سارا زور ہی کرامتوں کے بیان کرنے پر ہوتا ہے، ان کے نزدیک کسی کی بزرگی اور عظمت جانچنے کے لیے عملی اور اخلاقی زندگی سے زیادہ کرامتیں اور خارق العادت واقعات زیادہ اہمیت رکھتے ہیں چنانچہ وہ قوی اور ضعیف، صحیح اور غلط، دیدہ اور شنیدہ ہر قسم کی حکایات بیان کرتے چلے جاتے ہیں۔

دوسری خرابی ان میں یہ ہے کہ بعض سننے والے عملی جدوجہد کو چھوڑ کر کرامتوں کے انتظار میں ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جاتے ہیں، آسمان کی طرف دیکھتے رہتے ہیں کہ کوئی انہونا واقعہ پیش آجائے جس سے ہمیں فتح حاصل ہو جائے اور اسلام کو غلبہ نصیب ہو جائے جبکہ آسمان والا ان کی طرف دیکھتا ہے کہ وہ میرے حکم کی تعمیل میں ہاتھ پاؤں ہلائیں تو میں ان کی مدد کروں جیسا کہ آپ شیخ رشید الدین رحمہ اللہ کے بارے میں سن چکے ہیں کہ وہ اپنے وطن سے نکلے، سفر کیا، جان جوکھوں میں ڈال کر تو قلق خان کو دعوت دی، ایک کج دماغ نے کشتی میں جیتنے کی شرط لگائی تو اللہ کا نام لے کر اکھاڑے میں اتر آئے، خلاف توقع میدان

مار لیا اور ہزاروں نے یہ زندہ کرامت دیکھ کر ایمان قبول کر لیا۔

ان دو خرابیوں کی بناء پر میں آپ کو زیادہ نہیں صرف ایک واقعہ سناتا ہوں اور یہ واقعہ میں آپ کو حضرت مولانا محمد تقی عثمانی زید مجدہم کی کتاب ''جہانِ دیدہ'' کے حوالے سے سنا رہا ہوں، انہوں نے حضرت عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

آپ ''صحابی تو نہ تھے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے ایک سال قبل پیدا ہوئے تھے مصر کی فتوحات میں یہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہے، بعد میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد حکومت میں انہیں شمالی افریقہ کے باقی ماندہ حصے کی فتح کی مہم سونپ دی تھی، یہ اپنے دس ہزار ساتھیوں کے ساتھ مصر سے نکل کر دادِ شجاعت دیتے ہوئے تیونس پہنچ گئے اور یہاں قیروان کا مشہور شہر بسایا جس کا واقعہ یہ ہے کہ جس جگہ آج قیروان آباد ہے وہاں بہت گھنا جنگل تھا جو درندوں سے بھرا ہوا تھا۔

حضرت عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ نے بربریوں کے شہروں میں رہنے کی بجائے مسلمانوں کے لیے الگ شہر بسانے کے لیے یہ جگہ منتخب کی، تاکہ یہاں مسلمان مکمل اعتماد کے ساتھ اپنی قوت بڑھا سکیں، ان کے ساتھیوں نے کہا کہ یہ جنگل تو درندوں اور حشرات الارض سے بھرا ہوا ہے، لیکن حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک شہر بسانے کے لیے اس سے بہتر کوئی جگہ نہ تھی، اس لیے انہوں نے اپنا فیصلہ تبدیل نہیں کیا اور لشکر میں جتنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے ان کو جمع کیا، یہ کل اٹھارہ صحابہ رضی اللہ عنہم تھے، ان کے ساتھ مل کر حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ نے دعا کی اور اس کے بعد یہ آواز لگائی:

ایتھا اسباع والحشرات نحن اصحاب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ

وسلم ارحلوا عنا فانا نازلون فمن وجدناه بعد قتلناه.

''اے درندو اور کیڑو! ہم رسول اللہ ﷺ کے اصحاب ہیں، ہم یہاں بسنا چاہتے ہیں، لہٰذا تم یہاں سے کوچ کر جاؤ، اس کے بعد تم میں سے جو کوئی یہاں نظر آئے گا ہم اسے قتل کر دیں گے۔''

اس اعلان کا نتیجہ کیا ہوا؟ امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

فلم یبق منها شیء الا خرج هاربا حتی ان السباع تحمل اولادها.

''ان جانوروں میں سے کوئی نہیں بچا جو بھاگ نہ گیا ہو، یہاں تک کہ درندے اپنے بچوں کو اٹھالے جا رہے تھے۔''

اور مشہور مورخ اور جغرافیہ دان علامہ زکریا بن محمد قزوینی رحمہ اللہ (متوفیٰ ۶۸۲ھ) لکھتے ہیں:

فرأى الناس ذلك اليوم لم يروه قبل ذلك، وكان السبع يحمل أشباله، والذئب أجراءه، والحية اولادها، وهي خارجة سربا سربا، فحمل ذلك كثيرا من البربر على الاسلام.

''اس روز لوگوں نے ایسا عجیب نظارہ دیکھا جو پہلے کبھی نہ دیکھا تھا، کہ درندہ اپنے بچوں کو اٹھائے لے جا رہا ہے، بھیڑیا اپنے بچوں کو اور سانپ اپنے بچوں کو، یہ سب ٹولیوں کی شکل میں نکلے جا رہے تھے، یہ منظر دیکھ کر بہت سے بربری مسلمان ہو گئے۔''

اگر تلوار استعمال ہوتی؟

الحمد للہ! میں نے قرآن کریم، احادیث نبویہ اور تاریخ کی روشنی میں ثابت کر دیا ہے کہ

اسلام تلوار کے زور سے نہیں پھیلا، بلکہ اپنی ذاتی خوبیوں، مبلغین کی کوششوں اور مسلمانوں کے کردار و عمل سے پھیلا ہے، آخر میں میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اسپین میں مسلمانوں نے پوری شان و شوکت کے ساتھ آٹھ سو سال حکومت کی، لیکن انہوں نے کسی عیسائی کا نظریہ تبدیل کرنے کے لیے تلوار استعمال نہیں کی اگر وہ ایسا کرتے تو ان کے خلاف سازشیں کرنے کے لیے کوئی بھی عیسائی زندہ نہ رہتا اس کے برعکس جب عیسائیوں نے اسپین پر قبضہ کیا تو انہوں نے مسلمانوں کو مرتد کرنے کے لیے تلوار بھی استعمال کی، زندہ بھی جلایا اور ان پر ایسا تشدد کیا کہ ایک صدی گزرتے پر پورے اسپین میں کوئی ایک مسلمان بھی زندہ نہ رہا۔

عالم عرب پر مسلمانوں کی حکومت کم و بیش چودہ سو سال سے چلی آرہی ہے لیکن اس کے باوجود وہاں ایک کروڑ چالیس لاکھ عرب اب بھی مسیحی مذہب پر قائم ہیں، اور یہ قبطی عیسائی ہیں یعنی نسل در نسل عیسائی مذہب کے پیروکار ہیں، اگر اسلام نے تلوار استعمال کرنے کی اجازت دی ہوتی تو یہاں ایک عیسائی کا بھی وجود نہ ہوتا۔

ہندوستان پر مسلمانوں کی حکومت ایک ہزار سال سے بھی زیادہ عرصے تک رہی ہے، اگر وہ طاقت کا استعمال کرتے تو یہاں کے سارے نہیں تو کم از کم زیادہ باشندے یقیناً اسلام پر ہوتے جبکہ ہندوستان میں مسلمان اقلیت میں اور غیر مسلم اکثریت میں ہیں اور اکثریت بھی ایسی کہ ۸۰ فیصد آبادی ان کی ہے۔

میں آپ کو امریکی ماہنامہ ایڈوز ڈائجسٹ کے حوالے سے بتا چکا ہوں کہ ۱۹۳۴ء سے ۱۹۸۴ء کے درمیان کے پچاس سال میں تمام مذاہب کے مقابلے میں اسلام تیزی

سے پھیلا اور اس دوران اس کے ماننے والوں میں ۲۳۵ فیصد اضافہ ہوا جب کہ مسیحیت کے ماننے والوں میں صرف ۴۷ فیصد اضافہ ہوا حالانکہ ان پچاس سالوں میں تلوار عیسائیوں کے ہاتھ میں رہی، مسلمانوں کی تلوار تو عرصہ ہوا کند ہو چکی ہے، اگر تلوار سے مذہب کا پھیلاؤ ممکن ہوتا تو اس نصف صدی میں مسیحیت کی اشاعت زیادہ ہونی چاہیے تھی پھر یورپ اور امریکہ میں آج جو اسلام تیزی سے پھیل رہا ہے تو کونسی تلوار ہے جو ایٹمی طاقتوں کے شہریوں کو کمزور مسلمانوں کا مذہب قبول کرنے پر مجبور کر رہی ہے، میں نے گزشتہ دنوں ایک مضمون لکھا تھا جس کا عنوان تھا ''مسلمانوں کے فاتح اسلام کے مفتوح'' یعنی یہ معاملہ بڑا حیرت انگیز ہے کہ وہ قومیں جو مسلمانوں کے بادشاہوں ان کی حکومتوں اور مملکتوں کو فتح کر رہی ہیں، اسلام ان کو فتح کر رہا ہے حالانکہ عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ جو قوم سیاست، عسکریت اور معیشت پر غالب ہوتی ہے لوگ اس کا مذہب قبول کرتے ہیں لیکن اقوام عالم یہ ناقابل یقین منظر دیکھ رہی ہیں کہ اس قوم کا مذہب قبول کیا جا رہا ہے جو فوجی اور سیاسی میدان میں بظاہر شکست پر شکست کھا رہی ہے۔

پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے:

مخالفانہ اور معاندانہ پروپیگنڈا اور مسلمانوں کی مغلوبیت کے باوجود لوگ کیسے حلقۂ اسلام میں داخل ہوتے ہیں میں اس سلسلے میں آپ کو ایک انتہائی دلچسپ اور عبرت آموز واقعہ سناتا ہوں، ابھی کچھ دیر پہلے میں آپ کے سامنے اسپین کا ذکر کر رہا تھا، اسپین کے ایک نومسلم کا واقعہ فیصل مسجد اسلام آباد کے خطیب نے بیان کیا ہے، فرماتے ہیں کہ میں ان سے ملا ہوں وہ اسلام کے بہت پر جوش مبلغ ہیں ان کے اثر و رسوخ سے تقریباً بیس بائیس ہزار

اسپینی اسلام قبول کر چکے ہیں، ان کا اسلام سے واسطہ اس طرح پڑا کہ ان سے اسپینی حکومت نے کہا کہ ۱۴۹۰ھ میں اسپین میں مسلمانوں کا زوال ہوا تھا اس لیے ۱۹۹۲ء میں مسلمانوں کے زوال کا پانچ سو سالہ جشن منایا جائے اور اس بات کی خوشی منانے کا اہتمام کیا جائے کہ مسلمان یہاں سے پانچ سو سال قبل نکالے گئے تھے، ان صاحب سے کہا گیا کہ اس سلسلے میں آپ ایک کتاب مرتب کریں جس میں اس دور کے مسلمانوں کے مظالم اور ناانصافیوں کا تذکرہ ہو، جب انہوں نے مطالعہ شروع کیا تو انہیں محسوس ہوا کہ عربی زبان سیکھے بغیر یہ کام ہو نہیں سکتا، چنانچہ انہوں نے عربی زبان سیکھ لی اور مسلمانوں کی تاریخ پر کام کرنا شروع کر دیا، اس کام کے دوران وہ اپنے ذاتی مطالعہ سے اس نتیجے پر پہنچے کہ اسپین کی تاریخ کا سنہری اور زریں دور وہ تھا جب مسلمان یہاں حاکم تھے، علوم وفنون کا چرچا ہوا، ادارے بنے، بہترین عمارتیں تعمیر ہوئیں، مفید کتابیں لکھی گئیں، نہ مسلمانوں سے پہلے اس قدر کام ہوا تھا اور نہ مسلمانوں کے بعد ہوا، یوں انہیں اسلام سے دلچسپی پیدا ہوگئی، مسلمانوں کے کارنامے جاننے کا موقع ملا اور اسلام پر اعتماد پیدا ہونا شروع ہوا، اب انہوں نے قرآن پاک کا مطالعہ شروع کیا پھر حدیث کا مطالعہ کیا اور بالآخر اسلام قبول کر لیا، اپنا سابقہ منصوبہ ادھورا چھوڑ کر اسلام کی تبلیغ میں لگ گئے، انہوں نے اپنا نام عبدالرحمٰن رکھا، پورا نام عبدالرحمٰن مدینہ مولیرا ہے۔

جیسے مولیرا نے اسلام کا گہری نظر سے مطالعہ کیا تو وہ عبدالرحمٰن مدینہ بن گیا، یونہی جو غیر مسلم سچائی کی تلاش میں نکلے گا اور پھر گہری نظر سے اسلام کا مطالعہ کرے گا وہ مدینے والے کا غلام بن کر رہے گا، ہم مسلمانوں پر لازم ہے کہ ہم خود بھی ایسے مسلمان بن جائیں

کہ ہمارے کردار اور اخلاق کو دیکھ کر حق اور سچ کے متلاشی اسلام کی طرف آئیں اور اس کے علاوہ ہم پوری دنیا میں اسلام کی دعوت کو عام کردیں۔

میں پوری بصیرت اور ذمہ داری کے ساتھ قسم کھا کر کہتا ہوں کہ قرآن کریم کی صورت میں جیسی عظیم، بے مثال، محفوظ، جامع، پرتاثیر اور سراپا ہدایت کتاب ہمارے پاس ہے کسی قوم اور کسی مذہب کے پاس نہیں ہے۔

اسلام کی صورت میں عقائد، عبادات، معاملات اور اخلاق غرضیکہ سارے ہی شعبوں کے بارے میں مفصل ہدایات دینے والا جیسا دین مسلمانوں کے پاس ہے دنیا میں کسی کے پاس بھی نہیں ہے۔

نبی کریم ﷺ کی حدیثوں اور سنتوں کی صورت میں جیسا محفوظ ذخیرہ اہل اسلام کے پاس ہے کسی نبی کے ماننے والوں کے پاس نہیں ہے، یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ یہودی اور عیسائی تورات اور انجیل کے ہر حصے کی سند اپنے نبی تک ثابت نہیں کرسکتے جبکہ مسلمان اپنے نبی کے اعمال، اقوال اور احوال سند سے ثابت کرسکتے ہیں میرے جیسا کم علم اور گناہ گار بتا سکتا ہے کہ مثال کے طور پر " إنما الأعمال بالنيات الخ " والی حدیث جو اس تک پہنچی ہے تو اس کے درمیان اور نبی کریم ﷺ کے درمیان کتنے واسطے اور کتنے اساتذہ ہیں،

ان کا نام ونسب کیا تھا......؟

ان کی سیرت اور کردار کیسا تھا......؟

وہ کس پائے کے لوگ تھے......؟

اسی طرح یہ بھی بتا سکتا ہے کہ ہمارے آقا ﷺ کا چہرہ کیسا تھا......؟

رخسار کیسے تھے......؟

لب کیسے تھے......؟

ہتھیلیاں کیسی تھیں......؟

ناک کیسی تھی......؟

پیشانی کیسی تھی......؟

ٹھوڑی کیسی تھی......؟

آنکھیں کیسی تھیں......؟

پاؤں اور پاؤں کے تلوے کیسے تھے......؟

ایڑیاں اور پنڈلیاں کیسی تھیں ......؟

آپ مسکراتے کیسے تھے......؟

چلتے کیسے تھے......؟

بیٹھتے کیسے تھے......؟

کھاتے اور پیتے کیسے تھے......؟

سوتے کیسے تھے......؟

سرمہ کونسا استعمال فرماتے تھے......؟

لباس کیسا زیب تن فرماتے تھے......؟

نعلین کیسے تھے......؟

جس اونٹنی پر سوار ہوئے اس کا نام کیا تھا......؟

جس خچر اور گدھے کو مرکب بننے کا شرف حاصل ہوا اس کا نام کیا تھا......؟

تلواروں کے نام کیا تھے......؟

خطبہ کیسے ارشاد فرماتے تھے......؟

امامت وقضا کی ذمہ داری کیسے نبھاتے تھے......؟

بدر میں گئے تو کہاں تشریف فرما ہوئے......؟

احد میں گئے تو صفوں کو کیسے ترتیب دیا......؟

طائف میں آپ پر کیا گزری......؟

حدیبیہ میں صلح کے مراحل کیسے طے ہوئے......؟

خندق کی کھدائی کے وقت آپ کیا کر رہے تھے......؟

حنین میں جب میدان خالی ہو گیا تو آپ کہاں تھے......؟

فتح مکہ کے موقع پر آپ کے لبوں پر کیا بول تھے......؟

ازواجِ مطہرات کے ساتھ آپ کا برتاؤ کیا تھا......؟

یتیموں اور بیواؤں کی خبر گیری کیسے فرماتے تھے......؟

دشمنوں کے ساتھ کیسا سلوک فرماتے تھے......؟

غرضیکہ زندگی کیسے گزاری اور شامِ زندگی کا سامنا آپ نے کیسے کیا......؟

ہر چیز، ہر کیفیت، ہر مرحلہ اور ہر بات پوری طرح روشن ہو کر ہمارے سامنے موجود ہے لیکن دوسرے انبیاء کا معاملہ ایسا نہیں ہے، ان کی زندگی کے بعض پہلو ایسے ہیں کہ ان پر

تاریکی کے پردے پڑے ہوئے ہیں میں اسے ان کا عیب نہیں کہتا، اصل میں وہ ایک محدود قوم اور وقت کے لیے نبی تھے اس لیے ان کی سیرت کی دائمی حفاظت کا انتظام نہیں کیا گیا جبکہ ہمارے آقا ﷺ کی نبوت سارے انسانوں، سارے زمانوں اور سارے مکانوں کے لیے تھی اس لیے اس کی حفاظت کا رب تعالیٰ نے خود انتظام فرمایا اور اپنے بندوں کے دل میں اس کا داعیہ پیدا فرمایا جس کی وجہ سے ہزاروں لاکھوں بندگانِ خدا نے حضرت خاتم النبیین ﷺ کے اقوال، احوال اور اعمال محفوظ کرنے کے لیے اپنی زندگیاں وقف کر دیں۔

میرے بھائیو اور بہنو! کائنات کے رب کا جہاں ہم پر بہت بڑا انعام و احسان ہے کہ اس نے ہمیں بے مثال کتاب، عظیم ترین نبی اور اپنا پسندیدہ دین عطا فرمایا، وہیں ہم پر یہ بھاری ذمہ داری بھی عائد ہوتی ہے کہ ہم روحانی اعتبار سے پیاسی دنیا کو سیراب ہونے کے مواقع فراہم کریں، اللہ کی کتاب ان تک پہنچائیں، رسول کریم ﷺ کے حقیقی مقام اور مرتبہ سے انہیں آگاہ کریں اور دین اسلام کی اتباع میں اللہ نے جو سکون اور دین و دنیا کے منافع رکھے ہیں ان کے بارے میں انہیں بتائیں، ذرا سی ہمت کریں اللہ کی دی ہوئی صلاحیتیں اور اموال دعوتِ اسلام میں لگائیں ایسا کرنے سے ہماری زندگی اور تجارت میں برکت ہوگی اور خود ہمارے لیے اور ہماری نسلوں کے لیے دین پر چلنا آسان ہو جائے گا، دین اسلام کو تو پھیلنا ہی ہے بس یہ کہ اس کی اشاعت میں ہمارا نام بھی شامل ہو جائے گا، سوچیے یہ کتنی بڑی خوش نصیبی ہے کہ جس فہرست میں انبیاء، اولیاء، علماء اور شہداء کا نام ہوگا اس فہرست کے کسی گوشے میں ہمارا نام بھی آجائے گا۔

وآخر دعوانا أن الحمد للّٰہ رب العلمین

سنت اور سائنس

الحمدللّٰہ وحدہ والصلوۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ، أما بعد !

فأعوذ باللّٰہ من الشیطن الرجیم

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

﴿قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ صدق اللّٰہ العظیم

عن أبي هريرة رضي اللّٰہ عنه أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم قال " كل امتي يدخلون الجنة إلا من ابى " قالوا: يا رسول اللّٰہ! ومن يابى ؟ قال: "من أطاعني دخل الجنة ومن عصاني فقد ابى."

(صحیح بخاری : ۶۱۱۶)

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! اخبار کے ذریعے آپ کے علم میں آ چکا ہے کہ آج کے ''درسِ حدیث'' کا موضوع ہے''سنت اور سائنس''

اس موضوع کے حوالے سے گفتگو کرنے سے پہلے میں سنت کے بارے میں چند بنیادی باتیں بتانا ضروری سمجھتا ہوں۔

پہلی بات آپ یہ جان لیں کہ سنت کا ایک معنی تو وہ ہے جس معنی میں فقہاء اسے استعمال کرتے ہیں، وہ کسی چیز کو فرض، کسی کو واجب کسی کو سنت اور کسی کو مستحب کہتے ہیں، گویا شریعت کے مسائل واحکام کے مختلف درجات ہیں، ہر مسئلہ ایسا فرض اور لازم بھی نہیں کہ

اس کے انکار سے بندہ کافر اور اس کے ترک کرنے سے فاسق اور گناہگار ہو جائے اور یہ بھی نہیں کہ ہر چیز میں اسے اختیار دے دیا جائے کہ دل چاہے تو کرلے اور دل نہ چاہے تو نہ کرے۔

سنت کا دوسرا معنی ہے وہ طریقہ جس کے مطابق نبی کریم ﷺ نے زندگی گزاری، پھر بعض طریقے تو ایسے ہیں کہ آپ نے امت کو بھی ان کے مطابق زندگی گزارنے کی دعوت دی اور بعض ایسے ہیں کہ آپ نے دعوت تو نہیں دی لیکن جو سچی محبت رکھنے والے ہیں وہ ان کی بھی اتباع کرتے ہیں، آپ کو تاریخ اسلام میں بھی اور آج کے گئے گزرے دور میں بھی ایسے عاشق مل جائیں گے جو وہی غذا پسند کرتے ہیں جو حضور کو پسند تھی،

وہ ہی مشروب پسند کرتے ہیں جو آقا کو پسند تھا......

اسی طرح کے برتن پسند کرتے ہیں جو آقا کو پسند تھے......

وہ جب حدیث کی کتابوں میں دیکھتے ہیں کہ آقا بالوں میں یوں مانگ نکالتے تھے تو وہ بھی ویسی ہی مانگ نکالتے ہیں......

انہیں جب پتہ چلتا ہے کہ آقا کو جو کی روٹی پسند تھی تو وہ بھی اسے پسند کرنے لگتے ہیں......

ان کے علم میں جب آتا ہے کہ آقا شہد نوش فرماتے تھے تو وہ بھی شہد کا استعمال شروع کر دیتے ہیں......

وہ جب سنتے ہیں کہ آقا نے زیتون کی بڑی تعریف فرمائی ہے تو انہیں زیتون اچھا لگنے لگتا ہے......

انہیں جب بتایا جاتا ہے کہ آقا کدو اور گوشت پسند فرماتے تھے تو ان کی نظر میں یہ دونوں مرغوب ہوجاتے ہیں.....

حالانکہ یہ ایسی چیزیں ہیں کہ ان میں اتباع کرنا لازم نہیں اور نہ ہی ان کی دعوت دی گئی ہے، اصل بات وہ ہے جو کسی شاعر نے کہی ہے کہ ۔

محبت خود آداب محبت سکھا دیتی ہے

جب کسی سے محبت ہوتی ہے تو اس کی ہرادا سے محبت ہوجاتی ہے، یہ سکھانا نہیں پڑتا کہ محبت کے آداب یہ ہیں اور اس کے لیے فلاں فلاں جتن کرنا پڑتے ہیں بلکہ یہ چیزیں خود بخود معلوم ہوجاتی ہیں۔

بتایہ رہا تھا کہ سنت کے دو معنی ہیں ایک تو یہ کہ جو فرض اور واجب نہ ہو وہ سنت ہے اور دوسرا معنی اس کا ہے طریقہ ..... تو ہم جو بات کر رہے ہیں تو اس میں سنت کا دوسرا معنی مراد ہے یعنی وہ طریقہ جس کے مطابق آپ نے زندگی گزاری دوسروں کو اس کی دعوت دی اور صحابہ ﷺ نے اس پر عمل کیا۔

سنت کی پھر تین قسمیں ہیں:

۱- سنتِ قولی: یعنی آپ ﷺ کے ارشادات

۲- سنتِ فعلی: صحابہ ﷺ نے ہمیں بتایا کہ حضورِ اکرم ﷺ نے فلاں موقع پر یہ عمل کیا تھا۔

۳- سنتِ تقریری: آپ ﷺ کی موجودگی میں کوئی کام کیا گیا مگر آپ نے اس سے منع نہیں فرمایا، آپ کا کسی کام کو ہوتے ہوئے دیکھ کر خاموشی اختیار فرمانا اس بات کی دلیل ہے

کہ وہ کام جائز ہے ورنہ یہ ناممکن تھا کہ آپ کسی ناجائز کام کا ارتکاب دیکھ کر خاموشی اختیار فرما لیتے۔

خاموشی بھی شریعت:

ایسے لوگ تو بہت ہیں جن کی خاموشی کو بھی بیان سمجھا جاتا ہے اسی لیے شاعر نے کہا ہے

خاموشی گفتگو ہے اور بے زبانی ہے زبان میری

لیکن اصل کمال تو میرے آقا ﷺ کا ہے جن کی گویائی بھی شریعت ہے اور جن کی خاموشی بھی شریعت ہے، اسی کو سنت تقریری کہتے ہیں اور شریعت کے بے شمار مسائل ہیں جو سنت تقریری سے ثابت ہیں۔

یہ تو آپ جانتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی بعثت سے قبل عربوں میں خرید و فروخت، امانت، اجارہ، عاریت اور ہبہ وغیرہ کی مختلف صورتیں رائج تھیں، ان میں سے جن صورتوں کے بارے میں ہمارے آقا ﷺ نے خاموشی اختیار فرمائی اور جو کچھ ہو رہا تھا اسے ہونے دیا اور منع نہیں کیا تو ہم کہیں گے وہ صورتیں اسلام میں بھی جائز ہیں، ہم صرف اس لیے انہیں غلط نہیں کہہ سکتے کہ ایسا تو زمانہ جاہلیت میں بھی ہوتا تھا، اگر ہم زمانہ جاہلیت کی ہر بات کو غلط کہنے لگیں تو پھر تو کھانے، پینے، سونے، جاگنے اور خریدنے، بیچنے کو بھی ناجائز کہنا پڑے گا اس لیے کہ یہ سب کچھ دورِ جاہلیت میں بھی ہوتا رہا ہے۔

بیع، شراء اور کاروبار کی جو مختلف صورتیں ہیں ان میں سے ایک مضاربہ اور مشارکہ بھی ہے، آج اسلامی بینکاری کے لیے جو مختلف کوششیں ہو رہی ہیں تو ان سب کی بنیاد مضاربہ اور مشارکہ پر ہے، اگر آپ قرآن سے مضاربت کو ثابت کرنا چاہیں تو شاید ثابت نہ کر سکیں،

اسی طرح سنتِ قولی سے بھی ثابت کرنا مشکل ہوگا، البتہ سنتِ تقریری سے آپ اسے ثابت کر سکتے ہیں، کیونکہ طلوعِ اسلام سے پہلے ہی عربوں میں مضاربت اور مشارکت کا رواج تھا، ان کے تجارتی قافلے یمن، شام اور دوسرے ملکوں میں جایا کرتے تھے اور ان قافلوں کی حیثیت لمیٹڈ کمپنیوں کی ہوتی تھی جن میں کسی ایک فرد کا نہیں بلکہ بہت سارے لوگوں کا پیسہ لگا ہوتا تھا اور اخراجات کو نکال کر طے شدہ شرائط کے مطابق سب میں نفع تقسیم کیا جاتا تھا۔

آپ جانتے ہیں جب ابوسفیان کا قافلہ شام سے مکہ واپس آ رہا تھا اور مسلمانوں نے اس پر حملہ کرنا چاہا تھا تو سارے مکہ والے حملے کی خبر سن کر باہر نکل آئے تھے، ان کا نکلنا صرف اسلام اور مسلم دشمنی کی وجہ سے نہیں تھا نہ ہی اپنے مشرکانہ مذہب کی حفاظت کے لیے تھا بلکہ ان کا اصل جوش و خروش اپنے تجارتی قافلے اور اپنے لگے ہوئے سرمائے کی حفاظت کے لیے تھا، اسی لیے جب انہیں اطلاع ملی کہ ابوسفیان راستہ بدل کر محفوظ نکل آیا ہے تو ان کی اکثریت واپس جانا چاہتی تھی اور جنگ کا خطرہ مول نہیں لینا چاہتی تھی مگر ابوجہل اور چند دوسرے متکبر سردار اڑ گئے اور انہوں نے جنگ کے بغیر واپس جانے سے انکار کر دیا۔

مجھے یہ ثابت کرنا تھا کہ مضاربت اور مشارکت کا رواج زمانہ جاہلیت میں بھی تھا ہمارے آقا ﷺ نے مسلمانوں کو بھی کاروبار کی یہ صورتیں کرتے ہوئے دیکھا مگر ان کو منع نہیں فرمایا گویا مضاربت اور مشارکت سنتِ تقریری سے ثابت ہے۔

ایک اور مثال:

سنتِ تقریری کی جو بہت ساری مثالیں علماء نے بیان کی ہیں میں ان میں سے صرف ایک اور مثال آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ صحابہ کرام ﷺ کی ایک جماعت سفر کے

لیے روانہ ہوئی، دورانِ سفر پانی ختم ہو گیا، قریب میں کوئی بستی بھی نہ تھی، لہٰذا تیمم کر کے نماز پڑھ لی گئی، بعد میں جب پانی دستیاب ہو گیا تو ایک صحابی نے وضو کر کے نماز دہرالی مگر دوسرے نے نہیں دہرائی، اس نے کہا تیمم سے بھی نماز ہو جاتی ہے لہٰذا دہرانے کی ضرورت نہیں، سفر سے واپس آکر انہوں نے اپنے آقا ﷺ کو ساری صورتحال بتائی تو جس نے نماز دہرائی تھی آپ نے اسے فرمایا:

"لك الاجر مرتين."

"تمہیں دہرا اجر مل گیا۔"

جس نے نماز نہیں لوٹائی تھی آپ ﷺ نے اسے فرمایا:

"لقد اصبت السنة." (سنن الدارمی : ٧٤٨)

"تم نے سنت پر عمل کیا ہے۔"

آپ نے ان دونوں میں سے کسی کو بھی غلط نہیں کہا اس سے ثابت ہوا کہ دونوں کا عمل صحیح تھا، گویا سنت تقریری سے ثابت ہو گیا کہ ایسی صورت میں نماز دہرانے کی تو ضرورت نہیں لیکن اگر کوئی دہرا لے تو اسے ثواب ضرور مل جائے گا، فرض تو ایک ہی بار ادا کیے جاتے ہیں دوبارہ جو پڑھے جائینگے وہ نفل ہوں گے اور نفل پڑھنے کا ثواب بھی ضرور مل کر رہے گا۔

حدیث اور سنت:

معلومات میں اضافہ کے لیے یہ بات بھی سن لیں کہ اہل علم نے بحث کی ہے کہ حدیث اور سنت ایک ہی چیز ہیں یا الگ الگ ہیں، بعض اوقات دونوں میں کوئی فرق نہیں کیا جاتا، سنت بول کر حدیث اور حدیث بول کر سنت مراد لیا جاتا ہے لیکن علماءِ حدیث ان میں فرق

کرتے ہیں وہ یہ کہ حدیث، وہ چیز ہے جو آپ ﷺ سے منسوب ہوگئی خواہ وہ ضعیف ہو، موضوع ہو، مفسر ہو یا شاذ ہو ان سب پر حدیث کا اطلاق ہوتا ہے جبکہ سنت وہ طریقہ ہے جو صحیح احادیث کی بناء پر آپ ﷺ سے ثابت ہو۔

سنت کی حفاظت اور اتباع:

میرے بھائیو اور بہنو! ان چند تمہیدی باتوں کے بعد میں آپ کی خدمت میں یہ گزارش کرنا چاہتا ہوں کہ مسلمانوں پر سنت کی حفاظت بھی لازم ہے اور اتباع بھی لازم ہے، اگر سنت مٹ گئی تو دین باقی نہیں رہے گا اسی لیے تو ہمارے آقا ﷺ نے سنت پر عمل کرنے والے اور اسے زندہ کرنے والے کے لیے ایسے اجر وثواب کی خوشخبری سنائی ہے، جس سے بڑی خوشخبری مسلمان کے لیے ہو ہی نہیں سکتی آپ نے فرمایا:

" المتمسك بسنتي عند فساد امتي فله اجر شهيد. "

''میری امت کے بگاڑ کے وقت جو شخص میری سنت پر عمل کرے گا وہ شہید کے اجر وثواب کا مستحق ہوگا۔''

پہلے نبیوں کی امتوں نے اپنے نبیوں کی سنت کی حفاظت کا اہتمام نہیں کیا حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے ماننے والوں سے اگر آپ پوچھیں تو وہ آپ کو زندگی کے ہر شعبہ کے بارے میں ان کی سنت نہیں بتا سکیں گے اور نہ ہی وہ سند کے ساتھ بیان کر سکیں گے، وہ اپنے اپنے نبی کی سنت کو تو سند سے کیا ثابت کریں گے، تورات اور انجیل کو بھی متصل اور متواتر سنت سے ثابت نہیں کر سکتے۔

لیکن الحمد للہ! ہم اپنے آقا ﷺ کی ہر سنت اور حدیث کو سنت کے ساتھ بیان کر سکتے

ہیں، میں نے صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں جو احادیث اور سنتیں پڑھی ہیں میں آپ کو بتا سکتا ہوں کہ میرے درمیان اور امام بخاری اور امام مسلم کے درمیان کتنے واسطے ہیں؟ کتنے اساتذہ ہیں؟ ان کے نام کیا ہیں؟ ان کے حالات کیا ہیں؟ ان کا علمی مقام اور مرتبہ کیا تھا؟ ان کا کردار اور ان کے اخلاق کیسے تھے؟ مسلمانوں کے پاس اس مقصد کیلئے ''رجال'' جیسا عظیم فن ہے جس کی مثال پوری دنیا کا تاریخی، ادبی اور علمی لٹریچر پیش کرنے سے قاصر ہے، پھر میں یہ بھی بتا سکتا ہوں کہ امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ کے درمیان کتنے واسطے ہیں؟

سچی بات:

سچی بات تو یہ ہے کہ دوسرے انبیاء کی نبوتیں اور کتابیں چونکہ مخصوص قوم اور محدود وقت کے لیے تھیں اس لیے قدرت کی طرف سے ان کی حفاظت کا انتظام کیا ہی نہیں گیا، جبکہ ہمارے آقا ﷺ کی نبوت ہمیشہ کے لیے تھی اور آپ کی سنتوں پر عمل پیرا ہونے سے ہر دور کے انسانوں کو دنیا کی راحت وعزت اور آخرت کی کامیابی مل سکتی تھی اس لیے باری تعالی نے دلوں کے اندر اس کی حفاظت کا داعیہ پیدا فرما دیا، ہزاروں ایسے خوش نصیب تھے جنہوں نے اپنی پوری پوری زندگی سنت اور حدیث کی تلاش، حفاظت اور اشاعت کے لیے وقف کر دی ہو۔

میں اکثر کہتا رہتا ہوں اور مجھے اپنے اس دعوی کی سچائی پر پوری طرح شرح صدر اور یقین ہے کہ مسلمانوں کے دلوں میں محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات، آپ کے شہر، آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم اور آپ کی حدیثوں اور سنتوں کے لیے جو بے مثال محبت پائی جاتی ہے یہ محبت بجائے خود ہمارے آقا ﷺ کی سچائی کی ایک مستقل دلیل ہے، آج کا گناہوں میں ڈوبا ہوا

مسلمان بھی آپ کی عزت و حرمت پر کٹ مرنا اپنے لیے سعادت سمجھتا ہے، اسی طرح بے دینوں کے تمسخر کے باوجود بعض مسلمان کسی ایک سنت سے بھی دستبردار ہونا گوارا نہیں کرتے، وہ اپنے دنیاوی مستقبل، معاشی خوشحالی، ملازمت، دوستی اور قرابت قربان کر دیتے ہیں مگر آقا کی سنت سے بے وفائی نہیں کرتے اور سنت کے باغیوں کے طنز سن کر اسی عاشق رسول کی بات دہرا دیتے ہیں جس نے کسریٰ کے دربار میں عشق کے ڈوبے ہوئے لہجے میں کہا تھا:

”ءَ اترك سنة رسول الله صلى الله عليه و سلم لهولاء الحمقاء.“

”کیا میں رسول اللہ ﷺ کی سنت ان احمقوں کی وجہ سے چھوڑ دوں۔“

جو لوگ نبی کریم ﷺ کی اتباع کی وجہ سے ہمارا مذاق اڑاتے ہیں وہ کان کھول کر سن لیں کہ ہم انہیں کم عقل سمجھتے ہیں اور ہم کم عقلوں کے طعن اور طنز کی وجہ سے آقا ﷺ کی اتباع نہیں چھوڑ سکتے۔

قرآن میں حکم:

ہم آقا ﷺ کی اتباع کیسے چھوڑ سکتے ہیں جبکہ یہ اتباع ہمارے ایمان کا جز ہے اور ہمیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے نہایت تاکید کے ساتھ اتباع کا حکم دیا ہے۔

میں نے خطبہ میں سورۂ آل عمران کی جو آیت تلاوت کی ہے وہ آپ نے بارہا سنی ہوگی، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ
وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾

"میرے پیغمبر آپ فرما دیجئے اے لوگو! اگر تم اللہ سے محبت کرنے کا دعویٰ کرتے ہو تو پھر میری اتباع کرو اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ نہ صرف یہ کہ تمہارے دعویٰ کو سچا تسلیم کر لیا جائے گا بلکہ تم اللہ کے محبوب بن جاؤ گے اور وہ تمہارے گناہوں کو معاف کر دے گا۔"

مفسرین نے کہا ہے کہ یہ آیتِ کریمہ اس وقت نازل ہوئی تھی جب نجران کے عیسائیوں کا وفد مدینہ منورہ میں بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا تھا اور اس نے دعویٰ کیا تھا کہ ہم عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں جو عقائد رکھتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی محبت کی وجہ سے رکھتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب یہود نے کہا:

﴿نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ﴾

"ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں۔"

تو ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے آلِ عمران کی یہ آیت اتاری، ویسے یہ تو آپ جانتے ہیں کہ دنیا میں بسنے والوں کی اکثریت کسی نہ کسی انداز میں خدا کے وجود کو بھی تسلیم کرتی ہے اور اس کی محبت کا دعویٰ بھی کرتی ہے تو ایسے سارے انسانوں کو بتا دیا گیا ہے کہ محبت کی کسوٹی تو صرف ایک ہے اور وہ ہے حضرت خاتم النبیین ﷺ کی اتباع! آپ کی اتباع کے بغیر محبتِ خدا کا ہر دعویٰ جھوٹا ہے خواہ یہ دعویٰ کرنے والا کتنی ہی عبادت اور ریاضت کر لے اور کیسے ہی مجاہدے کیوں نہ کر لے اس کے دعوے کو اس وقت تک سچا تسلیم نہیں کیا جائے گا جب تک کہ وہ دل وجان سے آپ کی اتباع نہ کرے۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ ہر اس شخص کے خلاف حجت ہے جو

اللہ تعالیٰ کی محبت کا دعویٰ تو کرتا ہے مگر محمد رسول اللہ ﷺ کا طریقہ اور آپ کی سنت اختیار نہیں کرتا ایسے شخص کو اس وقت تک اپنے دعویٰ میں جھوٹا سمجھا جائے گا جب تک کہ وہ اپنے سارے اقوال اور افعال میں شرع محمدی اور دین نبوی کی پیروی نہ کرے۔

سچی محبت کی علامت:

امام شافعی رحمہ اللہ کے بڑے پیارے اشعار ہیں، فرماتے ہیں:

تعصي إلا له وأنت تظهر حبه   هذا لعمري في القياس بديع

لو كان حبك صادقا لأطعته   إن المحب لمن يحب مطيع

"تم اللہ کی محبت کا اظہار بھی کرتے ہو اور اس کی نافرمانی بھی کرتے ہو، یچی بات یہ ہے کہ یہ عقل میں آنے والی بات نہیں، اگر تمہاری محبت سچی ہوتی تو تم اس کی ضرور اطاعت کرتے اس لیے کہ محب اپنے محبوب کا فرمانبردار ہوتا ہے۔" (نظرۃ النعیم: ۵۰۰۶)

ہم فانی بلکہ شہوانی محبت کرنے والوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ اپنے محبوب کی کیسی اتباع کرتے ہیں اور ہر کام میں اس کی نقالی کی کوشش کرتے ہیں تو ایمانی محبت میں تو یہ تاثیر اور زیادہ ہونی چاہیے تھی۔

سہل بن عبد اللہ رحمہ اللہ مشہور بزرگ گزرے ہیں ان کا بڑا پیارا قول ہے، فرماتے ہیں:

" علامة حب الله حب القرآن، وعلامة حب القرآن حب النبي صلى الله عليه وسلم، وعلامة حب النبي صلى الله عليه وسلم، حب السنة، وعلامة حب الله وحب القرآن وحب النبي وحب السنة: حب الآخرة،

وعلامة حب الآخرة: ان يحب نفسه و علامة حب نفسه: أن يبغض الدنيا، وعلامة بغض الدنيا: ألا يأخذ منها الا الزاد و البلغة۔"

"اللہ تعالیٰ سے محبت کی علامت یہ ہے کہ قرآن سے محبت ہوگی......

اور قرآن سے محبت کی علامت یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ سے محبت ہوگی......

اور نبی کریم ﷺ سے محبت کی علامت یہ ہے کہ سنت سے محبت ہوگی......

اور اللہ تعالیٰ، قرآن، نبی اور سنت کی محبت کی علامت یہ ہے کہ آخرت سے محبت ہو گی......

اور آخرت سے محبت کی علامت یہ ہے کہ اپنی ذات سے محبت ہوگی......

اور اپنی ذات سے محبت کی علامت یہ ہے کہ (دین سے دور کرنے والی) دنیا سے نفرت ہوگی......

اور دنیا سے بغض اور نفرت کی علامت یہ ہے کہ انسان دنیا سے قدر ضرورت پر اکتفاء کرے گا۔"

(دنیا کی چمک دمک اور عیش وعشرت کے حصول کو اپنی زندگی کا مقصد نہیں بنائے گا)

حدیث میں حکم:

قرآن کریم کی طرح حدیثِ رسول ﷺ میں بھی اتباع رسول ﷺ کی بڑی تاکید وارد ہوئی ہے۔

صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" كل امتي يدخلون الجنة إلا من ابي " قالوا: يا رسول اللّٰه! ومن

یابی؟ قال: "من أطاعني دخل الجنة ومن عصاني فقد ابی."

" میری امت کے سارے لوگ جنت میں داخل ہوں گے سوائے اس کے جو انکار کرے گا، صحابہ ﷺ نے سوال کیا یا رسول اللہ! انکار کرنے والا کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوگا اور جس نے میری نافرمانی کی وہ ہے انکار کرنے والا۔"

کتنی بڑی بات ہے! آقا کی اتباع دخولِ جنت کی ضمانت ہے جبکہ آپ ﷺ کی سنت کے نافرمان اور تارک کے لیے کوئی ضمانت نہیں ہے۔

عجیب بات:

میں آپ کو ایک عجیب بات بتاتا ہوں وہ یہ کہ اگر کوئی شخص بظاہر عابد و زاہد اور دیندار بننے کے لیے ہی سہی حضور اکرم ﷺ کی سنت سے اعراض کرے تو وہ نہ عابد و زاہد بن سکتا ہے، نہ اس کی دینداری کا اعتبار ہوگا اور نہ ہی اس کی وہ مشقت قبول ہوگی جو وہ عبادت کے سلسلے میں کرے گا۔

میں اپنے اس دعوی کو صحیح حدیث سے ثابت کرتا ہوں۔

صحیح مسلم میں حضرت انس بن مالک ﷺ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کے چند اصحاب نے آپ ﷺ کی ازواج سے پوچھا کہ آپ ﷺ تنہائی میں کتنی عبادت کرتے ہیں (ازواجِ مطہرات نے جو کچھ دیکھا تھا وہ بتادیا لیکن پوچھنے والوں کے خیال میں یہ کم عبادت تھی ان کے تصور میں یہ تھا کہ آپ ﷺ چوبیس گھنٹے نماز، روزہ، ذکر و تلاوت ہی میں لگے رہتے ہوں گے اور کوئی دوسرا کام کرتے ہی نہیں ہوں گے پھر انہوں نے یہ کہہ کر اپنے

آپ کو تسلی دے دی کہ آپ ﷺ کے لیے تو تھوڑی ہی عبادت کافی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی مغفرت کا قرآنِ کریم میں اعلان کر رکھا ہے جبکہ ہم گناہ گار ہیں ہمیں اور زیادہ عبادت کرنی چاہیے چنانچہ ان میں سے ایک صاحب کہنے لگے)

" لا اتزوج النساء. "

"میں شادی نہیں کروں گا تا کہ سارا وقت عبادت میں لگا سکوں۔"

دوسرے صاحب کہنے لگے:

" لا آكل اللحم. "

میں گوشت نہیں کھاؤں گا مقصد یہ تھا کہ سادہ اور روکھی سوکھی غذا پر ہی اکتفاء کروں گا، گویا انہوں نے مرغن اور عمدہ غذا کو کمالِ تقویٰ کے خلاف سمجھا۔

تیسرے صاحب کہنے لگے:

" لا أنام على فراش. "

میں بستر پر نہیں سوؤں گا پوری پوری رات عبادت میں گزارنے کی کوشش کروں گا۔

ہمارے آقا ﷺ کو اپنے اصحاب کے ارادے کی اطلاع ملی تو آپ نے دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی جمع فرمالیا اور اپنی عادتِ مبارکہ کے مطابق کسی کی طرف انگلی اٹھائے بغیر عمومی انداز میں فرمایا:

" ما بال اقوام قالوا كذا و كذا، ولكني أصلي وأنام، وأصوم وأفطر، وأتزوج النساء فمن رغب عن سنتي فليس مني. " (بخاری : ۴۹۴۳)

"لوگوں کو کیا ہو گیا ہے جو ایسی باتیں کرتے ہیں جہاں تک میرا تعلق ہے میں نماز

بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں، روزے بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں، یہی میری سنت ہے جو میری سنت سے اعراض کرے گا، اس کا میرے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔

آپ خود سوچیے کہ یہ تینوں صحابی نکاح سے، لذیذ کھانوں سے اور نیند سے دور رہنے کا جو عزم کر رہے تھے یہ کس لیے کر رہے تھے؟ صرف اس لیے کر رہے تھے تاکہ وہ اپنے خیال میں زیادہ عبادت کر سکیں اور زیادہ دینداری اپنے اندر پیدا کر سکیں، آقا ﷺ نے انہیں بتایا کہ دیکھو تم میں سے کوئی نہ عبادت میں مجھ سے آگے بڑھ سکتا ہے نہ خوف خدا میں، میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہوں لیکن خوف و خشیت کے باوجود میں بیویوں کے حقوق بھی ادا کرتا ہوں اور اپنے نفس اور اپنی جان کے حقوق بھی ادا کرتا ہوں، جو میرے امتی ہیں انہیں میری اتباع کرنی ہوگی، حقوق اللہ بھی ادا کرنے ہوں گے، حقوق العباد بھی ادا کرنے ہوں گے اور حقوق نفس بھی ادا کرنے ہوں گے، ان سب حقوق کا ادا کرنا ہی میری سنت ہے، میری سنت کی اتباع کرنے والا میرا ہے اور میری سنت سے اعراض کرنے والے کا میرے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔

راہب لوگ دنیا چھوڑ چھاڑ کر جنگلوں اور غاروں میں بسیرا کر لیتے تھے تو ان کا مقصد بھی عبادت ہی ہوتا تھا، ہمارے دین میں رہبانیت یعنی ترکِ دنیا کی اجازت نہیں بلکہ یہ سکھایا گیا ہے کہ اسی دنیا میں رہتے ہوئے، ملازمت، تجارت اور زراعت وغیرہ کرتے ہوئے تم اللہ تعالیٰ کو راضی کر سکتے ہو، صرف یہ کرو کہ ایک تو نیت درست رکھو اور دوسرے جو کچھ بھی کرو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور نبی کریم ﷺ کی سنت کے مطابق کرو، ایسا کرنے سے

تمہاری دنیا بھی دین بن جائے گی اور گھر میں رہتے ہوئے بھی تم اللہ تعالیٰ کو راضی کر لو گے اور اگر ایسا نہیں کرو گے تو تمہیں اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل نہیں ہو سکے گی خواہ ساری زندگی بے نکاح گزار دو، ہر روز روزہ رکھو اور ساگ پات پر گزارا کرتے رہو۔

اتباع کرنے والے:

صحابہ کرام ﷺ یہ نکتہ سمجھ گئے تھے، انہوں نے جان لیا تھا کہ آپ کی اتباع کے بغیر اللہ تعالیٰ راضی نہیں ہوسکتا چنانچہ انہوں نے اتباع رسول کو اپنا شعار بنالیا تھا، ہر صحابی اتباع کے جذبے سے سرشار تھا، میں اپنا اور آپ کا ایمان تازہ کرنے کے لیے آپ کو چند واقعات سناتا ہوں۔

حضرت عبداللہ بن عمر ﷺ ایک بار سفر میں تھے، دیکھا کہ کچھ لوگ نفل پڑھ رہے ہیں، رفیق سفر سے بولے کہ ''اگر مجھے نفل پڑھنا ہوتا تو میں پوری نماز ہی نہ پڑھ لیتا'' میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر کیا ہے، آپ نے دو رکعت سے زیادہ کبھی نہیں پڑھی، حضرت ابوبکر ﷺ کے ساتھ سفر کیا ہے انہوں نے بھی دو رکعت سے زیادہ کبھی نہیں پڑھی، حضرت عمر ﷺ کے ساتھ سفر کیا ہے انہوں نے بھی دو رکعت سے زیادہ کبھی نہیں پڑھی، اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾

''تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ کی پاک ذات میں تقلید کے لیے بہترین نمونہ ہے۔''

حدیبیہ کے مقام پر جب مسلمانوں کو احرام کی حالت میں رکنا پڑا اور مشرکین نے انہیں مکہ میں داخل ہونے سے روک دیا تو حضور اکرم ﷺ نے حضرت عثمان ﷺ کو اپنا نمائندہ

بنا کر مکہ روانہ کیا تا کہ ان سے مذاکرات کر سکیں اہل مکہ نے انہیں پیش کش کی کہ اگر آپ کعبہ کا طواف کرنا چاہتے ہیں تو کر لیں، باوجود یکہ آپ کا دل طواف کے لیے مچل رہا تھا.....کونسا مسلمان ہے جس کا دل طواف کے لیے نہیں مچلتا..... پھر بھی آپ نے یہ کہہ کر اس پیش کش کو قبول کرنے سے انکار کر دیا کہ جب تک آقا ﷺ طواف نہیں فرمائیں گے میں بھی طواف نہیں کروں گا، یہ تو محبت کی بات تھی، اب اتباع سنت کی بات بھی سن لیجئے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ازار بند جو تھا وہ ٹخنوں سے بہت اونچا تھا، جبکہ زمانہ جاہلیت میں وڈیرے لوگ تکبر کی وجہ سے ازار کو ٹخنوں سے نیچے رکھا کرتے تھے مشرکین نے کہا کہ آپ نے پنڈلیوں تک ازار کو جو اٹھا رکھا ہے یہ بالکل اچھا نہیں لگتا اسے نیچے کیجئے، آپ نے فرمایا:

" لا هكذا إزارة صاحبنا صلى الله عليه وسلم."

''نہیں میں ایسا نہیں کر سکتا کیونکہ ہمارے آقا ﷺ ازار ٹخنوں سے اوپر رکھتے ہیں اور مجھے آپ ہی کا طریقہ پسند ہے۔''

سنن شرعیہ میں تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اتباع کرتے ہی تھے، سنن عادیہ اور اتفاقیہ میں بھی اتباع کی کوشش کرتے تھے حالانکہ ان میں اتباع ضروری نہیں، اسی طرح آقا ﷺ کی جو کیفیات ہوتی تھیں انہیں بھی پیش نظر رکھا کرتے تھے۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ جب کوئی بات کہتے تھے تو مسکرا دیتے تھے ام الدرداء نے کہا کہ ''اس عادت کو ترک کر دیجئے، ورنہ لوگ آپ کو احمق بنائیں گے، بولے، میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے کہ جب کوئی بات کہتے تھے تو مسکرا دیتے تھے۔''

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے سامنے سواری لائی گئی آپ نے رکاب میں پاؤں رکھا تو

فرمایا: ''بسم اللہ'' جب سیدھے ہو کر بیٹھ گئے تو دعا پڑھی:

الحمدللہ..........

﴿سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ ۝ وَاِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ﴾

(مسلم: ۳۲۲۹)

پھر تین بار الحمدللہ اور تین بار اللہ اکبر کہا، پھر یہ دعا پڑھی:

" سبحانك إني ظلمت نفسي فاغفرلي إنه لا يغفر الذنوب إلا أنت."

(مسند احمد: ۱۰۶۹)

پھر مسکرا پڑے، حاضرین نے مسکرانے کا سبب پوچھا آپ نے جواب دیا میں نے نبی کریم ﷺ کو بھی وہی کچھ کرتے ہوئے دیکھا جو کچھ میں نے کیا، پھر آپ ﷺ مسکرائے تھے، میں نے اس کی وجہ پوچھی تو آپ نے فرمایا جب بندہ کہتا ہے:

" اغفرلي ذنوبي ...... "

''میرے گناہوں کو معاف فرمادے۔''

تو اللہ تعالیٰ بندے سے خوش ہوتا ہے کہ میرا بندہ جانتا ہے کہ میرے سوا کوئی دوسرا معاف نہیں کرسکتا۔

صحابہ ﷺ کے اتباع سنت کے واقعات تو بے شمار ہیں میں نے، ان میں سے صرف چند آپ کو سنائے ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے جذبہ اتباع کا کچھ حصہ عطا فرمادے۔

اتباع کیوں؟

آپ میں بھی بعض سامعین کو ہوسکتا ہے تعجب ہورہا ہو کہ درس کا موضوع تو رکھا گیا تھا

''سنت اور سائنس'' جبکہ میں نے اب تک کتاب وسنت کی روشنی میں صرف سنت کی اہمیت ہی کو بیان کیا ہے، سائنس کے حوالے سے کوئی بات نہیں کی، ایسا میں نے جان بوجھ کر کیا ہے، میں یہ بات سمجھانے کی کوشش کر رہا ہوں کہ ہم مسلمان جو سنت کی اتباع کرتے ہیں تو اس لیے نہیں کرتے کہ سائنسدان اور ڈاکٹر ان سنتوں کے مادی اور دنیاوی فوائد بیان کر رہے ہیں، ہم تو اس لیے اتباع کرتے ہیں کہ ہمیں ہمارے اللہ اور ہمارے آقا ﷺ نے اتباع کا حکم دیا ہے، آج کل مارکیٹ میں بہت ساری کتابیں طب وحکمت اور میڈیکل سائنس کے ماہرین کی آچکی ہیں جن میں جدید تحقیقات کی روشنی میں ثابت کیا جاتا ہے کہ اسلام کے ہر حکم اور محمد رسول اللہ ﷺ کی ہر سنت اور ہر طریقہ زندگی میں آخرت کی طرح دنیا کے بھی بے شمار فائدے ہیں، ان کتابوں کی وجہ سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ ہم سائنسدانوں کی باتوں سے متاثر ہو کر سنتوں کی اتباع کرتے ہیں، مسلمانوں کے آباء واجداد اس وقت سے سنتوں کو زندہ رکھے ہوئے ہیں جب آج کل کی میڈیکل تحقیقات کا کوئی وجود ہی نہ تھا، ویسے بھی سائنسدانوں کی تحقیقات تو بدلتی رہتی ہیں ان کی ہر تحقیق وحرفِ آخر قرار دینا ناممکن ہے۔

ہمارے آقا ﷺ نے جب کبھی کسی سنت کی اہمیت بیان فرمائی تو اس کا ثواب تو بیان فرمایا مگر عام طور پر اس کے مادی اور ظاہری فوائد بیان نہیں فرمائے۔

آپ مسواک ہی کو لے لیں آپ ﷺ نے یہ تو فرمایا کہ وہ نماز جو مسواک کر کے پڑھی جائے اس کا ثواب اس نماز سے ۲۷ گنا زیادہ ہوتا ہے جو بغیر مسواک کے پڑھی جائے لیکن یہ نہیں فرمایا کہ مسواک کرنے سے دانت سفید اور چمکدار ہو جائیں گے، مسوڑھے مضبوط ہوں گے، خون آنا بند ہو جائے گا اور معدہ درست کام کرنے لگے گا البتہ حکیم، ڈاکٹر اور

دانشور لوگ طویل تحقیق کے بعد تسلیم کر رہے ہیں کہ مسواک بہت ساری بیماریوں سے بچاتی ہے اور صحت کے لیے بہت ہی مؤثر اور مفید ہے، یہاں تک کہا گیا ہے کہ ڈینٹل سرجن کی ابتداء تب ہوئی جب مسواک چھوڑ دی گئی۔ بابا گرونانک کے متعلق مشہور ہے کہ وہ مسواک ہاتھ میں رکھتے تھے اور کہتے تھے یا یہ لکڑی لے لو یا پھر بیماری لے لو۔

مشاہدہ اور تجربہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ مسواک سے منہ کی بو ختم ہو جاتی ہے، منہ کا ذائقہ بحال ہو جاتا ہے، تعفن پیدا کرنے والے جراثیم ہلاک ہو جاتے ہیں، دماغ اور بصارت تیز ہو جاتی ہے، معدہ درست کام کرنے لگتا ہے، نزلہ اور زکام رک جاتا ہے۔

ہمارے آقا ﷺ کی عادتِ مبارکہ تھی کہ آپ کھانا کھانے سے پہلے بھی اور کھانا کھانے کے بعد بھی ہاتھ دھوتے تھے البتہ جب کھانے سے پہلے ہاتھ دھوتے تو تولیے وغیرہ سے خشک نہیں فرماتے تھے اور کھانے کے بعد دھو کر خشک فرما لیتے تھے..... اب تسلیم کیا جا رہا ہے کہ واقعی ہاتھ دھونا بہت ضروری ہے، اس لیے کہ ہاتھوں کے ساتھ ممکن ہے جراثیم چپکے ہوئے ہوں، بالخصوص آج کل کے مشینی دور میں تیل، دھواں، کیمیکل اور نامعلوم کیا کچھ لگ سکتا ہے، اگر ہاتھوں کو دھویا نہ جائے تو یہ سب کچھ معدہ میں جا کر بیماریوں کا سبب بن سکتا ہے۔

میں نے کہیں پڑھا تھا کہ لمبے سفر پر چلنے والے ایک ٹرک ڈرائیور نے راستے میں کسی ہوٹل پر ٹرک کھڑا کیا اور حسبِ عادت ٹائروں پر ہاتھ پھیر کر ہوا چیک کر کے کھانے کے لیے بیٹھ گیا، پھر ہوا یہ کہ کھانا کھاتے ہی اس کی حالت غیر ہوگئی اور کچھ ہی دیر بعد وہ موت کے منہ میں چلا گیا، کسی کی سمجھ میں نہ آیا کہ ایسا کیوں ہوا؟ کسی نے کہا ہارٹ اٹیک ہو گیا، کسی نے کہا کھانے میں زہریلا مواد تھا، جتنے منہ اتنی باتیں، کافی دیکھ بھال اور غور و فکر کے بعد پتہ چلا

کہ ٹرک کے نیچے آ کر سانپ کچلا گیا تھا جس کا تازہ زہر ٹائر پر لگا ہوا تھا، وہ زہر ہاتھوں کو لگ گیا اور ہاتھ نہ دھونے کی وجہ سے کھانے میں شامل ہو کر موت کا سبب بن گیا۔

کھانے کے بعد اگر ہاتھ نہ دھوئے جائیں تو گھی اور میٹھا لگا ہونے کی وجہ سے کیڑے مکوڑے کے کاٹ کھانے کا خطرہ ہوتا ہے ویسے بھی جن ہاتھوں کے ساتھ شوربہ وغیرہ لگا ہوگا وہ جس کپڑے کو لگیں گے اسے آلودہ کردیں گے۔ آنکھوں کو لگ جائیں تو تکلیف ہوسکتی ہے، اس لیے مسلمان اپنے آقا ﷺ کی اتباع کرتے ہوئے کھانے سے فارغ ہو کر ہاتھ دھوتے بھی ہیں اور کپڑے سے صاف بھی کر لیتے ہیں البتہ کھانے سے پہلے ہاتھ دھو کر تولیہ استعمال نہیں کرتے، بیان کرنے والے بتاتے ہیں کہ تولیہ استعمال کرنے سے دوبارہ جراثیم لگ سکتے ہیں۔

ہر چیز میں حکمت:

جیسے میں نے مسواک کے بارے میں بتایا ایسے ہی آج کل بعض حضرات ان چیزوں اور کاموں کے دنیاوی، جسمانی اور طبی نقصانات سائنس کی روشنی میں بیان کر رہے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے منع فرمایا ہے اور ان چیزوں کے فوائد تحریر کر رہے ہیں جنہیں استعمال کرنے کا حکم دیا گیا ہے، طب نبوی اور جدید سائنس، سنتِ نبوی اور جدید سائنس، قرآن اور سائنس، بائبل، قرآن اور سائنس، اس طرح کی کتابیں مارکیٹ میں آچکی ہیں، میرا اس پر یقین ہے کہ سنت کے مطابق زندگی گزارنے میں آخرت کے ساتھ دنیا کے بھی بے شمار فائدے ہیں، اللہ تعالیٰ کے حکموں کو سامنے رکھ کر چلنے میں سکون ہی سکون ہے، شفا ہی شفا ہے۔

آپ شراب کو لے لیں جسے اسلام نے حرام، گندگی اور شیطان کا عمل قرار دیا ہے اور آج ٹھوکریں کھانے کے بعد تسلیم کیا جا رہا ہے کہ شراب کی وجہ سے معدے کی خطرناک بیماریاں پیدا ہوتی ہیں، شراب کا سب سے خراب اثر جگر پر ہوتا ہے، دورانِ خون کا نظام متاثر ہوتا ہے، اعصابی نظام میں خلل پیدا ہو جاتا ہے، معاشرتی تعلقات میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے، لڑائی جھگڑے ہوتے ہیں، ایکسیڈنٹ ہوتے ہیں۔

آپ زنا کو لے لیں اسلام نے زنا کو مطلقاً حرام کہا ہے، بلکہ آنکھوں کا زنا بھی حرام ہے، باتوں کا زنا بھی حرام ہے، کانوں، ہاتھوں اور پیروں کا زنا بھی حرام ہے، غرضیکہ بدکاری تک پہنچنے کے لیے کسی بھی عضو کا استعمال حرام ہے۔

جن معاشروں میں زنا کی کھلی چھوٹ دے دی گئی وہاں صورت حال یہ ہے کہ نابالغ بچوں میں بھی منفی احساسات پیدا ہونے لگتے ہیں، چھوٹی چھوٹی بچیاں حاملہ ہو جاتی ہیں، بہن بھائی حتیٰ کہ باپ اور بیٹی کے درمیان غلط تعلقات پیدا ہو جاتے ہیں، لاکھوں عورتوں نے اپنا ذریعۂ معاش ہی بدکاری کو بنالیا، عورت کی حیثیت اتنی گر گئی کہ وہ ایسی چیز بن گئی جسے جو چاہے اور جب چاہے کرائے پر حاصل کر سکتا ہے، بدکاری عام ہونے کی وجہ سے امراضِ خبیثہ بھی عام ہو گئے ہیں، آتشک اور سوزاک کی بیماری تو تھی ہی اب ایڈز کے نام سے ایک نئی بیماری سامنے آئی ہے جس کے مریض سسک سسک کر دم توڑ دیتے ہیں اور اس بیماری کا کوئی علاج ابھی تک دریافت نہیں ہو سکا۔

بغاوت کا نتیجہ:

میرے بھائیو اور بہنو! میں اسلام کے ایک ایک حکم اور نبی اکرم ﷺ کی ایک ایک

سنت کی تفصیل میں جانا نہیں چاہتا اور نہ ہی ہر ایک کے بارے میں سائنس کی روشنی میں بات کرنا چاہتا ہوں، میں ابتداء میں ویسے بھی عرض کر چکا ہوں یہ مناسب بھی نہیں کہ ہم شریعت کے کسی حکم پر اس لیے عمل کریں کہ فلاں اور فلاں مغربی دانشور اور ڈاکٹر نے اس کی بڑی تعریف کی ہے اور اس کے فوائد بیان کیے ہیں، ہم احکامِ شریعت کی اہمیت اور افادیت کو کسی بھی انسان کی تائید اور تصدیق کا محتاج نہیں سمجھتے البتہ یہ بات ضرور ہے کہ جب کوئی سمجھدار انسان ان احکام کے فوائد عقل اور مشاہدہ کی روشنی میں بیان کرتا ہے تو فطری طور پر خوشی ضرور ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ آپ کو فرصت اور توفیق دے اور پھر آپ اپنے آقا ﷺ کی سیرت کا، آپ کے شب و روز کے معمولات کا، آپ کی ازدواجی زندگی کا، آپ کی پسندیدہ غذاؤں کا اور آپ کے لباس وغیرہ کی تفصیلات کا حدیث کی کتابوں میں مطالعہ کریں اور پھر ان کے بارے میں غیر متعصب دانشوروں، سائنسدانوں ڈاکٹروں اور ماہرین کی آراء کا جائزہ لیں تو آپ کو یقیناً خوشی ہوگی کہ ہمارے آقا جو کہ اُمّی تھے اور جنہوں نے کسی درسگاہ میں نہ لکھنا پڑھنا سیکھنا، نہ طب اور حکمت کی تعلیم حاصل کی، نہ کتابوں کا مطالعہ کیا نہ ریسرچ کی، کیسے ان کا ایک ایک فرمان، ایک ایک عمل اور ایک ایک سنت برسہا برس تحقیق میں بسر کرنے والوں کو انگشت بدنداں کر دیتی ہے اور وہ تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ اگر محمد ﷺ جیسی سادہ اور فطری زندگی گزاری جائے تو بیماریوں سے، بے سکونی سے، بدخوابی سے، معاشرتی خرابیوں سے اور لڑائی جھگڑوں سے محفوظ رہا جا سکتا ہے۔

آپ خود سوچیں اگر ہم اپنے آقا ﷺ کی طرح عفت و عصمت والی زندگی گزاریں،

ہر قسم کے نشہ سے احتراز کریں......

صفائی اور طہارت کا اہتمام کریں......

جذبات کو کنٹرول میں رکھیں......

ہر ماہ تین روزے رکھ لیا کریں......

نظر، زبان اور کان کی حفاظت کریں......

بھوک لگنے سے پہلے نہ کھائیں......

کچھ بھوک باقی ہو تو کھانے سے ہاتھ کھینچ لیں......

کھانے سے پہلے بھی ہاتھ دھوئیں اور بعد میں دھولیں......

خوب چبا چبا کر کھائیں......

رات کو جلد سو جائیں اور صبح منہ اندھیرے اٹھ کھڑے ہوں......

چہل قدمی کو عادت بنالیں......

تکلفات سے بچیں اور سادہ زندگی کو اپنا معمول بنائیں......

مرغن غذاؤں کے بجائے کھجور، جو، ثرید، لسی اور شہد جیسی قدرتی نعمتوں کو اپنے استعمال میں رکھیں......

دواؤں سے زیادہ پرہیز کو اہمیت دیں......

حرام سے نفرت کریں اور حلال پر قناعت کریں......

اپنے سے زیادہ دوسروں کے دکھ درد کا احساس کریں......

اپنے دل ودماغ کو منفی اور گندے خیالات کی آماجگاہ نہ بننے دیں......

اپنے خالق ومالک کے ذکر وفکر سے اپنے دل ودماغ کو منور اور معطر رکھیں......

تو آپ بتائیے، کتنی ہی بیماریوں اور پریشانیوں سے ہمیں خود بخود نجات مل سکتی ہے، ہماری زندگی کتنی پرسکون ہوسکتی ہے آج ہم جو دکھوں، تکلیفوں، امراضِ خبیثہ اور بے سکونی جیسے پنجروں میں بند ہو چکے ہیں تو یہ نتیجہ ہے ہماری بغاوت کا......

ہم نے بغاوت کی، اللہ تعالیٰ کے حکموں سے......

ہم نے بغاوت کی، نبی کریم ﷺ کی سنتوں سے......

ہم نے بغاوت کی، سادہ اور آسان اسلامی شریعت سے......

ہم نے بغاوت کی، فطرت سے......

ہم تکلفات میں پڑ گئے، ہم اسراف کے عادی ہو گئے، ہم مغرب کی نقالی میں کامیابی سمجھنے لگے، ہم نے فیشن پرستی اور بے حیائی کو ترقی کا زینہ سمجھ لیا۔

ہمارے اوپر کسی اور نے نہیں خود ہم نے ظلم کیا ہے، نہ صرف اپنے اوپر بلکہ اپنی نسلوں پر بھی ہم ظلم ڈھانے والے ہیں، اگر ہم شریعت اور سنت کو لازم پکڑتے تو ہماری نئی پود بھی یہی کچھ کرتی، جب انہوں نے ہمیں بغاوت پر آمادہ دیکھا تو وہ ہم سے بھی دو ہاتھ آگے نکل گئے، اب ہم پریشان ہیں کہ کیا بنے گا؟ اللہ نہ کرے ہماری اولاد ایمان ہی سے محروم نہ ہو جائے۔

میرے بھائیو اور میری بہنو! آیئے ہم واپس چلیں، قرآن کو پیشوا بنالیں، آقا ﷺ کو امام بنالیں، سادہ زندگی کو اپنا مزاج بنالیں، مغربی طرزِ زندگی سے توبہ کرلیں، انشاء اللہ ایسا کرنے سے ہماری صحت اور سکون کی گمشدہ دولت ہمیں واپس مل جائے گی۔

باری تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو واپس آنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

وآخر دعوانا أن الحمدللّٰہ رب العلمین

شرح صدر

ألحمدللّٰہ وحدہ والصلوٰۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ، أما بعد!

فأعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

أَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْإِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ أُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝

صدق اللّٰہ العظیم

(سورۃ الزمر: ۲۲، پ ۲۳)

قابلِ احترام بھائیو اور بہنو! میں نے اپنے موضوع کی وضاحت کے لئے سورۂ زمر کی آیت ۲۲ تلاوت کی ہے، اس میں اللہ تعالیٰ نے بندوں سے ایک سوال کیا ہے مگر یہ سوال مکمل نہیں ہے، سوال کا کچھ حصہ اور جواب حذف کر دیا ہے، سیاق وسباق کو دیکھ کر سوال بھی مکمل کیا جاسکتا ہے اور جواب بھی معلوم ہو سکتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ وہ شخص جس کے سینے کو اللہ اسلام کے لیے کھول دے اور وہ اپنے رب کی طرف سے ایک نور پر ہو، یہ شخص اس جیسا ہو سکتا ہے جس کے سینے کو اللہ تعالیٰ اسلام کے لیے نہ کھولے اور وہ ظلمت اور تاریکی میں ہو؟

جواب یہ ہے کہ یہ دونوں ہرگز برابر نہیں ہو سکتے۔

یہ قرآن کریم کا ایک اسلوب ہے کہ وہ بعض اوقات سوال کرتا ہے مگر اس کا جواب نہیں دیتا، تاکہ قرآن کا پڑھنے اور سننے والا غور سے پڑھے اور سنے اور پھر اس میں غور وتدبر کرے۔

یہاں بھی یہی اسلوب اختیار کیا گیا ہے اور جو مضمون یہاں بیان ہو رہا ہے، وہ کئی جگہ بیان کیا گیا ہے۔

سورۂ زمر میں آپ کو یہ سوال ملے گا:

﴿ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ﴾

(سورة الزمر: ٩، پ ٢٣)

ترجمہ: ''آپ ان سے پوچھئے! کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے دونوں برابر ہوسکتے ہیں؟''

سورۂ انعام میں ہے:

﴿ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ ۚ أَفَلَا تَتَفَكَّرُونَ ﴾

(سورة الأنعام: ٥٠، پ ٧)

ترجمہ: ''آپ ان سے پوچھئے کیا اندھا اور دیکھنے والا برابر ہو سکتے ہیں، تم غور و فکر کیوں نہیں کرتے۔''

سورۂ رعد میں ہے:

﴿ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ أَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمَاتُ وَالنُّورُ ﴾

(سورة الرعد: ١٦، پ ١٣)

ترجمہ: ''آپ سوال کیجیے! کیا نابینا اور بینا برابر ہو سکتے ہیں؟ کیا اندھیرا اور روشنی برابر ہوسکتے ہیں؟''

سورۂ فاطر میں مضمون کو مزید پھیلا دیا گیا، ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمٰى وَالْبَصِيرُ ۝ وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّورُ ۝ وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُورُ ۝ وَمَا يَسْتَوِي الْأَحْيَاءُ وَلَا الْأَمْوَاتُ﴾

(سورۃ فاطر: ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، پ: ۲۲)

ترجمہ: ''نابینا اور بینا، ظلمت اور نور، سایہ اور دھوپ برابر نہیں ہوسکتے اور نہ ہی زندہ اور مردہ برابر ہوسکتے ہیں۔''

یہ کون ہیں؟

یہ کون ہیں جنہیں زندہ اور کون ہیں جنہیں مردہ کہا جارہا ہے؟

اس سوال کا جواب بھی قرآن ہی سے مل جاتا ہے، مومن زندہ اور کافر مردہ ہے، موحد زندہ اور کافر مردہ ہے، اسلام نور ہے اور کفر تاریکی ہے، توحید بصارت ہے اور شرک اندھا پن ہے، اللہ کی اطاعت ٹھنڈی چھاؤں ہے اور اس کی نافرمانی چلچلاتی دھوپ ہے۔

سورۃ الانعام میں ہے:

﴿أَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَأَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهُ نُورًا يَمْشِي بِهِ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَثَلُهُ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِنْهَا﴾

(سورة الأنعام: ۱۲۲، پ ۸)

ترجمہ: ''بھلا جو شخص مردہ ہو پھر ہم اسے زندہ کردیں اور اسے ایسا نور عطا کردیں جسے ساتھ لیے وہ انسانوں میں چلتا پھرتا ہو، اس شخص جیسا ہوسکتا ہے جو ظلمتوں میں ہے، ان سے نکلنے والا نہیں۔''

یہ کون ہے جو مردہ تھا پھر اسے زندہ کردیا گیا؟

یہ وہ شخص ہے جو حالت کفر میں تھا پھر اسے نعمتِ ایمان عطا کردی گئی، جسے ایمان مل گیا،

اسے گویا زندگی اور روشنی مل گئی، وہ جہاں بھی ہوتا ہے ایمان کی روشنی اس کے ساتھ ہوتی ہے، وہ بازار میں ہو یا گھر میں، دفتر میں ہو یا دکان میں، کھیت میں ہو یا فیکٹری میں، ہر جگہ ایمان کا نور اس کے ساتھ ہوتا ہے۔

سن لیجیے! مومن میں نور ہوتا ہے اور مومن نور میں ہوتا ہے، اس کا چلنا پھرنا اور اٹھنا بیٹھنا سب نور میں ہوتا ہے اور اس کے ہر عضو میں نور ہوتا ہے۔ کانوں میں نور، آنکھوں میں نور، دل میں نور، دماغ میں نور۔

آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاء:

آپ نے اپنے آقا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ دعا سنی ہوگی جو صحیح بخاری اور مسلم میں حضرت ابن عباس ﷺ سے منقول ہے، آپ فرمایا کرتے تھے:

" اللّٰهم اجعل في قلبي نورا وفي بصري نورا وفي سمعي نورا وعن يميني نورا وعن شمالي نورا وخلفي نورا ومن إمامي نورا واجعل لي نورا وفي عصبي نورا وفي لحمي نورا وفي دمي نورا وفي شعري نورا وفي بشري نورا وفي لساني نورا واجعل في نفسي نورا واعظم لي نورا واجعلني نورا واجعل من فوقي نورا ومن تحتي نورا اللّٰهم أعطني نورا."

(بخاري : ٦١٧١، مسلم : ١٧٤٧)

ترجمہ:"اے اللہ! نور پیدا فرما دے میرے دل میں، میری آنکھوں میں، میرے کانوں میں، میرے دائیں، میرے بائیں، میرے پیچھے، میرے آگے اور مجھے ایک خاص نور عطا فرما دے اور نور رکھ دے میرے پٹھوں میں، میرے گوشت میں، میرے خون میں،

میرے بالوں میں، میرے چہرے میں، میری زبان میں اور میری جان میں اور مجھے نورِ عظیم عنایت کردے اور مجھے سراپا نور کردے اور میرے اوپر اور نیچے نور ہی نور کردے، اے اللہ! مجھے نور عطا فرمادے۔'' (تاکہ میں ایمان کی روشنی میں زندگی بسر کروں اور ہر طرح کی ظلمتوں سے نجات پاجاؤں)

آقا نے یہ دعاء اس لیے مانگی تاکہ مسلمان بھی اللہ تعالیٰ سے یہی دعاء مانگا کریں۔

انوکھا طریقہ تبلیغ:

جب انسان کلمہ طیبہ پڑھتا ہے تو اس کے سینے میں نور پیدا ہو جاتا ہے پھر اگر وہ سارے کام کرے جن کا تقاضا کلمہ طیبہ کرتا ہے تو اس نور میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے، کلمہ طیبہ سے کیسے نور پیدا ہوتا ہے؟ میں اس سلسلہ میں آپ کو ایک مبلّغ اسلام کا واقعہ سناتا ہوں، جس کا طریقہ تبلیغ بالکل انوکھا تھا، اس واقعہ کے راوی حضرت مولانا محمد تقی عثمانی زید مجدھم ہیں، وہ فرماتے ہیں:

''جاپان میں میری ملاقات ایک درویش صفت بزرگ مولانا نعمت اللہ خلیل صاحب سے ہوئی، وہ وہاں پر عجیب وغریب دھن کے ساتھ تبلیغ میں مصروف ہیں، ان کا نرالا طریق کار یہ ہے کہ انہوں نے چار صفحے کا ایک پمفلٹ جاپانی زبان میں ''اسلام کیا ہے؟'' کے عنوان سے چھپوا رکھا ہے، دوسری طرف جاپانی زبان کے چند جملے سیکھ لیے ہیں، جن میں سے ایک جملہ یہ ہے کہ جاپان کے لوگ بہت اچھے ہیں، مجھے ان سے محبت ہے،، اور میری طرف سے یہ تحفہ قبول کیجیے!'' جب ان کی کسی نئے جاپانی شخص سے ملاقات ہوتی ہے تو وہ پہلے اس سے یہ جملے بولتے ہیں پھر اپنا وہ کتابچہ تحفہ کے طور پر اسے پیش کردیتے ہیں، پھر اس

سے کہتے ہیں کہ جو میں کہوں آپ بھی کہیے" اس کے بعد اس کے سامنے کلمہ طیبہ پڑھتے ہیں اس کو چند مرتبہ دہرواتے ہیں، پھر اس سے اس کا نام پوچھتے ہیں وہ جو جاپانی نام بتاتا ہے اس کے ساتھ کوئی اسلامی نام مثلاً احمد، عمر، علی، وغیرہ لگا کر اس سے کہتے ہیں کہ آج سے آپ کا نام یہ ہے پھر اس سے پوچھتے ہیں کہ اب آپ کا نام کیا ہے؟ وہ ان کا تجویز کردہ نام دہرا دیتا ہے تو کہتے ہیں، اب آپ اطمینان سے یہ کتابچہ پڑھ لیجیے!"

مولانا سے ان کا یہ طریق کار سن کر ان سے پوچھا کہ "کیا اس طرح وہ اسلام کو سمجھ لیتا ہے۔" انہوں نے جواب دیا: "دراصل کلمہ طیبہ ایک نور ہے اگر اسے بے سمجھے بھی پڑھا جائے تو اس کا نور انسان پر کچھ نہ کچھ اثر ضرور ڈالتا ہے۔"

دیکھیے! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عکاظ کے میلے میں یہی دعوت دیتے تھے کہ لا الہ الا اللہ کہو، فلاح پا جاؤ گے، اس لیے میں چاہتا ہوں کہ میرا مخاطب ایک مرتبہ یہ نورانی کلمہ زبان سے کہہ لے تو اس کا نور کبھی نہ کبھی اثر دکھائے گا۔ مولانا کے ایک ساتھی نے بتایا کہ ایک دن ٹوکیو یونیورسٹی کے ایک استاذ اپنی تدریس کے سلسلے میں اسلام کے بارے میں کچھ معلومات حاصل کرنے سنٹر آئے جب وہ جانے لگے تو مولانا نعمت اللہ صاحب نے اپنے مذکورہ طریق کار کے تحت ان سے کہا کہ "لا الہ الا اللہ" پڑھیے انہوں نے پڑھ لیا اور مولانا کے اس انداز سے ایسے متاثر ہوئے کہ اس وقت واقعۃً اسلام قبول کر لیا اور کہا کہ میں یونیورسٹی کے دوسرے اساتذہ کو جمع کر کے انہیں بھی اس نعمت میں شریک کروں گا، چنانچہ چند روز بعد ان کا فون آیا کہ میں نے فلاں وقت پر بہت سے اساتذہ کو جمع کیا ہے اور انہیں اسلام کے بارے میں بتا بھی دیا ہے، ساتھ ہی انہوں نے مولانا نعمت اللہ صاحب سے فرمائش کی کہ

آپ اس وقت یونیورسٹی پہنچ جائیں، مولانا کو یونیورسٹی کا پتہ تک معلوم نہ تھا لیکن وہ پتہ پوچھتے پوچھتے وہاں پہنچ گئے، وہاں واقعۃً یونیورسٹی کے پندرہ بیس اساتذہ ایک کمرے میں جمع تھے، مولانا نعمت اللہ صاحب نے اپنا وہی نسخہ ان کے سامنے بھی آزمایا، وہ سب مسلمان ہو گئے۔

اللہ کی عجیب شان:

یہ بھی اللہ کی عجیب شان اور انسانی فطرت اور مزاج کی رنگارنگی ہے کہ بعض خوش نصیبوں کی قسمت لمحوں میں جاگ اٹھتی ہے اور ان کے سینے میں ایمان کا چراغ روشن ہو جاتا ہے اور بعض بدنصیب بظاہر ساری زندگی کلمہ پڑھتے رہتے ہیں مگر انہیں ایمان کی حقیقت نصیب نہیں ہوتی، عبداللہ بن ابی نے ساری زندگی کلمہ پڑھا لیکن ایمان کی حلاوت اور نور سے محروم ہی رہا۔

یہود کے نامور عالم حضرت عبداللہ بن سلام نے صرف ایک بار نبوت کا چہرہ دیکھا تو ﷺ بن گئے، فرماتے ہیں:

" فلما استبنت وجهه عرفت ان وجهه ليس بوجه كذاب. "

(سنن ابن ماجه : ١٣٧٥)

ترجمہ: "جب میں نے آپ کا چہرہ غور سے دیکھا تو میں نے جان لیا کہ یہ کسی جھوٹے کا چہرہ نہیں ہے۔"

حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ، قریش کے قاصد بن کر مدینہ آئے تھے، فرماتے ہیں:

" فلما رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم القى فى قلبي الإسلام. "

ترجمہ: "جب میں نے رسول اللہ صلی علیہ وسلم کو دیکھا تو اللہ نے میرے دل میں اسلام

کی حقانیت ڈال دی۔"

آپ ساحرانِ مصر کو دیکھیں جو سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ کرنے کے لئے آئے تھے، صبح جب میدان میں جانے لگے تو وہ فرعون سے بھاؤ تاؤ کر رہے تھے کہ اگر ہم نے میدان مار لیا تو ہمیں کچھ ملے گا یا نہیں؟

سورۂ اعراف میں ہے:

﴿ وَجَآءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوٓا إِنَّ لَنَا لَأَجْرًا إِن كُنَّا نَحْنُ الْغَالِبِينَ ﴾

(سورة الأعراف: ۱۱۳، پ: ۹)

ترجمہ: "جادوگر فرعون کے پاس آ کر کہنے لگے اگر ہم غالب آگئے تو ہمیں کچھ معاوضہ ملے گا؟"

فرعون نے جواب دیا:

﴿ قَالَ نَعَمْ وَإِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ ﴾

(سورة الأعراف: ۱۱٤ پ ۹)

ترجمہ: "ہاں اور (بڑا انعام یہ ملے گا کہ) تم میرے مقربین میں سے ہوگے۔"

مقابلہ ہوا، دونوں طرف سے یکے بعد دیگر لاٹھیاں اور رسیاں ڈالی گئیں، جادوگر سمجھ گئے کہ ہمارا سوانگ نرا جادو ہے اور موسیٰ کے پاس معجزہ ہے، ہم جادوگر ہیں، مگر موسیٰ پیغمبر ہیں، ہم جھوٹے ہیں، موسیٰ علیہ السلام سچے ہیں، ہمارا سارا عمل شیطانی ہے، موسیٰ کا سارا عمل ایمانی اور روحانی ہے، جب سمجھ گئے تو انہوں نے ایمان قبول کرنے میں دیر نہیں لگائی۔

اتنی تیزی سے سجدے میں گرے کہ لگتا تھا گرے نہیں ہیں گرائے گئے ہیں اور واقعی گرائے ہی گئے تھے، اللہ توفیق دیتا ہے تو بندہ ایمان قبول کرتا ہے، سجدے میں گرتا ہے، دعاء کے لیے ہاتھ اٹھاتا ہے، صدقہ خیرات کرتا ہے، کسی نے سچ کہا ہے۔

میری طلب بھی اُنہی کے کرم کا صدقہ ہے　　یہ قدم اُٹھتے نہیں اُٹھائے جاتے ہیں

قرآن کہتا ہے:

﴿وَأُلْقِيَ السَّحَرَةُ سَاجِدِينَ ۝ قَالُوا آمَنَّا بِرَبِّ الْعَالَمِينَ ۝
رَبِّ مُوسَىٰ وَهَارُونَ ۝﴾

(سورۃ الأعراف: ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، پ: ۹)

ترجمہ: ''جادوگر بے اختیار سجدے میں گر پڑے اور کہنے لگے کہ ہم رب العالمین پر ایمان لے آئے وہی جو موسیٰ اور ہارون کا رب ہے۔''

فرعون میدان میں تخت لگائے بیٹھا تھا، وہ آج موسیٰ کو مغلوب اور اپنے آپ کو غالب دیکھنا چاہتا تھا، اس کا سارا کھیل بگڑ گیا، تدبیر الٹی پڑ گئی، دیکھنا کچھ چاہتا تھا، دیکھنا کچھ اور پڑ گیا، اس کے کھلاڑیوں نے صرف شکست ہی تسلیم نہیں کی، ایمان بھی قبول کر لیا، وہ اول فول بکنے لگا، منہ سے جھاگ نکلنے لگی، دھمکیوں پر اتر آیا، جادوگروں سے کہنے لگا تمہیں ایسی سزا دوں گا کہ دنیا عبرت حاصل کرے گی، الٹی جانب سے تمھارے ہاتھ پاؤں کاٹ کر تمہیں سولی پر چڑھا دوں گا۔

ایمان انسان کو اندر سے کتنا مضبوط کر دیتا ہے؟ اس کا اندازہ لگانا ہو تو مکے کی گلی کوچوں میں تڑپنے والے غریب مسلمانوں کو نہیں، مصر کے میدان میں کلمہ حق کہنے والے جادوگروں کو دیکھ لیں...... میں تو کبھی کبھی جذبات میں آ کر کہہ دیا کرتا ہوں: یا اللہ! تو ہمیں ساحرانِ مصر جیسا ایمان عطا فرما دے...... ایسا ایمان جو نہ دولت اور حکومت سے مرعوب ہو، نہ کسی سپر پاور سے متاثر ہو اور نہ ہی خواہشات کے سیلاب میں بہہ جائے...... ساحرانِ مصر نے فرعون کی

دھمکیاں سن کر پہلے تو اللہ سے دعاء کی کہ یارب! ہمیں صبر اور ثابت قدمی کی توفیق دینا اور ہمارا خاتمہ ایمان اور اسلام پر کرنا، ایسا نہ ہو کہ ہم وقت کے ایک جابر اور ظالم کے جور وجفا سے گھبرا کے ایمان کا دامن چھوڑ دیں، پھر فرعون کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہنے لگے:

﴿قَالُوا لَن نُّؤْثِرَكَ عَلَىٰ مَا جَاءَنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالَّذِي فَطَرَنَا فَاقْضِ مَا أَنتَ قَاضٍ إِنَّمَا تَقْضِي هَٰذِهِ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا﴾

(سورهٔ طٰه: ۷۲، پ ۱۶)

ترجمہ: ''جس ذات نے ہمیں پیدا کیا ہے اور جو کچھ ہمارے پاس واضح دلائل آچکے ہیں ان پر ہم تمہیں ترجیح نہیں دے سکتے، لہٰذا جو کچھ کرنا ہے کرلو! تم تو بس اس دنیا کی زندگی ہی کا خاتمہ کر سکتے ہو۔''

چنانچہ انہوں نے جان قربان کر دی مگر ایمان سے پیچھے نہیں ہٹے۔ حضرت عبداللہ بن عباس ﷺ کا ایک قول نظر سے گزرا تھا، وہ فرماتے ہیں: ساحرانِ مصر کا مقدر دیکھئے! صبح کا آغاز ہوا تو وہ کافر تھے اور اللہ کے نبی کا مقابلہ کر رہے تھے اور اس دن کا سورج غروب ہونے سے پہلے نہ صرف مؤمن بن گئے بلکہ مقامِ شہادت پر فائز ہو گئے۔

جب شرحِ صدر ہو جائے:

جسے شرحِ صدر کی نعمت حاصل ہو جائے اس کے لئے دین کی خاطر ساری مشکلات کا برداشت کرنا آسان ہو جاتا ہے، دین کے ہر حکم پر چلنا آسان ہو جاتا ہے اور جسے یہ نعمت حاصل نہ ہو اسے دین قبول کرنے اور دین پر عمل کرنے میں اپنی موت دکھائی دیتی ہے۔

سورۃ الانعام میں ہے:

﴿ فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِی السَّمَآءِ ﴾

(سورة الأنعام: ١٢٥، ٨)

ترجمہ:'' جسے اللہ ہدایت دینے کا ارادہ کرے اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے اور جسے اللہ گمراہ کرنے کا ارادہ کرے اس کا سینہ انتہائی تنگ کر دیتا ہے جیسے وہ مشکل سے بلندی کی طرف چڑھ رہا ہو۔''

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے قلب منافق کے لئے " ضیقا حرجا " کے الفاظ استعمال کیے ہیں " ضیقا " کا معنی ہے تنگ اور جب اس کے ساتھ " حرجا " لگا دیا تو معنی ہو گیا انتہائی تنگ۔

تنگ کے ساتھ انتہائی یا شدید کا لفظ لگا دینے سے بھی وہ مفہوم پوری طرح ادا نہیں ہو سکتا جو'' حرجا'' میں پایا جاتا ہے۔

حضرت عمر ﷺ نے ایک اعرابی سے سوال کیا کہ وہ'' حرجۃ'' کسے کہتے ہیں، اس نے بتایا کہ گھنے درختوں کے جھنڈ کے درمیان ایک پودا ہوتا ہے، اس پودے تک کوئی جانور، کوئی انسان بلکہ کوئی بھی چیز نہیں پہنچ سکتی۔ آپ نے فرمایا: منافق کا دل بھی ایسا ہی ہوتا ہے کہ نیکی کی کوئی بات اس تک نہیں پہنچ سکتی۔

ایک نکتہ:

دِل چاہتا ہے کہ میں قرآن کریم کی بلاغت کا ایک نکتہ آپ کے سامنے بیان کروں، قرآن نے مختلف مفاہیم اور مطالب کی ادائیگی کے لیے جن الفاظ کا انتخاب کیا ہے، بسا

اوقات وہ الفاظ سن کر ایسا شخص بھی کسی حد تک مفہوم سمجھ لیتا ہے جو عربی زبان سے واقف نہیں ہوتا، مثال کے طور پر سورۂ فجر میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ كَلَّآ إِذَا دُكَّتِ الْأَرْضُ دَكًّا دَكًّا ۝ وَجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ﴾

(سورة الفجر: ٢١، ٢٢، پ: ٣٠)

ترجمہ: ''ہرگز ہرگز نہیں جب زمین کو کوٹ کوٹ کر برابر کر دیا جائے گا اور تیرا رب اور فرشتے صف بنا کر آجائیں گے۔''

یہ جو الفاظ ہیں "دكاً دكاً" یہ بتا رہے ہیں کہ کسی بہت ہی خوفناک حالت کا نقشہ کھینچا جا رہا ہے۔

اسی طرح سورۃ النور میں اللہ فرماتے ہیں:

﴿ أَوْ كَظُلُمَٰتٍ فِي بَحْرٍ لُّجِّيٍّ ﴾ (سورة النور: ٤٠، پ: ١٨)

ترجمہ: ''یا ان کی مثال ان تاریکیوں جیسی ہے جو بہت گہرے سمندر میں ہوں۔''

یہاں "لجی" کا لفظ بتا رہا ہے کہ کسی گہری اور سخت کیفیت کا بیان ہو رہا ہے۔

میرے بھائیو! قرآن کریم بادشاہوں کے بادشاہ کا کلام ہے، اس کے عجائب وغرائب اور نکات ولطائف قیامت تک ختم نہیں ہو سکتے، جس طبقہ کے لوگ بھی اس میں غور و تدبر کریں گے، اس میں اپنی روح کی تسکین اور دل کے اطمینان کا سامان پائیں گے۔

یہ ایسا گہرا سمندر ہے کہ نکالنے والے اس کی تہ سے موتی نکالتے رہیں گے، ان کے دامن اور جھولیاں ختم ہو جائیں گی مگر اس کے موتی ختم نہیں ہوں گے۔

عرض یہ کر رہا تھا کہ جس کا شرح صدر ہو جائے اس کے لئے ایمان قبول کرنا بھی

آسان، ایمان کی خاطر مصائب وآلام کے دریا سے گزرنا بھی آسان، ایمان کے تقاضوں کو پورا کرنا بھی آسان!

آپ حضرت بلال ﷺ کو دیکھیں......

حضرت خباب ﷺ کو دیکھیں......

حضرت خبیب ﷺ کو دیکھیں......

حضرت سمیۃ ﷺ اور حضرت یاسر ﷺ کو دیکھیں......

مہاجرین اور انصار کو دیکھیں......

جب اللہ تعالیٰ نے انہیں شرح صدر کی نعمت عطا فرمائی تو ان کے لئے ایمان کی خاطر جور وجفا کے ہر وار کا سہنا آسان ہو گیا۔

آپ حضرت فاطمہؓ بنت خطاب کو دیکھیں، عمرؓ بھی خطاب کے بیٹے تھے اور بہن بھی خطاب کی بیٹی تھیں، بہن نے ایمان قبول کر لیا، عمر کو پتہ چلا غصے میں لال پیلے ہو کر بہن کے گھر پہنچے، جاتے ہی پٹائی شروع کر دی، بہن نے پوری استقامت اور جرأت کے ساتھ جواب دیا: ''عمر! جو کر سکتے ہو کر لو، اب میں ایمان نہیں چھوڑ سکتی۔''

وہ کونسی طاقت تھی جس نے حضرت بلالؓ کو امیہ کے سامنے اور حضرت فاطمہؓ کو اپنے بارعب اور سخت مزاج بھائی کے سامنے کلمۂ حق کہنے کی جرأت عطا کی؟

یہ وہ طاقت ہے جسے ہم ایمان کے نور سے تعبیر کرتے ہیں، صرف مادی دنیا اور مادی اشیاء پر ایمان رکھنے والوں کی سمجھ میں یہ بات نہیں آسکتی کہ نور کیا ہے اور یہ نور دل میں کیسے پیدا ہوتا ہے؟ اسی طرح ان کی سمجھ میں یہ بات بھی نہیں آسکتی کہ آنکھوں میں، کانوں میں،

زبان میں، خون میں، پٹھوں میں، گوشت میں اور جسم کے ہر ہر عضو میں نور کیسے پیدا ہوتا ہے؟ اور اگر واقعی نور ہے یہ تو دکھائی کیوں نہیں دیتا؟ دسیوں ایمانی حقیقتیں ایسی ہیں جو دکھائی تو نہیں دیتیں مگر ایک سچا مسلمان ان کے وجود پر ایمان رکھتا ہے اور انہیں اپنے ایمانی حسن کی بنیاد پر محسوس کرتا ہے، شرح صدر اور نور ایمان بھی انہی حقیقتوں میں سے ایک حقیقت ہے۔

مؤمن اور منافق:

جس کے دل میں دُنیا میں ایمان کا نور پیدا ہو جائے گا، قبر میں بھی وہ نور اُس کے ساتھ ہوگا اور حشر میں بھی ساتھ رہے گا۔

چونکہ منافق صرف زبان سے کلمہ پڑھتا ہے اس لئے اس کے دل میں ایمان کا نور پیدا نہیں ہوتا۔

قیامت کا دن، حقائق کے واشگاف ہونے اور باطن کے ظاہر ہونے کا دن ہوگا، جو کچھ اندر ہوگا وہ باہر آ جائے گا، منافق کے دل میں ظلمت تھی، یہ ظلمت باہر آ جائے گی اور اسے اپنے آگے پیچھے ہر طرف ظلمت دکھائی دے گی، جبکہ مؤمن کے دل میں جو نور مستور تھا وہ بھی ظاہر ہو جائے گا اور وہ اسی نور کے ساتھ جنت کی طرف جائے گا، منافق جب مومن کو نور کے ہالے میں دیکھے گا تو اس کے منہ میں پانی آئے گا، وہ چاہے گا کہ مجھے بھی اس نور سے کچھ روشنی مل جائے مگر وہ اسے محروم رہے گا، اس لئے کہ قیامت کا دن، روشنی حاصل کرنے کا دن نہیں ہے، روشنی ظاہر ہونے کا دن ہے، جس نے دنیا میں روشنی حاصل کی ہوگی، قیامت کے دن وہ روشنی ظاہر ہو جائے گی اور اگر کوئی دنیا سے خالی ہاتھ گیا تھا، اس نے نہ تو روشنی کی اہمیت سمجھی اور نہ ہی اسے حاصل کرنے کی سنجیدہ کوشش کی تو قیامت کے دن اسے ایمان کی روشنی کسی سے بھی

حاصل نہیں ہو سکے گی، وہ چیختا چلاتا رہے گا، بال نوچے گا، انگلیاں کاٹ کھانے کو دوڑے گا، بعض لوگوں کو دنیا کی دوستی اور تعلقات کے واسطے دے گا مگر وہ محروم ہی رہے گا۔

سورۂ حدید میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے مومنوں کے نور کا اور منافقوں کے ساتھ ان کے مکالمے کا ذکر کیا ہے، ارشاد ہوتا ہے:

﴿يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ يَسْعَىٰ نُورُهُم بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِم

بُشْرَاكُمُ الْيَوْمَ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝

يَوْمَ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَالْمُنَافِقَاتُ لِلَّذِينَ آمَنُوا انظُرُونَا نَقْتَبِسْ مِن نُّورِكُمْ

قِيلَ ارْجِعُوا وَرَاءَكُمْ فَالْتَمِسُوا نُورًا فَضُرِبَ بَيْنَهُم بِسُورٍ لَّهُ بَابٌ بَاطِنُهُ فِيهِ

الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهُ مِن قِبَلِهِ الْعَذَابُ ۝﴾

(سورة الحديد: ١٢، ١٣، پ: ٢٧)

ترجمہ: ''اس دن آپ دیکھیں گے کہ ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کا نور ان کے آگے اور ان کے دائیں دوڑ رہا ہوگا (ان سے کہا جائے گا) آج تمہارے لئے خوشخبری ہے وہ یہ کہ ایسے باغات ہیں جن کے ساتھ نہریں جاری ہیں، ان میں ہمیشہ رہو گے، یہی ہے بڑی کامیابی، اس دن منافق مرد اور منافق عورتیں ایمان والوں سے کہیں گے، ہمارا خیال کرو! ہم تمہارے نور سے کچھ روشنی حاصل کرنا چاہتے ہیں، انہیں کہا جائے گا پیچھے چلے جاؤ اور نور تلاش کرو! پھر ان کے درمیان ایک دیوار کھڑی کردی جائے گی جس میں دروازہ ہوگا اس کے اندر رحمت ہوگی اور اس کے باہر عذاب ہوگا۔''

جب منافقوں سے کہا جائے گا کہ پیچھے جاؤ اور نور تلاش کرو! تو وہ اپنی حماقت اور کم عقلی

کی وجہ سے سمجھیں گے کہ شاید یہیں حشر میں پیچھے کوئی مرکز ہے جہاں سے نور حاصل ہوسکتا ہے حالانکہ کہنے والے کا مقصد یہ ہوگا کہ نور حاصل کرنے کی جگہ تو دنیا تھی وہاں تمہیں نور حاصل کرنا چاہیے تھا، چونکہ دنیا میں واپس جانا ناممکن ہے تو نور کا حاصل کرنا ہی ناممکن ہے، منافق پیچھے کی طرف دوڑ لگائیں گے مگر وہاں اندھیرا ہی اندھیر ہوگا اس لئے کہ وہاں تو اندر کا نور باہر آئے گا، جبکہ منافق کے اندر نور کہاں؟ اس کا دل تو کفر، بغض، کینہ، مفاد پرستی، خود غرضی اور اسلام دشمنی سے بھرا ہوتا ہے۔

جب دیکھیں گے کہ پیچھے تو اندھیرا ہی اندھیرا ہے تو دوبارہ مسلمانوں کی طرف آنا چاہیں گے، اس اثناء میں ان کے درمیان ایک دیوار کھڑی کردی جائے گی، یہ دیوار مسلمانوں اور منافقوں کے درمیان دنیا میں بھی ہوتی ہے مگر نظر نہیں آتی، منافق یہ دیوار گرنے نہیں دیتے، وہ اسلام اور مسلمانوں سے فاصلہ رکھ کر چلتے ہیں، دنیا میں جو دیوار انہوں نے اپنے دلوں اور دماغوں میں قائم کر رکھی تھی، وہ دیوار قیامت کے دن بالکل کھل کر سامنے آجائے گی، منافق دیوار دیکھ کر ہکا بکا رہ جائیں گے، چیخ چلا کر مسلمانوں کو اپنی حالت زار کی طرف متوجہ کریں گے:

﴿ يُنَادُوْنَهُمْ اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ الْاَمَانِيُّ حَتّٰى جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ وَغَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴾

(سورۃ الحدید: ۱٤، پ: ۲۷)

ترجمہ: ''انہیں پکار کر کہیں گے کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے؟ وہ کہیں گے ٹھیک ہے لیکن تم نے اپنے آپ کو فتنے میں ڈال لیا تھا اور تم انتظار کرتے رہے اور شک میں رہے اور جھوٹی

تمناؤں نے تمھیں دھوکے میں ڈالے رکھا حتی کہ اللہ کا حکم آپہنچا اور بڑا دھوکے باز تمہیں اللہ کے بارے میں دھوکہ دیتا رہا۔''

منافق حق پرستی کے بجائے نفس پرستی کرتا ہے اور یقین کے بجائے شک میں مبتلا رہتا ہے، آنکھیں بند کر کے اللہ اور رسول کی باتوں پر عمل کرنے کے بجائے انتظار کرتا رہتا ہے کہ دیکھیں کہ اونٹ کس کروٹ پر بیٹھتا ہے، اس کے دل میں شیطان یہ بات بٹھا دیتا ہے کہ اسلام اور مسلمانوں پر بہت مشکل وقت آنے والا ہے، بلکہ عین ممکن ہے کہ دنیا سے مسلمانوں کا نام ونشان ہی مٹ جائے اور اسلام کا نام لینے والا کوئی بھی باقی نہ رہے، اس لئے بہتر یہی ہے کہ کافروں کے ساتھ بھی تعلقات استوار رکھے جائیں تاکہ مشکل وقت میں ان سے تعاون حاصل کیا جا سکے، چونکہ اس کا دل کفر اور کافروں سے مرعوب اور متاثر ہوتا ہے، اس لیے وہ ان کی مخبری کرتا ہے انہیں مسلمانوں کو کمزور سے کمزور تر کرنے کے طریقے بھی بتاتا رہتا ہے۔

یہ سب کچھ وہ اس لئے کرتا ہے کیوں کہ ظاہری طور پر کلمہ پڑھ لینے کے باوجود وہ شرح صدر کی عظیم نعمت اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والے نور سے محروم رہتا ہے۔ یہ بھی عجیب معاملہ ہے کہ بعض لوگ ساری زندگی کلمہ پڑھنے کے باوجود نورِ ایمان سے محروم رہتے ہیں اور بعض کے سینے میں کلمہ پڑھتے ہی نور پیدا ہو جاتا ہے، یہ وہ لوگ ہیں جن کے دل میں نورِ فطرت پہلے سے موجود ہوتا ہے، جب نورِ فطرت کے ساتھ نورِ ایمان بھی شامل ہو جاتا ہے تو نور علی نور کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے، یہی وہ کیفیت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے سورۂ نور کی آیت ۳۵ میں بیان فرمایا ہے، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مؤمن کے دل میں اللہ کا جو نور پایا جاتا

ہے اس کی مثال بیان فرمائی ہے، اس نور کی مثال ایسے ہے جیسے طاقچے میں رکھا ہوا چراغ، وہ چراغ قندیل میں ہے، وہ قندیل اتنی شفاف اور چمکدار ہے گویا چمکتا ہوا ستارہ ہے، اس قندیل میں جو تیل استعمال ہوا ہے وہ زیتون کے مبارک درخت کا ہے، کسی عام درخت کا نہیں بلکہ ایسا درخت جو پورا دن دھوپ میں رہتا ہے، اس پر سایہ پڑتا ہی نہیں، ایسے درخت کا تیل سب سے زیادہ صاف ہوتا ہے، صفائی کی وجہ سے اس تیل کی چمک کا یہ حال ہے کہ لگتا ہے اگر اسے آگ نہ بھی دکھائی گئی تو بھی یہ جل اٹھے گا، یہاں پہنچ کر اللہ فرماتے ہیں:

﴿نُورٌ عَلَىٰ نُورٍ﴾ (سورۃ النور: ۳۵، پ ۱۸)

''نور پر نور ہے۔''

یعنی ایک نور نہیں بلکہ مومن کے دل میں دو نور ہیں، ایک تو نور فطرت ہے جو ہر بچہ لیکر پیدا ہوتا ہے مگر بعض لوگ اپنی مسلسل بدعملیوں کی وجہ سے اس نور سے محروم ہو جاتے ہیں اور بعض کے اندر یہ نور باقی رہتا ہے، دوسرا نور ایمان کا ہوتا ہے، جب نور فطرت کے ساتھ نور ایمان مل جاتا ہے تو نور علی نور والا معاملہ ہو جاتا ہے، جو انسان اپنے آپ کو باطل نظریات اور خیالات سے محفوظ رکھے اور قرآن سے مسلسل نور حاصل کرتا رہے، اس کے دل میں نور معرفت ترقی کرتا چلا جاتا ہے۔

داعی اور شرح صدر:

میرے بھائیو اور بہنو! یوں تو شرح صدر ہر مؤمن کے لیے ضروری ہے لیکن دین کے داعی اور مبلغ کے لیے شرح صدر سب سے زیادہ ضروری ہے، اس لیے کہ جب اسے یہ نعمت حاصل ہوگی تو اسے اپنی دعوت کی صداقت پر یقین ہوگا، اسے اللہ کی ذات پر بھروسہ ہوگا، وہ

کسی سے مرعوب نہیں ہوگا، چاہے وہ کوئی وڈیرا ہو یا وقت کا حکمران، وہ بڑی سے بڑی طاقت کے سامنے کلمہ حق کہنے سے نہیں ہچکچائے گا، اسی لئے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو جب فرعون کے سامنے دعوتِ حق کے لئے بھیجا جا رہا تھا تو انہوں نے اللہ سے دعاء کی تھی:

﴿رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي ۝ وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي ۝ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّن لِّسَانِي ۝ يَفْقَهُوا قَوْلِي﴾

(سورۂ طٰہٰ: ۲۵، ۲۶، ۲۷، پ: ۱۶)

ترجمہ: ''میرے رب! میرے سینے کو کھول دیجئے اور میرا معاملہ میرے لئے آسان کر دیجئے اور میری زبان کی گرہ کھول دیجئے تاکہ وہ میری بات سمجھ سکیں۔''

یہ نعمت جس کی دعاء حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کی تھی، اللہ تعالیٰ نے ہمارے آقا کو یہ نعمت خود ہی عطا فرما دی۔

سورۃ الانشراح میں ہے:

﴿أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ﴾ (سورة الانشراح: ۱، پ: ۳۰)

ترجمہ: ''کیا ہم نے آپ کے سینے کو کھول نہیں دیا۔''

تفسیر بیضاوی کے حاشیہ میں ہے کہ

"لم يشرح صدر احد من العالمين كما شرح صدره عليه السلام حتى وسع علوم الاوّلين و الآخرين."

''جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ کھولا گیا، ایسے سارے جہانوں میں سے کسی کا سینہ بھی نہیں کھولا گیا، حتیٰ کہ آپ کے سینہ میں اولین و آخرین کے علوم سما گئے۔''

حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک جتنے بھی رسول اور نبی آئے،

انہیں اللہ نے جتنے بھی علوم عطا کیے تھے وہ سب آپ کے مبارک اور کشادہ سینے میں سما گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ ایک فرعون سے تھا، جب کہ ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں کئی فرعون تھے مگر آپ کسی سے بھی مرعوب نہیں ہوئے۔

پورے مکہ میں آپ کے رشتہ داروں میں سے ایک ابو طالب ہی تھے جو آپ کا ساتھ دے رہے تھے لیکن ایک وقت ایسا آیا کہ وہ بھی لڑکھڑا گئے انہوں نے بڑی بے بسی سے کہا بھتیجے! مجھ پر اتنا بوجھ نہ ڈالو جسے میں برداشت نہ کرسکوں، میں قریش کے سارے سرداروں کی مخالفت برداشت نہیں کرسکتا، آپ سمجھ گئے کہ چچا بھی پیچھے ہٹنا چاہتے ہیں، آپ نے ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں کے ساتھ فرمایا! آپ ساتھ دیں یا نہ دیں میں دعوت سے باز نہیں آسکتا یہاں تک کہ یا تو اللہ اس دین کو غلبہ عطا فرمادے یا اس کی خاطر میری جان قبول ہوجائے۔

میری آج کی ساری گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ شرح صدر اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ اس نعمت کے حاصل ہوجانے کے بعد دین پر چلنا آسان ہوجاتا ہے، ایمان کی قدر و قیمت دل میں بڑھ جاتی ہے، مشکلات قدموں میں لغزش پیدا نہیں کرتیں، دعوت میں اثر اور جان پیدا ہوجاتی ہے۔

ہم سب کو چاہیے کہ بار بار شرح صدر کی دعا مانگا کریں۔

وآخر دعوانا أن الحمدللّٰہ رب العلمین

خاندانی منصوبہ بندی اُور اِسلام

الحمدللّٰہ وحدہ والصلوۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ، اما بعد!

فاعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

وَلَا تَقْتُلُوٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ۖ نَّحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ۚ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا

(سورۂ بنی اِسرائیل: ۳۱، پ: ۱۵)

میرے بھائیو اور بہنو! قرآن نازل ہونے سے پہلے عربوں میں قتلِ اولاد کی تین صورتوں کا رواج تھا، یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ وہ تین وجوہ سے اپنی اولاد کو قتل کرتے تھے:

۱- پہلی وجہ مشرکانہ توہمات تھے، اپنے جھوٹے معبودوں کو خوش کرنے کے لیے ان کے چرنوں پر اپنی اولاد کا خون بہاتے تھے، نذر مانتے تھے کہ اگر میرا فلاں کام ہو گیا تو میں اپنے بیٹے یا بیٹی کو ذبح کروں گا۔

آپ نے سنا ہوگا کہ ہمارے آقا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب نے پریشانی کے زمانے میں منت مانی تھی کہ اگر اللہ نے مجھے دس بیٹے دیئے اور وہ بلوغ کو پہنچ گئے تو ان میں سے ایک کعبہ میں لے جا کر قربان کردوں گا، جب دسویں بیٹے بھی بلوغ کو پہنچ گئے تو عبدالمطلب نے منت پوری کرنے کے لیے قرعہ ڈال کر بیٹے کا انتخاب کیا، قرعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہونے والے والد جناب عبداللہ کے نام نکلا، عبدالمطلب ذبح کرنے کے لیے تیار ہو گئے، ان کا عزم دیکھ کر رشتہ داروں اور دوستوں

نے انہیں اس بات پر آمادہ کرلیا کہ کاہن یا عرافہ سے حل معلوم کیا جائے، چنانچہ عبدالمطلب سجاد نامی کاہن سے ملنے یثرب گئے، اس زمانے میں وہ خیبر میں تھے، وہاں پہنچے تو اس نے قصہ سن کر مشورہ دیا کہ تم اپنے بیٹے اور خون بہا کے درمیان بار بار قرعہ ڈالتے رہو اور خون بہا کی مقدار میں اضافہ کرتے جاؤ یہاں تک کہ قرعہ میں خون بہا نکل آئے، انہوں نے ایسا ہی کیا، دس اونٹوں سے شروع ہو کر سو اونٹوں تک پہنچ گئے، اب جا کر بیٹے کی جگہ خون بہا کا قرعہ نکلا، چنانچہ انہوں نے جناب عبداللہ کی جگہ سو اونٹ ذبح کیے۔

مجھے اس سے بحث نہیں کہ جناب عبدالمطلب نے کس کے نام پر بیٹا ذبح کرنے کی نذر مانی تھی؟ مجھے تو صرف یہ ثابت کرنا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں اولاد کو ذبح کرنے کی نذر بھی مانی جاتی تھی۔

آپ نے دریائے نیل کے بارے میں بھی سنا ہوگا کہ جب وہ خشک ہو جاتا تھا تو اہل مصر کسی دوشیزہ کی قربانی دیا کرتے تھے، حضرت عمر ﷺ کو پتا چلا تو انہوں نے سختی سے منع کر دیا اور فرمایا کہ اگر وہ اللہ کے حکم سے بہتا ہے تو بہت اچھا ورنہ ہمیں اس کی روانی کی ضرورت نہیں۔ غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ زمانہ جاہلیت کے لوگ عام طور پر تین عوامل کی بناء پر اس قبیح حرکت کا ارتکاب کرتے تھے:

(۱) احترام انسانیت کا فقدان

(۲) جھوٹی غیرت

(۳) فقر وفاقہ اور معاشی بدحالی کا خوف

اب آیئے! ان تینوں پہلوؤں پر تفصیل سے روشنی ڈالتے ہیں۔

احترامِ انسانیت کا فقدان:

اَصل بات یہ تھی کہ مشرکوں کی نظر میں سورج، چاند، ستارے، سمندر، دریا اور مٹی پتھر سے بنی ہوئی مورتیاں قابلِ احترام تھیں، مگر انسان محترم نہیں تھا، چنانچہ انسان کو سب کے سامنے جھکنے پر مجبور بھی کیا جاتا تھا اور نذر و نیاز کے طور پر اسے ذبح بھی کیا جاتا تھا، قرآن کا عالمِ انسان پر بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے بتایا کہ اس کائنات میں خالقِ کائنات کے بعد اگر کوئی مخلوق قابلِ احترام ہے تو وہ صرف انسان ہے، کیا سورج اور کیا چاند، کیا زمین اور کیا آسمان، کیا سونا اور کیا چاندی۔ سب چیزیں انسان کے فائدے کے لیے پیدا کی گئی ہیں مگر انسان کو صرف اللہ کی عبادت اور خلافت کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ یہاں تک کہ فرشتوں جیسی نورانی مخلوق بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق انسان کی خدمت میں مصروف ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے پہلے انسان کو پیدا کیا تو فرشتوں کو اس کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم دے کر ثابت کر دیا کہ سب سے محترم مخلوق انسان ہے مگر شرط یہ ہے کہ وہ واقعی انسان ہو۔

انسان کے مکرم و محترم ہونے کا ذکر سورۂ بنی اسرائیل میں یوں کیا گیا ہے:

﴿ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰي كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ﴾

(سورۂ بنی اسرائیل: ۷۰، پ: ۱۵)

ترجمہ: ''یقیناً ہم نے اولادِ آدم کو عزت دی اور انہیں خشکی اور تری کی سواریاں دیں اور انہیں پاکیزہ چیزوں کی روزی دی اور اپنی بہت سی مخلوق پر انہیں فضیلت عطا فرمائی۔''

سورۃ التین میں باری تعالیٰ نے انسان کی خوبصورتی کو بیان کرنے کے لیے چار قسمیں کھائی ہیں، چار قسمیں کھانا انسان کو محترم ثابت نہیں کرتا تو اور کیا ثابت کرتا ہے؟

ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ۙ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ ۙ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ۙ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ۙ﴾

(سورة التين: ١ تا ٤، پ: ٣٠)

ترجمہ: ''قسم ہے انجیر کی اور زیتون کی اور طور سینا کی اور اس امن والے شہر کی، یقیناً ہم نے انسان کو بہترین صورت میں پیدا کیا۔''

ان شاء اللہ! تکریم انسان کے موضوع پر پھر کبھی تفصیلی گفتگو ہوگی۔ اس وقت تو یہ عرض کر رہا تھا کہ دور جاہلیت میں چونکہ انسانیت کا احترام دلوں سے ختم ہو گیا تھا اس لیے انسان کا خون دیویوں اور دیوتاؤں کی خوشنودی کے لیے بہایا جاتا تھا۔

سورۂ انعام، پارہ ۸ آیت ۱۳۷ میں ہے:

﴿وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ لِيُرْدُوْهُمْ وَلِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ ۚ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ﴾

''اور اسی طرح بہت سے مشرکین کی نظر میں ان کے معبودوں نے اپنی اولاد کو قتل کرنا خوش نما بنا رکھا ہے، تاکہ وہ انہیں ہلاکت میں ڈال دیں اور تاکہ ان پر ان کے دین کو مشتبہ کر دیں اگر اللہ کو منظور ہوتا تو وہ ایسا کام نہ کرتے تو آپ ان کو اور جو کچھ یہ غلط باتیں بنا رہے ہیں یونہی رہنے دیجیے!''

سورۂ انعام ہی کی آیت ۱۴۰ میں ہے:

﴿قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْٓا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًۢا بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّحَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ ۚ قَدْ ضَلُّوْا وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ﴾

ترجمہ: ''وہ لوگ یقیناً خسارے میں پڑ گئے جنہوں نے اپنی اولاد کو کسی دلیل کے بغیر

محض حماقت سے قتل کر ڈالا اور جو چیزیں اللہ نے انہیں کھانے کی دی تھیں ان کو اللہ پر جھوٹ بول کر حرام کر لیا، بے شک یہ لوگ گمراہی میں پڑ گئے اور وہ کبھی راہِ راست پر چلنے والے نہیں ہوئے۔"

جھوٹی غیرت:

تو زمانہء جاہلیت میں اولاد کو قتل کرنے کی پہلی وجہ تھی مشرکانہ توہمات، دوسری وجہ تھی جھوٹی غیرت۔

بعض جھوٹی غیرت کی وجہ سے بیٹیوں کو زندہ در گور کر دیتے تھے، وہ یہ برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ ان کی بیٹی کسی کے نکاح میں جائے اور کوئی ان کا داماد بنے۔

یہاں یہ بات جان لیں کہ بیٹیوں کو قتل کرنے کا رواج سارے عربوں میں نہیں تھا۔ ہمارے عوامی خطیب چونکہ ہر ایسی بات اور قصے کو اپنی تقریروں میں ضرور جگہ دیتے ہیں جو ان کے سامعین کو چونکا دے اور جس میں کوئی سسپنس اور تحیر خیزی ہو، اس لیے وہ بیٹیوں کو زندہ در گور کرنے کا تذکرہ بھی اس انداز میں کرتے ہیں جیسے کہ یہ رواج سارے ہی عربوں میں تھا۔

میں نے ایک جگہ خطیب صاحب کو اپنے کانوں سے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ لوگو! میں کیا بتاؤں عرب میں کیا ہوتا تھا؟ وہاں ابوجہل کی حکومت تھی اور اس نے یہ حکم جاری کر رکھا تھا کہ بیٹی کو پیدا ہوتے ہی قتل کر دیا جائے۔ اگر کوئی ایسا نہیں کرتا تھا تو ابوجہل کے سپاہی اور خفیہ کارندے پتا چلا لیتے تھے کہ فلاں گھر میں بچی پیدا ہوئی ہے مگر اس کے والدین نے اسے ابھی تک قتل نہیں کیا ہے، پھر ابوجہل دو چار روز کا الٹی میٹم دیتا تھا اگر پھر بھی حکم کی تعمیل نہ ہوتی

تو اس کے کارندے بچی چھین کر خود قتل کر دیتے تھے۔

حالانکہ سارے عربوں پر تو کیا صرف مکہ میں بھی ابو جہل کو کوئی بھی بادشاہ تسلیم نہیں کرتا تھا، وہ قریش کا ایک بڑا سردار تو تھا مگر بادشاہ نہیں تھا، نہ اس کی کوئی پولیس تھی اور نہ ہی اس کا بیٹیوں کے قتل سے کوئی تعلق تھا، یہ قابل نفرت اور ظالمانہ رسم چند قبائل تک محدود تھی۔

سورۂ تکویر میں اسی بربریت کی طرف اشارہ ہے:

﴿وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُىِٕلَتْ ۝ بِاَیِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ﴾

(سورۃ التکویر: ۸، پ ۳۰)

ترجمہ: ''اور جب زندہ گاڑی ہوئی لڑکی سے سوال کیا جائے گا کہ کس گناہ کی وجہ سے وہ قتل کی گئی؟''

سرزمینِ عرب پر اسلام کا سورج طلوع ہونے کے بعد یہ سب ظالمانہ رسمیں دم توڑ گئیں، بیٹوں کو بھی تحفظ ملا اور بیٹیوں کو بھی، کسی کو جرأت نہیں تھی کہ وہ معبودانِ باطلہ کے حضور اولاد کا نذرانہ پیش کر سکے یا جھوٹی غیرت کی خاطر بیٹی کا گلا گھونٹ سکے۔

فقر و فاقہ:

قتلِ اولاد کی تیسری وجہ فقر و فاقہ تھی، یہ سوچ کر بیٹیوں کو قتل کر دیا جاتا تھا کہ ان کا معاشی بوجھ کون برداشت کرے گا، انہیں کون کھلائے پلائے گا، بعض ماں باپ تو واقعی غریب ہوتے تھے اور بعض غریب نہیں ہوتے تھے۔ بس انہیں شیطان ڈراتا تھا کہ گھر میں کھانے والے زیادہ ہو گئے تو تم غریب ہو جاؤ گے۔

آپ غور کریں گے تو آپ کو اپنے گرد و پیش میں بھی ایسے لوگ مل جائیں گے جنہوں

نے اتنی دولت جمع کر رکھی ہے کہ اگر وہ سو سال تک ہاتھ پاؤں ہلائے بغیر کھاتے پیتے رہیں تو ان کی جمع شدہ پونجی ختم نہیں ہوگی مگر پھر بھی وہ یہ سوچ سوچ کر دبلے ہوتے جاتے ہیں کہ اگر یونہی خرچے بڑھتے گئے تو ہمارا کیا بنے گا؟ ہماری اولاد کہاں سے کھائے گی؟ وہ بیٹھے بیٹھے حساب کتاب لگاتے ہیں کہ اگر چار بچے مزید ہو گئے تو میٹرنٹی ہوم کا خرچہ اتنا ہوگا، آیا کی تنخواہ اتنی ہوگی، اسکول اور گاڑی کی فیس اتنی ہوگی، بیٹی ہوتو اسے جہیز بھی دینا پڑے گا، بچے بیمار ہوئے تو انہیں ہسپتال بھی لے جانا پڑے گا۔ ان تمام مسائل کا بہترین حل اور غربت سے بچنے کا طریقہ ان کی نظر میں یہ ہوتا ہے کہ بچے پیدا ہی نہ ہونے دیئے جائیں اور اگر پیدا ہو بھی جائیں تو ایک یا دو سے زیادہ بڑھنے نہ دیئے جائیں۔

ہزاروں قسم کی مخلوق کو پالنے والا اللہ، دونوں قسم کی ذہنیت رکھنے والے انسانوں سے کہتا ہے:

﴿ وَلَا تَقْتُلُوٓا أَوْلَـٰدَكُم مِّنْ إِمْلَـٰقٍ ۖ نَّحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاهُمْ ﴾

(سورة الأنعام: ۱۵۱، پ: ۸)

ترجمہ: ''اپنی اولاد کو فقر کی وجہ سے قتل نہ کرو، ہم تمہیں بھی رزق دیں گے اور انہیں بھی دیں گے۔''

یہ تو فرمایا سورۃ الانعام میں، جبکہ سورۃ بنی اسرائیل میں فرمایا:

﴿ وَلَا تَقْتُلُوٓا أَوْلَـٰدَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَـٰقٍ ۖ نَّحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ ﴾

(سورة بني إسرائيل: ۳۱، پ ۱۵)

ترجمہ: ''اپنی اولاد کو فقر کے ڈر سے قتل نہ کرو، ہم انہیں بھی روزی دیں گے اور تمہیں بھی دیں گے۔''

آپ نے شاید غور نہ کیا ہو کہ سورۂ انعام میں " من إملاق " ہے اور سورۂ بنی اسرائیل میں " خشية إملاق " ہے، دونوں میں فرق یہ ہے کہ جو شخص فی الحال فقیر اور غریب ہے اس کے لیے " مـن إمـلاق " استعمال ہوگا اور جو فی الحال تو غریب نہ ہو مگر اسے مستقبل میں غربت کا اندیشہ ہو، اس کے لیے " خشية إملاق " استعمال ہوگا، اللہ فرماتے ہیں اگر واقعی غربت ہو تو بھی اولاد کو قتل نہ کرو اور اگر غربت کا اندیشہ ہو تو بھی اولاد کو قتل نہ کرو۔

ایک اور نکتہ بھی ملاحظہ کریں کہ جہاں فی الحال فقر موجود ہے وہاں "نـرزقـكـم " (تمہیں رزق دیں گے) کو پہلے ذکر کیا اور جہاں مستقبل میں فقر کا اندیشہ ہو وہاں "نـرزقهم" (انہیں رزق دیں گے) کو پہلے ذکر کیا اس لیے کہ جب فقر پہلے سے ہے تو اس وقت اپنی معاشی ضروریات کی فکر پہلے سے ہوگی اس لیے تسلی دی گئی کہ ہم تمہیں بھی رزق دیں گے اور تمہاری اولاد کو بھی رزق دیں گے۔

اور جہاں فقر تو نہیں اندیشہ فقر ہو وہاں اپنے بارے میں کوئی زیادہ پریشانی نہیں ہوگی البتہ اولاد کے بارے میں فکر لاحق ہوگی کہ کہیں کثرتِ اولاد کی وجہ سے ہم غریب نہ ہو جائیں تو اطمینان دلایا گیا کہ ایسا نہیں ہوگا، وہ آئیں گے تو اپنا رزق ساتھ لے کر آئیں گے کیونکہ پالنے والے تو ہم ہیں، ہم انہیں بھی رزق دیں گے اور ان کی برکت سے تمہیں بھی رزق دیں گے۔

خاندانی منصوبہ بندی کا تحریکی پس منظر:

عربوں میں قتلِ اولاد کی یہ جو تین صورتیں تھیں یہ انفرادی سطح پر تھیں اور یہ بھی عرض کر چکا ہوں کہ اس جرم کا ارتکاب چند قبائل اور افراد تک محدود تھا، یہ بھی یاد رکھیں کہ اس قتل کے

خلاف آواز اٹھانے والے بھی بہت تھے، تاریخ کے مطالعہ سے تو پتا چلتا ہے کہ بعض حضرات نے تو مولود بچیوں کو زندہ درگور ہونے سے بچانا اپنی زندگی کا مقصد بنا رکھا تھا۔

حضرت صعصعہ بن ناجیہ رضی اللہ عنہ نے ایمان قبول کرنے کے بعد ایک موقع پر سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا:

''میں نے زمانہ جاہلیت میں تین سوساٹھ بچیوں کی جان بچائی ہے، مشرکین ان کو زندہ درگور کرنا چاہتے تھے مگر میں نے ہر بچی کے عوض دو گابھن اونٹنیاں اور ایک اونٹ دے کر ان کی جان بچائی۔ حضور! یہ فرمائیں کہ اس عمل کا مجھے کیا فائدہ ہوگا؟ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ کیا یہ کم فائدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے اسلام قبول کرنے کی توفیق بخشی تو نے یہ نیکی کا کام کیا تو اللہ تعالیٰ نے تجھے یہ صلہ دیا۔''

مجھے بتانا یہ تھا کہ اگر کسی قبیلے کے کچھ لوگ اس جرم کا ارتکاب کرتے تھے تو ایسوں کی بھی کمی نہیں تھی جو اسے نہ صرف بہت برا عمل سمجھتے تھے بلکہ اس کی روک تھام کی عملی کوشش بھی کرتے تھے۔

کثرتِ اولاد کے خلاف منظم انداز میں اٹھارھویں صدی عیسوی میں آواز اٹھائی گئی اور یہی آواز آگے چل کر باقاعدہ تحریک کی صورت اختیار کر گئی۔

اٹھارھویں صدی عیسوی میں ایک مشہور ماہر معاشیات ''مالتھوس'' نام کا گزرا ہے، یہ وہ وقت تھا جب خوشحالی کی وجہ سے انگلستان کی آبادی میں تیزی سے اضافہ ہو رہا تھا، اس نے حساب لگا کر بتایا کہ زمین پر قابلِ سکونت جگہ بھی محدود ہے اور معیشت کے وسائل بھی محدود ہیں، اگر نسل کی افزائش غیر محدود ہوگی تو جگہ بھی کم پڑ جائے گی اور معاشی وسائل بھی

ساتھ نہیں دے سکیں گے، لہٰذا خوشحالی کی سطح برقرار رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ آبادی کو کنٹرول کیا جائے۔

ماتھوس کے بعد آنے والے فلسفی بھی اسی کا راگ الاپتے اور اس کی ہاں میں ہاں ملاتے رہے۔۱۸۹۸ء میں برٹش ایسوسی ایشن کے صدر نے خطرے کا الارم بجا دیا، اس نے کہا دنیا گندم کی قلت سے دوچار ہونے والی ہے، موجودہ وسائل تیس سال سے زیادہ نہیں چل سکیں گے۔ اگر آبادی میں یونہی اضافہ ہوتا رہا تو انسان بھوک سے مرنے لگیں گے، ماہرین معیشت نے کیلکولیٹر کر کے بتایا کہ ۱۸۹۸ء میں انگلستان کی آبادی ۳۸ ملین ہے تو سو سال بعد کم از کم سو ملین ہو جائے گی جبکہ وسائل اتنے ہی رہیں گے جتنے آج ہیں، اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ لوگ ایک ایک لقمے کو ترسیں گے۔

اپنے من گھڑت اعداد و شمار کی بنیاد پر انہوں نے لوگوں کو اتنا ڈرایا کہ وہ ان کے بہکاوے میں آ گئے اور ضبط ولادت کا جو عمل پہلے عذر کی بناء پر یا جہالت کی وجہ سے انفرادی طور پر کیا جاتا تھا اب اجتماعی طور پر کیا جانے لگا اور اسے ایک منظم تحریک کی شکل دے دی گئی۔

بدگمانی اور جہالت:

یہ ماہرین اپنی جہالت کی وجہ سے یہ نہ جان سکے کہ خالق کائنات نے زمین اور سمندر کے سینے میں رزق کے اتنے خزانے چھپا رکھے ہیں کہ وہ قیامت تک ختم نہیں ہو سکتے:

پٹرول، گیس، تیل اور معدنیات کے خزانے زمین میں ہیں......

گندم، مکئی، باجرا، آٹے اور روٹی کے خزانے زمین میں ہیں......

روئی، کپاس، کپڑے اور ریشم کے خزانے زمین میں ہیں......

آم، کینو، مالٹے، تربوز، خربوزہ، سیب، اور انار جیسے پھلوں کے خزانے زمین میں ہیں......

دودھ، مکھن، اور پنیر کے خزانے زمین میں ہیں......

آپ کو شاید تعجب ہو رہا ہو کہ یہ میں کیا کہہ رہا ہوں کہ دودھ اور مکھن کے خزانے بھی زمین میں ہیں......لیکن اگر آپ میری بات پر غور کریں گے تو آپ کا تعجب ختم ہو جائے گا۔

ہم زمین میں بیج ڈالتے ہیں، وہی بیج ایک ایک پودے پر سات سات بالیاں کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے، انہی بالیوں سے گندم حاصل ہوتی ہے، اسی گندم سے روٹی بنتی ہے، اسی گندم سے ڈبل روٹی اور بیکری کی دوسری چیزیں بنتی ہیں۔

ہم زمین میں بیج ڈالتے ہیں، وہ بیج چارے کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے، وہی چارہ حیوان کھاتا ہے، اس کے تھنوں سے صاف شفاف دودھ برآمد ہوتا ہے، اس دودھ سے مکھن اور پنیر حاصل ہوتا ہے، حیرت کی بات ہے کہ وہ چارہ ویسے کھائیں تو اس میں کوئی چکنائی نہیں لیکن جب وہی چارہ دودھ اور پھر مکھن اور پنیر کی شکل میں آتا ہے تو اس میں بے پناہ چکنائی ہوتی ہے۔

ہم زمین میں بیج ڈالتے ہیں، وہ بیج کپاس کا پودا بنتا ہے جس سے روئی حاصل ہوتی ہے وہی روئی لباس کی شکل میں جسم کو زینت بخشتی ہے۔

ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے اللہ نے زمین میں بیکری کی بے شمار مصنوعات، دودھ، مکھن کے خزانے اور لباس کے ختم نہ ہونے والے انبار چھپا رکھے ہیں۔ وہ لوگ اللہ تعالیٰ سے سخت بدگمانی رکھتے ہیں جن کا خیال ہے کہ اللہ کھانے والے تو بے شمار پیدا کرتا ہے مگر کھانا کم پیدا

کرتا ہے، یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی شخص اپنے گھر میں کھانے کے لیے ایک ہزار افراد کو بلا لے مگر انتظام صرف سو بندوں کا کرے۔

آپ خود سوچیے! آنے والے مہمان اس کے بارے میں کیا کہیں گے؟

میرا اللہ ایسا نہیں کرتا اور ایسا کر بھی نہیں سکتا کہ کھانے والے تو پیدا کرتا جائے مگر کھانا پیدا نہ کرے، جو دانشور ایسا سوچتے ہیں ان پر سورۂ آل عمران کی یہ آیت صادق آتی ہے:

﴿ طَآئِفَةً مِّنكُمْ وَطَآئِفَةٌ قَدْ أَهَمَّتْهُمْ أَنفُسُهُمْ يَظُنُّونَ بِاللَّهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ﴾

(سورۂ آل عمران: ١٥٤، پ: ٤)

ترجمہ: ''ایک گروہ ایسا ہے جنھیں اپنی ذات کی فکر نے پریشان کر رکھا ہے، وہ اللہ کے بارے میں ناحق بڑی جاہلانہ بدگمانیاں رکھتے ہیں۔''

قدرت کا انتظام:

میرے اور آپ کے اللہ کے پاس ہر چیز کے بے پناہ خزانے ہیں مگر وہ سارے خزانے یکایک نازل نہیں کرتا کیونکہ انسان کے پاس اسٹور اور جمع کرنے کی جگہ نہیں کہ وہ ان چیزوں کو ان میں جمع کر سکے۔

سورۂ حجر میں ہے:

﴿ وَإِن مِّن شَيْءٍ إِلَّا عِندَنَا خَزَائِنُهُ وَمَا نُنَزِّلُهُ إِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُومٍ ﴾

(سورۂ حجر: ٢١، پ: ١٤)

ترجمہ: ''اور جتنی بھی چیزیں ہیں ان سب کے خزانے ہمارے پاس ہیں اور ہم ہر چیز کو مقرر انداز سے اتارتے ہیں۔''

اور سورۂ قمر میں ہے:

﴿إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَٰهُ بِقَدَرٍ﴾ (سورۂ قمر: ۴۹، پ: ۲۷)

ترجمہ: ''ہم نے ہر چیز کو اندازے سے پیدا کیا ہے۔''

آپ سمندروں، جنگلوں، پہاڑوں اور زمین کے نیچے اور اوپر رہنے والی دوسری مخلوق کو دیکھیں جس کی تعداد انسانوں سے کہیں زیادہ ہے اور ان میں سے بعض کی خوراک سوسو بندوں کے برابر ہے، ان میں سے اکثر کا حال یہ ہے کہ وہ اپنی خوراک اسٹاک بھی نہیں کر سکتے، مچھلیاں اپنے مسکن سے، درندے اپنی غاروں سے، پرندے اپنے گھونسلوں سے اور حشرات اپنی بلوں سے روزانہ نکلتے ہیں اور پیٹ بھر کر واپس آجاتے ہیں، قدرت نے ان کے لیے ایسا دسترخوان بچھا رکھا ہے جو ہر کسی کو نظر نہیں آتا، اسی دسترخوان سے وہ اپنا اپنا حصہ وصول کرتے ہیں اور چلے جاتے ہیں۔

اللہ سوال کرتے ہیں کوئی ہے ان حیوانوں، چوپاؤں، کیڑوں مکوڑوں، پرندوں، درندوں، مچھلیوں اور دوسری بے شمار مخلوق کو روزی دینے والا؟ یقیناً اللہ کے سوا کوئی نہیں!

سورۂ عنکبوت میں ہے:

﴿وَكَأَيِّن مِّن دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا ٱللَّهُ يَرْزُقُهَا وَإِيَّاكُمْ وَهُوَ ٱلسَّمِيعُ ٱلْعَلِيمُ﴾

(سورۂ عنکبوت: ۶۰، پ: ۲۱)

ترجمہ: ''اور کتنے ہی ایسے چوپائے ہیں جو اپنی روزی اٹھا نہیں سکتے، اللہ انہیں بھی روزی دیتا ہے اور تمہیں بھی دیتا ہے اور وہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔''

مالتھوس جیسے ماہرین جنہوں نے اعداد و شمار کے گورکھ دھندے سے پوری دنیا کو

خوفزدہ کررکھا ہے وہ بتائیں......

کیا یہ حقیقت نہیں کہ ابھی تک دنیا کی اسّی فیصد قابلِ کاشت زمین میں سے صرف دس یا پندرہ فیصد زمین کاشت ہوسکی ہے، ستر، پینسٹھ فیصد زمین اس انتظار میں ہے کہ انسان آئے اوراس کا سینہ چیر کر اپنے حصے کی روزی حاصل کرلے۔

کیا یہ حقیقت نہیں کہ چند سال پہلے سال میں ایک فصل حاصل ہوتی تھی جبکہ آج کل بعض جگہ چار چار فصلیں حاصل کی جارہی ہیں۔

کیا یہ حقیقت نہیں کہ جس کھیت سے کل تک بمشکل دس بیس من اناج حاصل ہوتا تھا آج اسی کھیت سے زراعت کے جدید طریقوں کی بدولت پچاس بلکہ سومن اناج حاصل کیا جارہا ہے۔

کیا یہ حقیقت نہیں کہ امریکہ اور دوسرے مغربی ممالک میں ہر سال سینکڑوں من گندم زائد پیداوار کی وجہ سے سمندر برد کردی جاتی ہے؟

مستقبل کی ہولناک تصویریں کھینچنے والے بتائیں! کیا یہ حقیقت نہیں کہ آج کے انسان کو جو سہولیات اور خوردونوش کی فراوانی حاصل ہے اس کے آباؤ اجداد کو حاصل نہیں تھی؟

لاکھوں گھرانے ایسے ہیں جن کے باپ دادا چٹنی اور اچار سے گزارہ کرتے تھے آج وہ برگر، تکے، کباب اور نہ معلوم کیا کیا الا بلا کھاتے ہیں، پھر بھی اتنا بچ جاتا ہے کہ جمعدار تھیلے بھر بھر کر لے جاتے ہیں۔

باپ دادا پورا سال ایک دو جوڑوں میں گذار دیتے تھے، ان کی اولاد کے پاس اتنے جوڑے ہوتے ہیں کہ شمار نہیں کرسکتے۔

باپ دادا میلوں پیدل سفر کرتے تھے، گدھے اور گھوڑے کا کرایہ دینے کے لیے بھی ان کی جیب میں چند آنے نہیں ہوتے تھے جبکہ اولاد کا حال یہ ہے کہ ان کے گیراج میں کئی کئی گاڑیاں کھڑی رہتی ہیں، ملتان اور لاہور تک جانا ہو تو ہوائی جہازوں میں سفر کرتے ہیں۔

باپ دادا، دوا دارو کے لیے دیسی جڑی بوٹیوں اور ٹونے ٹوٹکوں پر انحصار کرتے تھے جبکہ ان کی اولاد مہنگے ترین ہسپتالوں کا رُخ کرتی ہے، ضرورت پڑے تو علاج کے لیے بیرونِ ملک بھی چلے جاتے ہیں۔

باپ دادا جھگیوں میں رہتے تھے جبکہ اولاد دو، دو اور چار چار ہزار گز کے بنگلے میں رہتی ہے۔

صاف نظر آ رہا ہے کہ ہمارا خالق اور رازق اگر مخلوق میں اضافہ کر رہا ہے تو ساتھ ساتھ وسائل میں بھی اضافہ کر رہا ہے، وہ جانتا ہے نئے دور کا انسان کمزور ہے، زیادہ مشقت اور تکلیف برداشت نہیں کر سکتا اس لیے وہ نئی نئی ایجادات اور سہولیات کے لیے انسان کے ذہن کی بند گرہیں کھولتا جاتا ہے۔

یہ سب کون کر رہا ہے؟

یہ بھی جان لیں کہ آبادی کو کنٹرول کرنے اور ایک حد میں رکھنے کا باری تعالیٰ کا اپنا انتظام ہے اور وہ ایسا انتظام ہے کہ اس میں کوئی خلل نہیں، وہ انتظام مسلسل کارفرما ہے۔

آپ کو یہ سن کر حیرت ہوگی کہ ایک مرد کے نطفے میں تیس چالیس کروڑ جرثومے ہوتے ہیں، ان میں سے ہر جرثومہ بچہ پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے گویا ایک وقت میں ایک مرد سے جو مادہ خارج ہوتا ہے اس سے تیس چالیس کروڑ بچے پیدا ہو سکتے ہیں مگر تیس کروڑ تو کیا

آپ نے کبھی صرف تین بچے پیدا ہونے کی بھی خبر سنی ہے؟

وہ کون ہے جو انتالیس کروڑ، ننانوے لاکھ، ننانوے ہزار، نوسوننانوے جرثومے ہلاک کر دیتا ہے اور صرف ایک جرثومے کو نشو و نما کے مراحل سے گزارنے اور اپنا کردار ادا کرنے کے لیے دنیا میں آنے کی اجازت دیتا ہے؟

مجھے بتایئے! وہ کونسا محکمہ ہے جو کروڑوں جرثوموں کی ہلاکت کا انتظام کرتا ہے؟

اللہ کے سوا کوئی ہے تو بتایئے! اس کا نام؟

اگر اللہ ان زائد جرثوموں کی ہلاکت کا فیصلہ نہ فرماتا اور صرف ایک مرد ہی کے مادے سے سال بھر تک بچے پیدا ہوتے رہتے تو اس کی اولاد دنیا کی موجودہ آبادی سے کئی گنا زیادہ ہوتی۔

پھر ایسا بھی تو ہو سکتا تھا کہ اللہ تعالیٰ ایک مرد کے مادہ میں دو چار بچوں سے زیادہ بچوں کی تخلیق کی صلاحیت نہ رکھتا، کروڑوں جرثومے رکھنے کی ضرورت ہی کیا تھی، کہیں ایسا وہ اس لیے تو نہیں کرتا تاکہ انسان اس سارے نظام پر غور و فکر کرے اور پھر بے ساختہ پکار اٹھے:

﴿فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ﴾ (سورۃ المؤمنون: ١٤، پ ١٨)

ترجمہ: ''برکتوں والا ہے وہ اللہ جو سب سے بہتر پیدا کرنے والا ہے۔''

ایک اور مثال سنیے! سمندر میں اسٹار نام کی ایک مچھلی پائی جاتی ہے جو ایک وقت میں بیس لاکھ انڈے دیتی ہے، اگر اس کے سارے انڈوں سے بچے نکل آئیں تو اس کی تیسری یا چوتھی نسل سے اتنی مچھلیاں پیدا ہو جائیں کہ سارے سمندر اسٹار مچھلی سے بھر جائیں، ان میں کسی دوسری مخلوق کے لیے تو کیا پانی کے لیے بھی جگہ باقی نہ رہے، وہ کون ہے جو اس کے

چند انڈوں کو بارآور کرتا ہے اور باقی کروڑوں انڈوں کو تلف کر دیتا ہے؟

یقین جانیں! یہ کام میرے اللہ کے سوا کوئی نہیں کرتا، جو جانتا ہے کہ سمندر میں کونسی مخلوق کتنی تعداد میں ہونا ضروری ہے۔

نسلِ انسانی کی افزائش کے حوالے سے پریشان ہونے والے مجھے بتائیں کہ کون ہے جو چڑیوں، کبوتروں، کوؤں، شیروں، چیتوں، گدھوں، گھوڑوں، اور اونٹوں کی تعداد ایک حد تک محدود رکھے ہوئے ہے؟

ایک سچا مومن یہی جواب دے گا کہ ضبطِ نسل کا یہ کام اللہ کے سوا کوئی نہیں کر رہا۔

افزائشِ نسل کے جو معیار آپ نے مقرر کر رکھے ہیں ان کے مطابق تو یہ ہونا چاہئے تھا کہ ہر طرف گھوڑوں کے ریوڑ آوارہ پھر رہے ہوتے، ان کی کوئی قیمت ہی نہ ہوتی، اس لیے کہ آج سے صرف سو سال پہلے گھوڑے کا استعمال بہت زیادہ تھا، جنگ میں، پیغام رسانی میں، ڈاک کی تقسیم میں، دور اور قریب کے سفر میں ہر جگہ گھوڑا استعمال ہو رہا تھا، حمل ونقل کے جدید اور تیز ترین وسائل کی ایجاد کے بعد گھوڑے بیکار ہوگئے، سوائے اس کے کہ ریس میں دوڑتے ہیں یا پسماندہ علاقوں میں تانگے اور یکے میں انہیں استعمال کیا جاتا ہے۔

کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ جب انسانوں کو ان کی ضرورت زیادہ تھی تو پیدا بھی زیادہ ہو رہے تھے اور جب ضرورت کم ہوگئی تو پیدا کرنے والے نے شرح پیدائش بھی کم کر دی؟

یقین کریں! ایمانی عقل سے سوچنے والوں کی رائے یہی ہے۔

جواز کی صورتیں:

بھائیو اور بہنو! زیادہ بچے پیدا کرنا کوئی فرض اور واجب نہیں بلکہ یہ سنت بھی نہیں ہے،

زیادہ سے زیادہ ہم اسے ایک پسندیدہ عمل کہہ سکتے ہیں۔

فرض اور واجب تو کیا ہوگا، بعض صورتوں میں علماء نے "برتھ کنٹرول" کی اجازت بھی دی ہے، مثلاً:

- اگر عورت کی صحت ولادت کی اجازت نہیں دیتی اور کوئی دیانتدار ڈاکٹر کہہ دے کہ بچے کا پیدا ہونا ماں کی زندگی کے لیے خطرہ ثابت ہوسکتا ہے یا اسے خطرناک بیماری میں مبتلا کر سکتا ہے۔
- پہلا بچہ بہت کمزور اور دودھ پیتا ہو، اندیشہ ہو کہ حمل ٹھہر جانے سے اس کی صحت متاثر ہوسکتی ہے۔ ابوداؤد کی ایک حدیث میں خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ناپسند کیا ہے کہ پہلا بچہ ابھی دودھ پیتا ہو تو دوسرا حمل ٹھہر جائے۔
- تعلیم و تربیت کی خاطر..... مثلاً بیوی ایسی ہو جس کے بارے میں تجربہ سے ثابت ہو چکا ہو کہ اس کی گود میں پلنے والی اولاد نافرمان ہی ہوتی ہے یا دہ کتابیہ ہو اور اندیشہ ہو کہ وہ اولاد کو بھی اپنے مذہب پر لانے کی کوشش کرے گی۔
- کوئی شخص غیر مسلم ملک میں رہتا ہے اور وہاں اس نے محض اپنے آپ کو زنا سے بچانے کے لیے نکاح کیا، چونکہ اس نے واپس اپنے ملک جانا ہے اس لیے وہ بچے پیدا نہیں کرنا چاہتا۔
- کوئی شخص ایسے ملک میں رہتا ہے جہاں ایک یا دو سے زائد بچے پیدا کرنا قانوناً جرم ہے..... تو ان تمام صورتوں میں خاندانی منصوبہ بندی کی مناسب تدبیر پر عمل کیا جاسکتا ہے۔

سوچ کا فرق:

میں عرض کر چکا ہوں کہ زیادہ بچے پیدا کرنا فرض نہیں، اہل علم نے بعض مجبوریوں اور عوارض کی بناء پر فیملی پلاننگ کی اجازت دی ہے، بنیادی فرق ہمارے درمیان اور فیملی پلاننگ کی تحریک چلانے والوں میں نیت اور سوچ کا ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ اگر عورت زیادہ بچے جنے گی تو نہ ملازمت کر سکے گی نہ سوشل سرگرمیوں میں حصہ لے سکے گی۔

ہم کہتے ہیں کہ کسب معاش کی ذمہ داری عورت پر نہیں ہے بلکہ یہ ذمہ داری مرد کی ہے، سورۂ نساء میں ہے:

﴿ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ﴾

(سورة النساء: ٣٧، پ ٥)

''مرد، عورتوں کے ذمہ دار ہیں اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اور اس وجہ سے کہ مرد اپنے اموال (ان پر) خرچ کرتے ہیں۔''

مجبوری کی حالت میں عورت کو اجازت دی جا سکتی ہے، یونہی اگر پردے کا پورا اہتمام ہو تو عورت تعلیم اور تجارتی سرگرمیوں میں حصہ لے سکتی ہے لیکن عام حالات میں عورت کا اصل دائرہ کار اس کا گھر ہے، مرد باہر کا محاذ سنبھالے اور عورت اندر کا محاذ سنبھالے، اندر کا محاذ سنبھالنا بھی کوئی آسان کام نہیں ہے۔ اگر مرد کو سنبھالنا پڑے تو چھٹی کا دودھ یاد آ جائے۔

- اسی طرح خاندانی منصوبہ بندی کے پرچارک کہتے ہیں، زیادہ بچے پیدا ہو گئے تو

معیارِ زندگی متاثر ہوگا، نہ اونچے اسکولوں میں بچے داخل ہوسکیں گے، نہ مہنگے ہسپتالوں میں علاج ہوسکے گا، نہ بدلتے فیشن کا ساتھ دیا جاسکے گا، نہ دھوم دھڑکے سے شادی بیاہ کی تقریبات ہوسکیں گی۔

ہم کہتے ہیں ہمارا مذہب ہمیں سادگی کی تعلیم دیتا ہے، نہ اسراف کی اجازت، نہ دکھاوے کی اجازت، نہ ناک اونچی کرنے کی اجازت، نہ چادر سے زیادہ پاؤں پھیلانے کی اجازت، جب سادگی کے ساتھ زندگی گذاری جائے گی تو سکون بھی ہوگا اور محدود وسائل میں زیادہ افراد گذارا بھی کرسکیں گے۔

- وہ کہتے ہیں، کثرتِ اولاد بڑی شرم کی چیز ہے، لوگ کیا کہیں گے، اتنے بچے پیدا کرلیے یہ تو پوری ٹیم تیار ہوگئی۔

ہم کہتے ہیں مغربی تہذیب کے علمبرداروں نے مسلسل پروپیگنڈا سے اور " بچے دو ہی اچھے" کے نعرے لگا لگا کر کثرتِ اولاد کو شرم کی چیز بنا دیا ہے ورنہ اگر اولاد نیک اور صاحب علم و عمل ہو تو اس کی زیادتی باعثِ شرم نہیں بلکہ باعثِ فخر ہے، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، آپ سوچیں جن والدین کے دس بیٹے اور بیٹیاں ہوں اور سب حافظ، قاری، عالم، مفتی یا ان میں سے کچھ عالم اور کچھ خدمت کرنے والے ڈاکٹر، مسلمانوں کی ترقی کا جذبہ رکھنے والے سائنسدان اور بنیاد پرست قسم کے مسلمان انجینئر ہوں ..... ان والدین کی ہر محفل میں کتنی عزت ہوگی؟ ان کا نام کتنا اونچا ہوگا؟

اور آخرت میں جو عزت ہوگی، اس عزت کا تصور تو ہم دنیا میں کر ہی نہیں سکتے، میرا دل کہتا ہے ایسے والدین جنہوں نے محض سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشورہ کی تعمیل میں

زیادہ بچے جن کران کی اسلام پر تربیت کی ہوگی انہیں آپ اپنے دستِ مبارک سے آبِ کوثر پلائیں گے۔

کثرتِ اولاد کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مشورہ اس لیے کہہ رہا ہوں کیونکہ آپ کا مبارک ارشاد ہے جو صحابیِ رسول ﷺ حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ:

"تزوجوا الودود الولود فإني مكاثر بكم الأنبياء."

(مشكوة شريف، كتاب النكاح: صـ ٢٦٧۔ سنن أبي داوٗد، باب في تزويج الأبكار، صـ: ٢٨٧)

ترجمہ: "تم محبت کرنے والی اور بچے پیدا کرنے کی صلاحیت رکھنے والی خواتین سے شادی کرو کیونکہ میں انبیاء کے سامنے تمہاری کثرت پر فخر کروں گا۔"

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے، وہ فرماتے تھے: بسا اوقات میں خواہش نہ ہونے کے باوجود صرف اس لیے شادی اور جماع کرتا ہوں تاکہ اللہ تعالیٰ مجھے ایسی اور اتنی اولاد دے کہ قیامت کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کی وجہ سے انبیاء پر فخر فرماسکیں۔

اور ایک روایت میں " تسبح " کے الفاظ ہیں جن کا مطلب یہ ہے کہ اللہ ایسی اولاد دے جو اللہ کا ذکر اور حمد وثناء کرنے والی ہو۔

بعض لوگ اس لیے بھی ضبطِ تولید کے مشورے پر عمل کرتے ہیں تاکہ لڑکی کی ولادت سے بچ سکیں، انہیں لڑکی کا باپ بننے پر شرم محسوس ہوتی ہے، حیرت کی بات یہ ہے کہ یہ شرم انہیں آتی ہے جو حقوقِ نسواں پر اتنے لیکچر دیتے ہیں کہ لگتا ہے ان سے زیادہ

بہنوں اور بیٹیوں کے حقوق کا کوئی حامی اور محافظ ہے ہی نہیں، حالانکہ بیٹی یا بیٹیوں کا باپ ہونے پر شرمندگی محسوس ہونا زمانہ جاہلیت کی سوچ ہے۔

دورِ جاہلیت کے باپ کو جب بیٹی کی ولادت کی اطلاع ملتی تھی تو غم و غصے کی وجہ سے اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا تھا، سینے میں اس کا دم گھٹنے لگتا تھا، وہ شرم کے مارے لوگوں سے چھپتا پھرتا تھا کہ لوگ کیا کہیں گے کہ اس کے گھر بیٹی پیدا ہوگئی ہے، وہ دل ہی دل میں تدبیریں سوچنے لگتا تھا کہ اب کیا کروں؟ کیا ذلت برداشت کر کے اسے زندہ رہنے دوں یا زندہ زمین میں دفن کر دوں۔

بیٹیوں کو صرف کل ہی قتل نہیں کیا جاتا تھا آج بھی قتل کیا جا رہا ہے، میں آپ کو اپنے پڑوسی ملک ہندوستان کے بارے میں بتاتا ہوں جس کے بارے میں عالمی نشریاتی ادارے بی بی سی نے ایک رپورٹ تیار کی ہے۔ اس پروگرام کا عنوان تھا: ''اسے مرنے دو'' (Let her Die) بی بی سی کی ایک خاتون رپورٹر (Emily Beckenen) نے برطانیہ سے ہندوستان آ کر اس موضوع پر تحقیقات کیں اور رپورٹ تیار کی۔ یہ پروگرام کافی عرصہ قبل ''اسٹار ٹی وی'' پر بھی دکھایا گیا اور شکر ہے کہ بار بار دکھایا جا رہا ہے اس پروگرام میں جو اعداد وشمار فراہم کیے گئے ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ روزانہ تقریباً تین ہزار حمل ضائع کیے جا رہے ہیں۔ والدین بچے کی جنس معلوم کرتے ہیں اور جب پتہ چلتا ہے کہ بچی پیدا ہونے والی ہے تو حمل ضائع کروا دیا جاتا ہے۔

اگر یہ اعداد وشمار درست ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہندوستان میں ہر سال تقریباً دس لاکھ بیٹیوں کو قتل کیا جا رہا ہے۔

تامل ناڈو اور راجستھان وغیرہ جیسی ریاستوں میں ایسے بورڈ اور پوسٹر نظر آ رہے ہیں جن پر لکھا ہوتا ہے:

''پانچ سو روپے خرچ کریں اور پانچ لاکھ روپے بچائیں۔''

آپ جانتے ہیں اس جملے کا کیا مطلب ہے؟

اس کا مطلب ہے کہ پیدائش سے قبل ہی بچے کی جنس معلوم کر لیں اگر بچی ہو تو ضائع کروا دیں اور یوں بچی کی پرورش اور بعد ازاں جہیز کی صورت میں خرچ ہونے والے لاکھوں روپے بچالیں۔

تامل ناڈو کے سرکاری ہسپتال کی رپورٹ یہ ہے کہ ہر دس میں سے پانچ بیٹیوں کو قتل کیا جا رہا ہے، لہٰذا شاید ہمیں اس بات پر حیرت نہیں ہونی چاہیے کہ ہندوستان میں عورتوں کی آبادی مردوں سے کم ہے۔ بچیوں کے قتل کا یہ سلسلہ نیا نہیں ہے۔ صدیوں سے یہی کچھ ہو رہا ہے، اگر آپ ہندوستان میں ۱۹۰۱ء میں ہونے والی مردم شماری کے اعداد و شمار کا جائزہ لیں تو آپ کو پتہ چلے گا کہ اس وقت بھی ہندوستان میں ۱۰۰۰ مردوں کے مقابلے میں ۹۷۲ عورتیں تھیں۔

اس کے بعد ۱۹۸۱ء کی مردم شماری کے اعداد و شمار کا تجزیہ کریں تو معلوم ہوگا کہ یہ تناسب مزید بگڑ چکا ہے کیونکہ ۱۹۸۱ء میں ۱۰۰۰ مردوں کے مقابلے میں ۹۳۴ عورتیں تھیں۔

عورتوں کی آبادی کا تناسب مزید کم ہوتا جا رہا ہے۔ ۱۹۹۱ء کی مردم شماری میں عورتوں کا تناسب ۱۰۰۰ مردوں کے مقابلے میں ۹۲۷ تک جا پہنچا ہے اور سب سے

زیادہ افسوس تو اس بات کا ہے کہ سائنس کی ترقی نے بجائے اس عمل کو روکنے کے اس میں مزید سہولت پیدا کر دی ہے۔

(اسلام میں خواتین کے حقوق)

میں کیسے کہوں کہ جاہل مسلمانوں کی بھی یہی سوچ اور یہی رویہ ہوتا ہے، بعض لوگوں کو الٹراساؤنڈ کے ذریعے جب پتا چلتا ہے کہ حمل میں بیٹی ہے تو وہ اسقاط کروا لیتے ہیں، ایسے واقعات بھی اخبار میں پڑھنے کو ملے کہ جب بچی پیدا ہوئی تو ماں باپ اسے ہسپتال ہی میں چھوڑ کر کھسک گئے۔

- بعض خواتین فیملی پلاننگ کی تدبیروں پر اس لیے عمل کرتی ہیں تاکہ ان کا حسن اور جوانی تادیر رہے حالانکہ حکماء اور ڈاکٹروں کی تحقیق اس کے برعکس یہ ہے کہ اعتدال کے ساتھ بچوں کی ولادت اور پھر ان کی رضاعت سے خوبصورتی اور صحت برقرار رہتی ہے اور منع حمل کی دوائیں استعمال کرنے سے کسی نہ کسی بیماری کے لاحق ہونے کا بھی اندیشہ رہتا ہے اور چہرے پر جھریاں وغیرہ بھی پڑ جاتی ہیں

اگر ولادت کے عمل سے بچنے سے صحت اور حسن برقرار رہتا ہے تو پھر بتایئے کہ بانجھ اور غیر شادی شدہ کنواریاں مختلف قسم کی جسمانی اور نفسیاتی بیماریوں اور جوڑوں کے درد وغیرہ میں کیوں مبتلا ہو جاتی ہیں اور ان کے چہرے پر وقت سے پہلے ہی خزاں کیوں چھا جاتی ہے۔

خلافِ فطرت:

تو میرے بھائیو اور بہنو! برتھ کنٹرول کے حامیوں اور مخالفین کے درمیان اصل فرق نظریے اور مقاصد کا ہے، اگر نیت درست ہو تو بعض اعذار کی وجہ سے وقفہ بھی کیا جا سکتا ہے

اور منعِ حمل کی تدبیریں بھی اختیار کی جاسکتی ہیں لیکن اگر نیت ہی غلط ہو تو سب کچھ غلط ہے۔

آپ نے سن لیا کہ اس تحریک کے حامیوں کے پیشِ نظر جو مقاصد ہیں وہ زیادہ تر اسلامی تعلیمات کے خلاف ہیں، اس لیے ہم کسی طور پر بھی اس تحریک کی حمایت نہیں کر سکتے۔

یہ تحریک صرف اسلامی تعلیمات ہی کے خلاف نہیں بلکہ فطرت کے بھی خلاف ہے، یہی وجہ ہے کہ اب یورپ والے بھی اس کے نقصانات محسوس کر رہے ہیں، ان کی پریشانی کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ان کا معاشرہ، بوڑھوں کے معاشرے میں تبدیل ہوتا جا رہا ہے، دنیا میں سب سے زیادہ بوڑھے مغربی ممالک میں پائے جاتے ہیں، دنیا بھر میں سب سے زیادہ بچے غیر مغربی ممالک میں پیدا ہو رہے ہیں۔

مغربی محققین کہتے ہیں کہ آنے والے برسوں میں ہر بیس میں سے انیس بچے ترقی پذیر دنیا میں پیدا ہوں گے، جس کا مطلب یہ ہے کہ ایک طرف یورپی نسل کے پانچ نوجوان ہوں گے اور دوسری طرف پچانوے عرب، افریقی، ایشیائی، لاطینی امریکی اور دوسرے افراد ہوں گے۔

مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی آبادی سے غیر مسلم دانشور خاص طور پر بہت زیادہ پریشان ہیں، کیونکہ مغرب میں مسلمانوں کی تعداد ۲۰ فیصد تک پہنچ گئی ہے، اگر مسلم آبادی یونہی بڑھتی رہی تو غیر مسلم اقلیت میں تبدیل ہو جائیں گے۔

چونکہ ضبطِ تولید کا نظام خلافِ فطرت تھا اس لیے جیسے پہلے اہلِ مغرب آبادی گھٹانے کے لیے فکر مند تھے اب بڑھانے کے لیے فکر مند ہیں، وہ اپنے ملکوں میں ایسی اسکیمیں

متعارف کرواrے ہیں جن کے نتیجے میں ان کے شہریوں کو شادی شدہ زندگی گذارنے اور بچے پیدا کرنے کی ترغیب ملے۔ فرانس، جرمنی، یونان، سوئزرلینڈ، اور سویڈن وغیرہ، کئی ملکوں میں یہ تحریک بتدریج زور پکڑتی جارہی ہے۔

نقصانات:

فطرت اور اسلامی تعلیمات کے خلاف ہونے کی وجہ سے ہم دیکھ رہے ہیں کہ جہاں جہاں یہ تحریک پھیلتی ہے وہاں عملی اور اخلاقی ہر قسم کی خرابیاں بھی عام ہو جاتی ہیں، معاشی ماہرین نے اس تحریک کو اٹھاتے ہوئے اس کے فوائد تو پیشِ نظر رکھے تھے مگر نقصانات سے چشم پوشی کی تھی، آج اس کے نقصانات کھل کر سامنے آرہے ہیں۔

پہلا نقصان تو یہ ہے کہ زنا اور جنسی جرائم میں اضافہ ہو جاتا ہے، کنڈوم کلچر کا دوسرا معنی ہی زنا کلچر ہے، بدکاری اور پھر اس کے نتیجے میں حمل کے ٹھہر جانے کو بہرحال بڑی ذلت اور بے شرمی کی بات سمجھا جاتا تھا لیکن کنڈوم کلچر نے اس رکاوٹ کو ختم کر دیا ہے، اب تو سکول، کالج کے نصاب میں برتھ کنٹرول کو شامل کیا جارہا ہے، طلبہ اور طالبات کو باقاعدہ تعلیم دی جا رہی ہے کہ وہ جنسی عمل کے باوجود کیسے اس کے نتائج سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔

دوسرا نقصان جسم اور جان کا ہے، منعِ حمل کے لیے جتنی بھی دوائیں اور آلات ایجاد کیے گئے ہیں ان میں سے کوئی بھی مکمل طور پر ضرر سے محفوظ نہیں ہے بلکہ ان میں سے بعض کا استعمال تو عورت پر کھلم کھلا ظلم ہے۔ مثال کے طور پر ڈالکن شیلڈ نام کا ایک مانعِ حمل آلہ ہے جو عارضی بانجھ پن پیدا کرتا ہے، اس کی وجہ سے امریکہ میں بہت سی اموات ہوئیں، اسی طرح کے کچھ دوسرے آلات ہیں جن کے بارے میں ثابت ہو چکا کہ وہ پیچیدگیاں پیدا

کرتے ہیں مگر اس کے باوجود ترقی پذیر ممالک میں برآمد کیے جارہے ہیں۔

منع ولادت کے طریقوں میں سے انتہائی خطرناک طریقہ اسقاطِ حمل کا ہے، اس میں عورت کو عام طور پر ویسے ہی تکلیف ہوتی ہے جیسے ولادت کے وقت تکلیف ہوتی ہے، پہلی بار حاملہ ہونے والی لڑکی اگر اسقاط کروائے تو اس کے مستقل بانجھ ہونے کا بھی اندیشہ ہوتا ہے جبکہ اس وقت کثرت سے اسقاط کروائے جارہے ہیں کیونکہ محکمہ کی جانب سے اپنے ملازمین کو اسقاط کا ٹارگٹ دیا گیا ہے۔

خاندانی منصوبہ بندی کے محکمہ میں ایک اہم عہدے پر فائز شخص نے بتایا کہ ہمیں جو پانچ ٹارگٹ دیئے گئے ہیں ان میں سے پہلا اور سب سے اہم ٹارگٹ اسقاط کا ہے، ہمیں بتادیا گیا ہے کہ تمہاری ترقی کا مدار کثرتِ اسقاط پر ہے، اس نے بتایا کہ جس ہسپتال میں میں ہوں، ہر ماہ دو سو سے تین سو اسقاط ہوتے ہیں، ملک بھر میں ہیلتھ کنٹرول کے زیر نگرانی چلنے والے ہسپتالوں کے علاوہ گلی کوچوں میں بیٹھے ہوئے عطائیوں اور پھر دائیوں کے ذریعے ہزاروں اسقاط ہوتے ہیں۔

اسقاط کو رواج دینے والے دن دیہاڑے عورت پر ظلم کررہے ہیں لیکن حقوقِ نسواں کی علمبردار کوئی تنظیم نہیں جو اس ظلم کے خلاف آواز اٹھائے حالانکہ یہ صرف عورت پر ہی ظلم نہیں معاشرے پر بھی ظلم ہے، اس لیے کہ ممکن ہے وہی حمل جسے بے دردی سے ضائع کردیا گیا، وہ اگر دنیا میں آجاتا تو محدث اور مفسر بنتا، ڈاکٹر اور سائنسدان بنتا، اچھا ادیب اور شاعر بنتا، اپنے والدین کا خدمت گار اور وفادار بنتا، ملک کا اچھا شہری اور محافظ بنتا لیکن ہم نے اس غنچہ کو چٹکنے سے پہلے ہی کچل دیا۔

تیسرا نقصان خاندانی منصوبہ بندی کی تحریک کا یہ ہے کہ شرح طلاق میں اضافہ ہو جاتا ہے کیونکہ اگر اولاد بالکل ہی نہ ہو تو پھر تو طلاق دینا بہت ہی آسان ہے، چٹکی بجاتے میں ہو جاتی ہے، اگر اولاد ایک دو بچوں تک محدود ہو پھر بھی طلاق دینے میں زیادہ مشکل پیش نہیں آتی...... مغرب میں یہی کچھ ہو رہا ہے، اوّل تو نکاح ہی کی ضرورت محسوس نہیں کی جاتی، اگر بالفرض نکاح ہو جائے تو حتی الامکان حمل اور ولادت سے احتراز کیا جاتا ہے، جب جوڑے کا دل ایک دوسرے سے بھر جاتا ہے یا کوئی دوسرا اچھا دوست مل جاتا ہے تو اس جوڑے کو جدا جدا راستہ اختیار کرنے سے کوئی چیز مانع نہیں ہوتی۔

جہاں بچے زیادہ پیدا کرنے کا رواج ہوگا وہاں شرح طلاق کم ہوگی، شوہر طلاق دینے سے پہلے سو بار اپنے معصوم بچوں کو دیکھے گا، اسے رہ رہ کر خیال آئے گا کہ یہ باپ کی شفقت اور ماں کی ممتا سے محروم ہو کر تباہ ہو جائیں گے، ان کی تربیت کے لیے ماں اور باپ دونوں کا ہونا ضروری ہے، کوئی دوسری چیز باپ کو طلاق سے روک سکے یا نہ روک سکے، بچوں کے مستقبل کا خیال اس کی زبان پر ضرور تالا ڈال دے گا۔

یہی کیفیت ماں کی بھی ہوگی، اگر اس کے سینے میں واقعی مشرقی ماں کا دل دھڑکتا ہوگا تو وہ خلع یا طلاق کا مطالبہ کرنے سے پہلے بچوں کے بارے میں ضرور سوچے گی۔

خاندانی منصوبہ بندی کی تحریک کا چوتھا نقصان یہ ہے کہ جس سوسائٹی میں اسے قبولیت حاصل ہوگی وہاں بتدریج ذہین، باصلاحیت اور اعلیٰ اخلاق و اوصاف کے حامل افراد کم ہوتے جائیں گے اور نچلے درجے کا طبقہ دن بدن زیادہ ہوتا جائے گا، اس لیے کہ عام طور پر یہ تحریک اونچے طبقے ہی میں قبولیت حاصل کرتی ہے، چنانچہ اونچے طبقے میں شرح پیدائش کم

ہوجاتی ہے جبکہ نچلے طبقے کی شرح پیدائش ویسے ہی رہتی ہے جیسے پہلے تھی۔

آپ ٹھنڈے دل سے سوچیں کہ اگر کسی ذہین قسم کے سائنسدان یا صنعت کار کے آٹھ بچے ہوں اور آٹھوں اپنے والد کی ذہنی اور تخلیقی صلاحیتوں کے مالک ہوں، جب یہ آٹھوں عملی میدان میں قدم رکھیں گے تو ان کی ایجادات اور صنعتوں اور افکار سے ملک وملت کو کتنا فائدہ حاصل ہوگا۔

میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ صنعت کار کا بیٹا صنعت کار ہی ہوگا اور مزدور کا بیٹا لازماً مزدور ہی ہوگا، اس کے برعکس بھی ہوسکتا ہے لیکن بالعموم ایسا ہی ہوتا ہے، خاص طور پر ہمارے ماحول میں جہاں غریب کی اولاد کے لیے اعلیٰ تعلیم کرنا اور ترقی کے میدان میں قدم رکھنا انتہائی مشکل ہے۔

پانچواں نقصان تو میں بتا ہی چکا ہوں کہ جس ملک اور قوم میں وسیع پیمانے پر منع حمل کی تدبیریں اختیار کی جائیں گی وہاں بوڑھوں کی کثرت ہوجائے گی اور بتدریج نوجوانوں کی تعداد میں خطرناک حد تک کمی ہوجائے گی۔

نس بندی:

ایک سوال یہ اٹھایا گیا ہے کہ کیا مستقل طور پر نس بندی کروانا جائز ہے؟

تو جان لیجئے کہ آج کل برتھ کنٹرول کے لیے تین طریقے اختیار کیے جاتے ہیں:

پہلا طریقہ نس بندی یا مستقل بانجھ ہوجانے کا ہے کہ اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت ہی ختم کردی جائے، تو یہ قطعاً حرام ہے۔

بچے پیدا ہونے کی صلاحیت اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے، اس کی قدر ان لوگوں

سے پوچھیے! جو اولاد سے زندگی بھر محروم رہتے ہیں، کیسا ناشکرا ہے وہ جوڑا جو اس نعمت سے محروم ہونا چاہتا ہے۔

میں نے ایسے واقعات پڑھے اور سنے ہیں کہ جب کسی ماں نے دو بچے پیدا ہونے کے بعد نس بندی کروالی، پھر قضاءِ الٰہی سے وہ دونوں بچے فوت ہو گئے تو ماں زندگی بھر بچوں کی حسرت میں تڑپتی رہی اور کہتی رہی اے کاش! میں نے نس بندی نہ کروائی ہوتی۔

تو عام حالات میں نس بندی کروانا تو بالکل حرام ہے، لیکن اگر ولادت کی صورت میں ماں کی جان خطرے میں ہو تو نس بندی کروائی جاسکتی ہے۔

دوسرا طریقہ برتھ کنٹرول کا یہ ہے کہ گولی، ٹیکہ یا کوئی بھی ایسی دوا استعمال کی جائے جس کی وجہ سے حمل نہ ٹھہرے، صحابہ کرام ﷺ عزل کا طریقہ اختیار کرتے تھے...... اس سلسلہ میں عرض کر چکا ہوں کہ اصل چیز نیت ہے اگر نیت درست ہو تو کوئی بھی جائز تدبیر اختیار کی جاسکتی ہے اور اگر نیت درست نہ ہو تو ہر تدبیر ناجائز ہوگی۔

صحابہ کرام ﷺ کے عزل سے خاندانی منصوبہ بندی کی تحریک کے جواز پر استدلال کرنا بالکل غلط ہے اس لیے کہ ایک تو ان کی نیت درست ہوتی تھی، دوسرے یہ کہ ان میں سے بعض کا انفرادی عمل تھا اسے تحریک کی صورت کبھی نہیں دی گئی۔

تیسرا طریقہ اسقاطِ حمل کا ہے، اس میں تفصیل یہ ہے کہ اگر کسی شرعی اور معقول عذر کے بغیر اسقاط ہو تو ناجائز ہے اگر چہ بچے میں جان نہ پڑی ہو۔ ہاں! اگر عذر ہو تو جائز ہے، اور اگر جان پڑ گئی ہو تو پھر صرف اضطرار کی حالت میں جائز ہے، اضطرار کا مطلب یہ ہے کہ ولادت کی صورت میں ماں کی جان خطرے میں ہو۔

یہ بھی جان لینا مناسب ہے کہ فقہاء کہتے ہیں کہ ۱۲۰ دن میں بچے میں جان پڑ جاتی ہے۔

معاشی مسائل کا حل:

آخر میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ہمارے معاشی مسائل، خاندانی منصوبہ بندی کی تحریک کو رواج دینے سے حل نہیں ہوں گے، اس سے تو بے حیائی اور بدکاری ہی میں اضافہ ہوگا جیسا کہ ہو رہا ہے، معاشی مسائل حل کرنے کے لیے ہمیں درج ذیل لائحہ عمل اختیار کرنا ہوگا:

۱۔ سب سے پہلے تو یہ کرنا ہوگا کہ ہم مصنوعی اور بلند معیار زندگی کی بجائے سادہ طرز زندگی اختیار کریں، ہم کفار کی رسموں، ان کی اداؤں، ان کی بودوباش، ان کے لباس اور ان کی غذاؤں کی بجائے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور آپ کے طرز حیات کو اختیار کریں، میرے کہنے کا یہ مقصد نہیں ہے کہ ہم گاڑیاں چھوڑ کر گدھے گھوڑے کی سواری اختیار کرلیں یا یہ کہ ہم جدید مشینوں کا بائیکاٹ کردیں، میرا مقصد صرف یہ ہے کہ ہم دنیا داری میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی روش سے توبہ کرلیں، ہم پارٹیاں اٹینڈ کرنے، ہوٹلوں اور کلبوں میں لاکھوں روپے اڑانے، زیورات اور ملبوسات کا انبار جمع کرنے سے اجتناب کریں، فضول خرچی کی عادت سے توبہ کرلیں، شادی غمی کی رسمیں اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق انجام دیں تو ہمارے بہت سارے مسائل حل ہو جائیں گے۔

۲۔ دوسرا کام ہمارے اغنیاء اور سرمایہ دار طبقے کو کرنا ہوگا، وہ یہ کہ اللہ کی دی

ہوئی دولت کے بارے میں قارون والی سوچ نہ رکھیں کہ یہ دولت ہماری ذہانت، قوتِ بازو، تجارتی مہارت اور محنت کی پیداوار ہے، لہٰذا یہ صرف ہمارے پاس رہے گی، انہیں سمجھ لینا چاہیے کہ ان کی دولت میں نادار افراد کا بھی حصہ ہے۔

یقین کریں کہ اللہ تعالیٰ نے سارے انسانوں کا رزق خوب وسعت کے ساتھ آسمانوں سے اتارا ہے، اس کے باوجود اگر کچھ لوگ بھوک سے مرتے یا خودکشی کرتے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے حصے کی روزی پر دوسرے لوگوں نے قبضہ جما رکھا ہے۔

۳- تیسرا کام حکومتی سطح پر کرنے کا ہے وہ یہ کہ ہر محکمے میں ہونے والی لوٹ کھسوٹ کے دروازے اور کھڑکیاں بند کی جائیں، اس لوٹ کھسوٹ اور حرام خوری کے نظام کا بہت بڑا کردار ہے امیر کو امیر تر اور غریب کو غریب تر بنانے میں۔

یوں تو دوسرے اسلامی ملکوں کا حال بھی قابلِ رشک نہیں ہے مگر ہم ان کا رونا کیا روئیں ہمارے ملک کا حال یہ ہے کہ جو گروہ بھی برسرِ اقتدار آتا ہے وہ لوٹ کھسوٹ ہی کرتا ہے، ایسا لگتا ہے کہ وہ بہت جلدی میں ہے اور جلد از جلد ملک اور بیرونِ ملک اپنے اکاؤنٹ اور تجوریاں بھر کر بھاگنا چاہتا ہے۔ ان کی بلا سے خواہ کوئی بھوکا زہر کھا کر مرے یا ریل کی پٹڑی پر سر رکھ کر مرے۔ آپ خود سوچیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس ملک کو جتنا نوازا ہے اگر اس کے وسائل منصفانہ انداز میں تقسیم ہوں تو کوئی پاکستان بھوکا نہیں رہ سکتا ہے۔

۴- چوتھا طریقہ ہمیں یہ اختیار کرنا ہوگا کہ قدرتی وسائل پر جدید تحقیقات کی روشنی میں محنت کرنا ہوگی اور انہیں ضائع ہونے سے بچانا ہوگا، ہماری لاکھوں ایکڑ زمین بیکار پڑی ہے حالانکہ وہ قابلِ کاشت ہے، اگر اسے کاشت کر لیا جائے اور زراعت کے جدید

طریقے اختیار کرلیے جائیں تو نہ صرف یہ کہ ہم اناج میں خودکفیل ہو جائیں گے بلکہ اسے بر آمد بھی کر سکتے ہیں۔

خلاصۂ کلام:

میرے بھائیو اور بہنو! ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ مجبوری اور عذر کی صورت میں اسلام ضبطِ ولادت کی اجازت دیتا ہے لیکن کسی مجبوری کے بغیر محض مغربی پروپیگنڈا سے متاثر ہوکر، محض عورت کو گھر کی چاردیواری سے نکالنے کے لیے، محض معیارِ زندگی بلند کرنے کے لیے، محض فقر وفاقہ کے ڈر سے، محض کثرتِ اولاد کے طعنوں کے خوف سے، یہ جائز نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ وہ ہمیں ایسی نیک اولاد عطا کرے جس کی علمی، عملی اور ذہنی صلاحیتوں سے دین کی اشاعت اور ملک اور قوم کی خدمت ہو۔

وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العلمین

بندوں سے اللہ کی محبت

اَلحمدللّٰہ وحدہ والصلوۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ، اَما بعد !

فأعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

﴿ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْکُمْ عَنْ دِیْنِہٖ فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰہُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّھُمْ وَیُحِبُّوْنَہٗٓ اَذِلَّۃٍ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّۃٍ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ یُجَاھِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَلَا یَخَافُوْنَ لَوْمَۃَ لَآئِمٍ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ﴾ (سورة المائدة: ٥٤، پ ٦)

بزرگانِ محترم وبرادرانِ عزیز! آج کے موضوع سے متعلق اظہارِ خیال کے لیے میں نے سورۂ مائدہ کی آیت ۵۴ تلاوت کی ہے، اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ محبت کی چار علامات بیان فرمائی ہیں:

اللہ فرماتے ہیں: ''اے ایمان والو! تم میں سے جو لوگ دینِ حق سے پھر جائیں، انہیں یاد رکھنا چاہئے کہ وہ اللہ کو اور اللہ کے دین کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ان سے بہتر لوگوں کو دینِ حق کے خادم اور محافظ بنا کر کھڑا کر دے گا، وہ ایسے لوگ ہوں گے کہ اللہ ان سے محبت کرے گا اور وہ اللہ سے محبت کریں گے۔''

ایسا ہر دور میں ہوتا رہا کہ جب کچھ لوگوں نے اللہ کے دین سے بے وفائی کی تو باری تعالیٰ نے ایسے لوگوں کو قبولِ ایمان کی توفیق دے دی جو پہلے والوں سے کہیں بہتر تھے، ایسا بھی ہوا کہ جو اسلام اور مسلمانوں کے سخت دشمن تھے ان کے دل ایسے بدلے کہ وہ اسلام کے

جانثار اور وفادار بن گئے اور انہوں نے اپنی عزت وآبرو اور مال و دولت اسلام کیلئے وقف کر دیا۔

ان کے دل میں قربانی کا جذبہ پہلے مسلمانوں سے زیادہ تھا......

ان کے گھروں میں پردہ وحیا اور سنتوں کی اتباع پرانے مسلمانوں سے زیادہ تھی......

ان کی نمازیں جدی پشتی مسلمانوں کی نمازوں سے بہتر تھیں......

نومسلموں کے واقعات تو بے شمار ہیں، میں آپ کو صرف ایک واقعہ سناتا ہوں جو مجھے چند روز پہلے ایک ساتھی نے سنایا، وہ بتا رہے تھے کہ ایک نومسلم ہم سے کہنے لگا کہ آپ لوگ پرانے مسلمان ہیں اس لیے جلدی نماز پڑھ لیتے ہیں، میں چونکہ نومسلم ہوں اس لیے مجھے کافی دیر لگ جاتی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت محمد ﷺ کا فرمان ہے کہ تم اللہ کی عبادت یوں کرو گویا تم اللہ کو دیکھ رہے ہو اور اگر یہ تصور قائم نہیں کر سکتے تو کم از کم یہ یقین تو رکھو کہ اللہ تمہیں دیکھ رہا ہے، تو یہ تصور قائم کرنے میں مجھے کافی وقت لگ جاتا ہے، آپ لوگ چونکہ پرانے مسلمان ہیں اس لیے آپ کو یہ تصور قائم کرنے میں دیر نہیں لگتی ہوگی۔

وہ بے چارہ سیدھا سادا انسان تھا جیسا وہ خود تھا ویسا ہی سارے مسلمانوں کو سمجھتا تھا، اسے کیا خبر کہ ہم جب نماز پڑھتے ہیں تو ہمارا جسم نماز میں ہوتا ہے مگر دل کہیں اور ہوتا ہے، کسی کا دل دکان میں، کسی کا دل منڈی میں، کسی کا دل مارکیٹ میں، کسی کا دل سینما میں، کسی کا دل ٹی وی میں، کسی کا دل کنسٹری میں اور کسی کا دل مجازی محبوبوں کے تعاقب میں ہوتا ہے۔

ایسے نمازی انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں جن کا جسم اور دل دونوں نماز میں ہوتے ہیں اور

انہیں احسانی کیفیت حاصل ہوتی ہے۔

اس طرح کے سینکڑوں واقعات نومسلموں کے حالات کے مطالعہ سے مل سکتے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کے اندر ایمانی کیفیات، گناہوں سے بچنے کا جذبہ اور ان کی عبادت قدیمی مسلمانوں سے بہتر ہوتی ہے۔

تو اللہ فرماتے ہیں: ''اے ایمان والو! اگر تم دین سے، میری کتاب سے اور میرے محبوب سے منہ موڑلو گے اور کفر و شرک کی نجاست میں گھر جاؤ گے تو تم سے بہتر انسانوں کو قبولِ ایمان کی توفیق دے دوں گا، وہ ایسے سعادت مند ہوں گے کہ اللہ ان سے محبت کرے گا اور وہ اللہ سے محبت کریں گے۔''

چار علامات:

ان اہلِ محبت کی چار علامات اس آیت کریمہ میں بیان کی گئی ہیں:

پہلی علامت یہ کہ وہ ایمان والوں کے حق میں نرم ہوں گے، ان کے سامنے متواضع ہوں گے، خود بھوکے رہ کر انہیں کھلائیں گے، مشقت اٹھا کر انہیں راحت اور سکون پہنچائیں گے۔

دوسری علامت یہ کہ وہ کافروں کیلئے سخت ہوں گے، ان کی سازشوں اور مکاریوں کا دفاع کرنے والے ہوں گے، ہر وقت ان سے چوکنا رہیں گے کیونکہ کافر کسی وقت بھی اسلام اور مسلمانوں پر حملہ آور ہو سکتے ہیں، وہ اہلِ ایمان کے ہرگز ہرگز خیر خواہ نہیں ہو سکتے۔

تیسری علامت ان کی یہ ہے کہ وہ اللہ کی رضا کیلئے جہاد کریں گے، ان کا جہاد نہ مال کیلئے ہوگا، نہ شہرت اور دکھاوے کیلئے، نہ زمین کیلئے اور نہ قومی عصبیت کیلئے بلکہ ان کا جہاد

صرف اللہ کو راضی کرنے کیلئے ہوگا جو کہ ایک مومن کی زندگی کا سب سے بڑا مقصد ہے۔

چوتھی علامت اہل محبت کی یہ ہے کہ وہ کسی ملامت گر کی ملامت سے نہیں ڈرتے، دین پر عمل پیرا ہونے کی وجہ سے خواہ انہیں دقیانوس کہا جائے، اجڈ اور گنوار ہونے کا طعنہ دیا جائے، جاہل ہونے کی پھبتیاں کسی جائیں، وہ ان باتوں کی وجہ سے شریعت اور سنت کا دامن نہیں چھوڑتے۔

یہ صفات اور علامات اللہ کا فضل ہیں جسے چاہتا ہے عطا کر دیتا ہے، بقول شاعر ؎

محبت کے لئے دنیا میں دل مخصوص ہوتے ہیں
یہ وہ نغمہ ہے جو ہر ساز پر گایا نہیں جاتا

اللہ کے محبوب اور مبغوض:

ہم میں سے جو کوئی اللہ کا محبوب بننا چاہتا ہے، اسے چاہیے کہ وہ اپنے اندر یہ صفات پیدا کرے، اسے محب ہونے کی سند بھی مل جائے گی اور وہ کریم و رحیم رب کا محبوب بھی بن جائے گا۔

قرآن کریم کے مطالعہ سے ہمیں مزید صفات کا پتا چلتا ہے، جن کی وجہ سے بندہ اللہ تعالیٰ کا محبوب بنتا ہے۔

سورۂ بقرہ میں ہے:

﴿إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ﴾ (سورة البقرة: ۱۹۵، پ ۲)

ترجمہ: ''اللہ نیکوکاروں سے محبت کرتا ہے۔''

سورۂ بقرہ ہی میں ہے:

﴿ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللّٰهُ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ ﴾

(سورة البقرة: ٢٢٢، پ ٢)

ترجمہ: ''اللہ توبہ کرنے والوں اور پاک صاف رہنے والوں سے محبت کرتا ہے۔''

سورۂ آل عمران میں ہے:

﴿ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ ﴾ (سورة آلِ عمران: ١٥٩، پ ٤)

ترجمہ: ''اللہ توکل کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔''

سورۂ مائدہ میں ہے:

﴿ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ﴾ (سورة المائدة: ٤٢، پ ٦)

ترجمہ: ''اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔''

سورۂ توبہ میں ہے:

﴿ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ﴾ (سورة التوبة: ٧، پ ١٠)

ترجمہ: ''اللہ تقویٰ والوں سے محبت کرتا ہے۔''

سورۂ آل عمران میں ہے:

﴿ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِينَ ﴾ (سورة آلِ عمران: ١٤٦، پ ٤)

ترجمہ: ''اللہ صبر کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔''

سورۂ صف میں ہے:

﴿ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفًّا كَأَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوصٌ ﴾

(سورة الصف: ٤، پ ٢٨)

ترجمہ: ''اللہ ایسے لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اس کے راستے میں ایسے جنگ کرتے ہیں گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔''

اپنے محبوب بندوں کے علاوہ باری تعالیٰ نے اپنے مبغوض اور قابل نفرت بندوں کا ذکر بھی کیا ہے۔

سورۂ آل عمران میں ہے:

﴿ فَإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ ﴾

(سورة آلِ عمران: ۳۲، پ۔ ۳)

ترجمہ: ''اللہ کافروں کو پسند نہیں کرتا۔''

سورۂ بقرہ میں ہے:

﴿ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ﴾

(سورة البقرة: ۱۹۰، پ۔ ۲)

ترجمہ: ''اللہ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔''

سورۂ نساء میں ہے:

﴿ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَن كَانَ مُخْتَالًا فَخُورًا ﴾

(سورة النساء: ۳٦، پ۔ ۵)

ترجمہ: ''اللہ مغرور اور شیخی باز انسانوں کو پسند نہیں کرتا۔''

سورۂ نساء میں ہے:

﴿ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَن كَانَ خَوَّانًا أَثِيمًا ﴾

(سورة النساء: ۱۰۷، پ۔ ۵)

ترجمہ: ''اللہ خیانت کرنے والے مجرموں کو پسند نہیں کرتا۔''

سورۂ قصص میں ہے:

﴿ إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ﴾

(سورة القصص: ٧٧، پ ٢٠)

ترجمہ: ''اللہ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔''

سورۂ نحل میں ہے:

﴿ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ ﴾

(سورة النحل: ٢٣، پ ١٤)

ترجمہ: ''اللہ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔''

سورۂ شوریٰ میں ہے:

﴿ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴾

(سورة الشورىٰ: ٤٠، پ ٢٥)

ترجمہ: ''اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔''

اللہ تو بندے سے محبت کرتا ہے، مگر بندہ اپنے اندر ایسی صفات پیدا کر لیتا ہے جن کی وجہ سے وہ رحیم وکریم مولیٰ کی محبت سے محروم ہو جاتا ہے۔

اگر وہ بندے سے محبت نہ کرتا تو زمین کا فرش نہ بناتا، اس میں نہریں، دریا اور ندی نالے نہ بناتا، پھل پھول اور اناج نہ اگاتا، آسمان کی چھت نہ بناتا، اس میں چاند سورج اور ستارے پیدا نہ کرتا، ماں کے دل میں محبت اور سینے میں دودھ کا انتظام نہ فرماتا۔

اسماء وصفات:

آپ اللہ کی اسماء اور صفات کو دیکھ لیں، اس کا ہر اسم اور ہر صفت اس کی محبت اور رحمت کو ظاہر کرتی ہے......

وہ رحمٰن اور رحیم ہے یعنی بہت رحم کرنے والا......

وہ رزّاق ہے یعنی رزق دینے والا......

وہ وَدُود ہے یعنی محبت کرنے والا......

وہ مؤمن ہے یعنی امن دینے والا......

وہ سلام ہے یعنی سلامتی......

وہ مہیمن ہے یعنی نگہبان......

وہ غفار، غفور اور غافر ہے یعنی بہت بخشنے والا......

وہ شکور ہے یعنی قدر کرنے والا......

وہ حلیم اور کریم ہے یعنی بردبار اور کرم والا......

وہ وکیل اور ولی ہے یعنی کارساز اور دوست......

وہ منان اور منعم ہے یعنی احسان اور انعام والا......

اگر وہ رحمٰن نہ ہوتا تو کوئی مجرم اور کافر زندہ نہ رہتا، بسا اوقات اس کی زحمت بھی رحمت اور اس میں بہت بڑی راحت ہوتی ہے۔

اگر وہ رزاق نہ ہوتا تو اربوں انسانوں، حیوانوں، درندوں، پرندوں، کیڑوں مکوڑوں اور سمندر میں رہنے والی بے شمار مخلوق بھوک سے ہلاک ہو جاتی۔

اگر وہ امن دینے والا نہ ہوتا تو سمندر کی بپھری ہوئی موجیں، زمین کی تہ میں پوشیدہ گیس اور درندے اور طوفانی ہوائیں انسان کو موت کے گھاٹ اتار دیتیں۔

اگر وہ مھیمن نہ ہوتا تو آنکھ، کان، دل اور دماغ کی حفاظت کا وہ انتظام نہ کرتا جو اس نے کر رکھا ہے، دل کو دیکھیں اس نے کیسی ٹیڑھی میڑھی پسلیوں میں اسے چھپا رکھا ہے، اگر یہ پسلیاں سیدھی ہوتیں تو دل کی حفاظت نہیں ہو سکتی تھی۔

اگر وہ غفار اور غفور نہ ہوتا تو ہماری لغزشوں اور کوتاہیوں پر فوراً گرفت فرماتا اور ہم میں سے کوئی بھی زندہ نہ رہ سکتا۔

غرضیکہ اس کی ہر صفت اور اس کا ہر نام اس کی محبت اور رحمت پر دلالت کرتا ہے۔

جبار اور قہار اللہ کے چند نام ایسے ہیں جنہیں بعض حضرات اس کی شدت اور سختی ظاہر کرنے کیلئے استعمال کرتے ہیں۔

مثال کے طور پر اس کا جبار، قہار اور منتقم ہونا، حالانکہ ان ناموں میں بھی محبت اور رحمت کا معنی پایا جاتا ہے۔

اہل علم کہتے ہیں جبار وہ ذات ہے جو مخلوق کے سارے کاموں کی درستگی کرنے والی اور مخلوق کیلئے ان معاملات کو طے کرنے والی ہے جو ان کے حق میں بہتر ہیں۔

جبار وہ ہے جو ٹوٹی ہوئی چیز کو جوڑ دیتا ہے، وہ ٹوٹی ہڈی کو بھی جوڑ دیتا ہے اور ٹوٹے ہوئے دل کو بھی جوڑ دیتا ہے، میرے آقا ﷺ کی دعا میں یہ الفاظ بھی تھے:

"یا جابر العظم الکسیر"

"اے ٹوٹی ہوئی ہڈی کو جوڑنے والے۔"

یاد رکھیں! دنیا بھر کے ڈاکٹر اور حکیم اس پر متفق ہیں کہ بڑی مغز ماری اور طویل ترین میڈیکل ریسرچ کے باوجود ابھی تک کوئی ایسی دواء، کوئی ایسی مرہم دریافت نہیں ہو سکی جسے ٹوٹی ہڈی پر لگانے سے وہ جڑ جائے، ڈاکٹر اور حکیم صرف یہ کرتے ہیں کہ ٹوٹی ہوئی ہڈی کو اس کی صحیح جگہ پر رکھ دیتے ہیں، جوڑنے والی ذات صرف اللہ تعالیٰ کی ہے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ دعاء کیا کرتے تھے:

"یاجابر کل کسیر ومسهل کل عسیر."

''اے وہ ذات! جو ہر ٹوٹے ہوئے کو جوڑتی ہے اور جو ہر مشکل کو آسان کرتی ہے۔''

میرے اور آپ کے آقا ﷺ دونوں سجدوں کے درمیان یہ دعاء مانگا کرتے تھے:

"اللّٰهم اغفرلي وارحمني واجبرني واهدني وارزقني."

(ترمذی: ۲۸۱)

اے اللہ! میری مغفرت فرما، مجھ پر رحم فرما، میرے حالات درست فرمادے، مجھے ہدایت دے دے اور مجھے تو ہی رزق عطا فرما۔''

بعض حضرات نے "اجبرنی" کا معنی کیا ہے: "اغننی" یعنی مجھے تونگری اور غنا عطاء فرمادے۔

جبار کے معنی قہر اور غلبہ کے بھی ہیں، ایسا قہر اور غلبہ جو صرف اللہ کو حاصل ہے یہ کسی اور کو حاصل نہیں ہوسکتا، وہ اپنے ہر ارادے کو نافذ کرسکتا ہے اور مخلوق میں کوئی بھی ایسا نہیں جو اس کے مقابلے میں اپنے ارادے کو نافذ کر سکے۔

ایک حدیثِ قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

" عبدی تریدوانا أرید ولا یکون الآ ما ارید فإن رضـ[illegible] ا أرید کفیتك ما ترید وان لم ترض بما ارید اتعبتك فیما ترید ثم لا یکون الا ما ارید۔"

"اے میرے بندے! تو بھی چاہتا ہے اور میں بھی چاہتا ہوں مگر ہوتا وہی ہے جو میں چاہتا ہوں، اگر تو میری چاہت پر راضی رہے گا تو تیری چاہت کیلئے میں کافی ہو جاؤں گا اور اگر تو میرے فیصلے اور چاہت پر رضی نہ ہوا تو میں تجھے تیری چاہتوں کے حصول میں تھکا دوں گا، بالآخر ہو گا وہی جو میں چاہوں گا۔"

مجھے بتایئے کہ اہلِ علم نے جبار کے جو یہ معنی بیان کیے ہیں، ان میں سے کوئی معنی ایسا ہے جو شدت اور غضب کو ظاہر کرتا ہو؟

اسی طرح آپ لفظ قہار کو دیکھیں، قہار وہ ذات ہے، جس کے سامنے ساری مخلوق مغلوب اور مسخر ہے، بڑے بڑے متکبروں کی گردنیں اس کے سامنے جھک جاتی ہیں اور اس کے سامنے ساری مخلوق عاجز اور بے بس ہے۔ کسی نے قہار کی بہت پیاری تعریف کی ہے کہ "قہار وہ ذات ہے جس کے دبدبہ کے سامنے ساری مخلوق کے دبدبے ختم ہو جاتے ہیں۔"

وہ ظالموں اور جابروں کی گردن توڑتا ہے اور اس کی عظمت اور سلطنت کے سامنے بڑے بڑے بادشاہ اور وڈیرے بے بس نظر آتے ہیں۔

آپ ذرا سوچیے کہ ظالموں کی گردن توڑنا ظلم ہے یا یہ مظلوموں کے ساتھ عدل ہے؟

بے شک وہ عدل کرنے والی ذات ہے، اگر وہ انسان کو کھلی چھٹی دے دیتا تو زمین پر

کمزوروں کا جینا محال ہو جاتا۔

مجھے یہ بتانا تھا کہ اللہ بندوں سے محبت کرتا ہے اور اس کے اسماءِ حسنیٰ میں سے ہر نام یا تو اس کی ربوبیت پر دلالت کرتا ہے، یا قدرت پر یا اس کی محبت اور رحمت پر، اس میں شک نہیں کہ وہ نافرمانوں پر عذاب بھی نازل فرماتا ہے، بدکرداروں پر اس کا غضب بھی ظاہر ہوتا ہے اور ایسا ہونا عدل اور رحم ہی کا تقاضا ہے کیونکہ ظالم کو ظلم کی سزا دینا بھی عدل اور رحم ہے لیکن جہاں تک اس کے اسماء کا تعلق ہے ان اسماء میں سے ایک اسم بھی ایسا نہیں جو اس کے غضب پر دلالت کرتا ہو۔

انسان کا قصور:

انسانوں سے محبت کی وجہ سے اللہ کسی ایک بندے کو بھی دوزخ میں نہیں ڈالنا چاہتا یہ تو انسان کا اپنا قصور ہے کہ وہ سر سے پاؤں تک معاصی میں غرق ہو کر اپنے آپ کو دوزخ کا ایندھن بنالیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جو ہزاروں انبیاء کرام علیہم السلام بھیجے اور ان پر آسمانی کتابیں اور صحیفے نازل فرمائے تو اس لیے تا کہ انسان کو دنیا، آخرت کی ذلت اور عذاب سے بچایا جا سکے۔

آپ قرآن اٹھا کر دیکھیں، اللہ نے کیسے انداز بدل بدل کر ایمان اور اعمال صالحہ کی دعوت دی ہے اور کفر وشرک اور فسق ومعصیت سے بچنے کی تلقین فرمائی ہے، بلا شبہ ایسے لگتا ہے محبت کرنے والی ماں اپنی اولاد کو بار بار سمجھاتی ہے، اس کی کوشش اور سوچ یہ ہوتی ہے کہ میری اولاد کے پاؤں میں کانٹا بھی نہ چبھے۔

نبی کریم ﷺ نے بھی اللہ کی محبت کو سمجھانے کیلئے ماں کی محبت کا ذکر کیا ہے۔ بخاری

اور مسلم میں حضرت عمر ﷛ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے پاس کچھ قیدی لائے گئے، ان میں ایک عورت بھی تھی جس کا بچہ کھو گیا تھا، اس کی تلاش میں دیوانہ وار چکر لگا رہی تھی، اسے جو بچہ بھی اپنے بچے کا ہم عمر دکھائی دیتا وہ اسے سینے سے لگا کر دودھ پلانے کی کوشش کرتی، آپ ﷺ نے صحابہ کرام ﷡ سے پوچھا:

" اتـرون هـذه الـمـرأة طارحة ولدها في النار ؟ قلنا لا والله ! فقال الله ارحم بعباده من هذه بولدها ." (بخاري : ٥٨٦٢ ، مسلم : ٦٩٢٧)

" کیا تم سمجھتے ہو کہ یہ عورت اپنے بچے کو دوزخ میں ڈال سکتی ہے؟ ہم نے عرض کیا نہیں، یہ عورت ایسا نہیں کر سکتی کیونکہ اسے اپنے بیٹے سے شدید محبت ہے، آپ نے فرمایا: یہ عورت اپنے بیٹے کے حق میں جتنی مہربان ہے اللہ اس سے زیادہ اپنے بندوں پر مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔"

صحیح مسلم کی ایک اور حدیث بھی سن لیجیے! جس سے آپ کو اللہ کی محبت اور اس کے رحم و کرم کا اندازہ ہوگا، حضرت سلمان فارسی ﷛ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ نے رحمت کے سو حصے بنائے، ان سو حصوں میں سے ننانوے اس نے اپنے پاس رکھ لیے اور ایک حصہ زمین پر اتارا، اس ایک حصے کی وجہ سے ساری مخلوق آپس میں ایک دوسرے پر رحم کرتی ہے حتیٰ کہ گھوڑا اپنے بچے کو تکلیف سے بچانے کیلئے اپنا پاؤں جو اٹھاتا ہے تو وہ بھی اس رحم کی وجہ سے۔ (مسلم : ٢٧٥٣)

گویا اس دنیا میں بھائی بھائی سے، دوست دوست سے، والدین، اولاد سے، اولاد والدین سے اور رشتہ دار رشتہ داروں سے جو محبت کرتے ہیں اور انسان اپنے جیسے دوسرے

انسانوں پر جو ترس کھاتے ہیں اور غریبوں، یتیموں کی جو مدد کرتے ہیں تو وہ رحم کے اس سو ویں جزء کی وجہ سے کرتے ہیں جو ساری مخلوق کے حصے میں آیا ہے، جب رحم کے ایک جزء کی وجہ سے محبت وشفقت کا ایک دریا بہہ رہا ہے جو ساری مخلوق کو سیراب کر رہا ہے تو جس کے پاس رحم کے بقیہ ننانوے اجزاء ہیں اس کی رحمت کا کیا ٹھکانہ ہوگا؟

باری تعالیٰ کی عمومی رحمت اور محبت تو سارے انسانوں اور سارے حیوانوں کیلئے ہے، اسی لیے وہ سب کیلئے ہوا بھی چلاتا ہے، بارش بھی برساتا ہے، رزق کے خزانے بھی تقسیم کرتا ہے لیکن اس کی خصوصی محبت ان انسانوں کیلئے ہے جو اس پر ایمان لاتے ہیں اور اس کے احکام اور فرائض بجالاتے ہیں۔

صحیح بخاری میں حضرت ابوھریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''جو کوئی میرے کسی دوست سے دشمنی رکھتا ہے میں اس کیلئے اعلانِ جنگ کرتا ہوں، اور میرا بندہ جن چیزوں سے میرا قرب حاصل کرتا ہے، ان میں سے مجھے سب سے زیادہ محبوب چیز وہ اعمال ہیں جو میں نے اس پر فرض کیے ہیں اور میرا بندہ نوافل کے ذریعے میرے قریب ہوتا رہتا ہے حتیٰ کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں اور جب میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے، اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے، اگر وہ مجھ سے سوال کرے تو میں اسے دیتا ہوں اور اگر وہ مجھ سے پناہ مانگے تو میں اسے پناہ دیتا ہوں۔ (بخاری: ۶۳۵۵)

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جس بندے سے اللہ محبت کرتا ہے وہ وہی سنتا، وہی

دیکھتا، وہی پکڑتا اور اسی جگہ چل کر جاتا ہے جہاں اللہ کی رضا ہوتی ہے۔

کیا ہم پر لازم نہیں؟

میرے بھائیو اور بہنو! جب باری تعالیٰ ہم سے محبت کرتا ہے تو کیا ہم پر لازم نہیں کہ ہم بھی اللہ سے محبت کریں؟

انسانوں کو چھوڑیں، حیوانوں کا یہ حال ہے کہ جوان پر احسان کرے اور جوان سے محبت کرے تو وہ اپنے محسن سے ضرور محبت کرتے ہیں، حیوانوں میں سے کتے کا نام بڑی غلیظ گالی شمار ہوتا ہے لیکن کتے کا حال یہ ہے کہ جو اس کے سامنے روٹی کے چند ٹکڑے ڈال دے یا اسے پیار سے چمکارے تو وہ اس کے آگے لوٹ پوٹ ہونے لگتا ہے اور بچھ بچھ جاتا ہے۔ ہم تو انسان ہیں، ہمارے دل میں اپنے محسن کی قدر زیادہ ہونی چاہیے، ہمارا سب سے بڑا محسن ہمارا اللہ ہے، ہم پر لازم ہے کہ ہم اپنے اللہ سے ہر رشتے، ہر تعلق اور ہر چیز سے زیادہ محبت کریں جیسے ہم اللہ سے اولاد مانگتے ہیں، عزت اور راحت مانگتے ہیں ایسے ہی ہمیں اللہ سے اللہ کی محبت بھی مانگنی چاہیے اور ویسے مانگنی چاہیے جیسے آقا ﷺ مانگتے تھے، آپ کی ایک دعاء میں یہ الفاظ بھی ہیں:

" اللّٰهم إني اسالك حبك وحب من يحبك والعمل الذي يبلغي حبك." (ترمذی : ۳٦٢٧)

''اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں تیری محبت کا اور تیرے ان بندوں کی محبت کا جو تجھ سے محبت رکھتے ہیں اور ایسے عمل کی محبت کا جس سے تیری محبت کا حصول آسان ہو جائے۔'' (ترمذی شریف: ۱۸۷، جلد ثانی، ابواب الدعوات)

جامع ترمذی میں آپ ﷺ کی یہ دعا بھی منقول ہے:

" اللّٰهم اجعل حبك احب الى من نفسي وأهلي ومن الماء البارد."

"اے اللہ! مجھے ایسا بنادے کہ مجھے تیری محبت اپنی جان سے، اپنے گھر والوں سے اور ٹھنڈے پانی سے بھی زیادہ محبوب ہو۔" (سنن الترمذی : ٣٦٢٧)

ترمذی ہی میں ایک اور دعا حضرت عبداللہ بن یزید ؓ نے نقل کی ہے:

" اللهم ارزقني حبك و حب من ينفعني حبه عندك اللّٰهم مارزقتنى مما احب فاجعله قوة لى فيما تحب. اللهم وما زويت عني مما احب فاجعله فراغا لي فيما تحب." (ترمذي شريف: ٢/ ١٨٧ ابواب الدعوات)

"اے اللہ! مجھے اپنی محبت اور ہر اس شخص کی محبت نصیب فرما جس کی محبت تیرے ہاں کارآمد ہو، اے اللہ! تو نے جو بھی میری پسندیدہ چیزیں مجھے عطا فرمائی ہیں ان سب کو اپنے پسندیدہ کاموں میں لگنے کا ذریعہ اور سہارا بنادے۔"

اے اللہ! تو نے مجھے میری جن پسندیدہ چیزوں سے محروم رکھا ہے تو اس خلا کو اپنی پسندیدہ چیزوں سے پُر فرمادے۔"

ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کو سخت وعید سنائی ہے جو اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد سے زیادہ دوسری چیزوں اور قرابتوں سے محبت رکھتے ہیں۔

سورۂ توبہ کی آیت ۲۴ میں ہے:

"اے نبی! آپ مسلمانوں سے کہہ دیجیے کہ اگر تمھیں اپنے باپ، اپنے بیٹے، اپنے

بھائی، اپنی بیویاں، اپنے کنبے والے اور وہ اموال جو تم نے کمائے، اپنی تجارت جس کے مندا پڑنے سے تم ڈرتے ہو اور تمھارے مکان جو تمھیں پسند ہیں، اللہ، اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لے آئے اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔''

آیئے! ہم دعاء کریں کہ اللہ ہمیں ان اعمال کے کرنے کی توفیق دے جن کے کرنے سے بندہ اللہ کا محبوب بن جاتا ہے اور اللہ ہمیں اپنی، اپنے پیارے نبی ﷺ کی، اپنی پیاری کتاب کی، نبی ﷺ کے پیارے صحابہ ؓ کی، اولیاء اور علماء کی اور اعمال حسنہ کی محبت عطا فرمائے۔

وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العلمین

سچائی کی تلاش

الحمدللّٰہ وحدہ والصلوۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ، أما بعد!

فأعوذ باللّٰہ من الشیطن الرجیم

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

﴿قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ

وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ

فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ﴾

(سورۂ آلِ عمران: ٦٤، پـ ٣)

وقال تعالیٰ:

﴿قُلْ لَئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَىٰ أَنْ يَأْتُوا بِمِثْلِ هَٰذَا الْقُرْآنِ﴾

﴿لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا﴾

(سورۂ بنی اسرائیل: ٨٨، ١٥)

میرے بھائیو اور بہنو!

آج کے درس کا موضوع رکھا گیا ہے ''سچائی کی تلاش'' آپ جانتے ہیں کہ آج کل مذاہب کے درمیان مکالمہ اور ڈائیلاگ کا بڑا چرچا ہے، مغربی دانشوروں کا ایک طبقہ کہتا ہے، آیئے مل جل کر بیٹھیں، محبت اور پیار کے ماحول میں بات چیت کریں، کچھ سنیں کچھ سنائیں، یہ باتیں وہ لوگ کر رہے ہیں جنہوں نے صدیوں تک قرآنِ کریم کو اور ہمارے آقا ﷺ کی سیرت اور تعلیمات کو اپنی تحقیقات کا تختۂ مشق بنائے رکھا اور یہ ثابت کرنے میں ایڑی چوٹی

کا زور لگا دیا کہ محمد ﷺ نبی نہیں تھے بلکہ معاذ اللہ! کسی ذہنی اور نفسیاتی بیماری میں مبتلا ہونے کی وجہ سے نبوت کا دعویٰ کرتے تھے۔ بعض نے یہ بھی کہا کہ قرآن کریم آسمانی کتاب نہیں ہے بلکہ پہلی کتابوں کا چربہ اور علمی سرقہ ہے، تورات اور انجیل سے کچھ باتیں چرا کر اور کچھ اپنی طرف سے ملا کر ایک نئی کتاب بنالی گئی ہے اگر قرآن اور اسلام کے دشمنوں کو تحقیق کا حق حاصل ہے تو ہمیں بھی تحقیق حاصل ہے جبکہ ہماری تحقیق اور ان کی تحقیق میں زمین آسمان کا فرق ہے، وہ تحقیق کا حق کرنے میں دل آزاری کرتے اور جھوٹ بولتے ہیں لیکن ہمارا مقصد نہ تو دل آزاری ہے اور نہ ہی ہم جھوٹ بولنے کی اجازت دے سکتے ہیں، ہم سارے نبیوں اور ساری آسمانی کتابوں کا احترام کرنے والے اور ان پر ایمان رکھنے والے لوگ ہیں، ہم ان میں سے کسی کی بے حرمتی اور بے ادبی کو کفر تک پہنچنے کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔

آپ یقین کریں میری لائبریری میں بائبل موجود ہے، میں یہ بھی جانتا ہوں کہ اس میں تحریف نہیں، تحریفات ہو چکی ہیں مگر اس کے باوجود میں اسے ادب کے ساتھ الماری میں اور تپائی پر رکھتا ہوں، میرا ضمیر گوارا نہیں کرتا کہ میں اسے زمین پر رکھوں، ہو سکتا ہے عیسائی حضرات اسے زمین پر رکھتے ہوں اور ان کے ہاں یہ کوئی عجیب بات نہیں ہے لیکن میرے دین نے مجھے چونکہ ادب کی تعلیم دی ہے اس لیے میں بائبل کو فرش پر رکھنا بے ادبی سمجھتا ہوں۔

یہاں یہ بات ذہن میں ضرور رکھیں کہ ہم جس بائبل پر ایمان رکھتے ہیں اس سے مراد وہ بائبل ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی، باقی اس میں جو تحریفات کی گئی ہیں ہم ان پر ایمان ہرگز نہیں رکھتے، ایسی کتاب جس کے بارے میں

آنکھیں بند کر کے کہا جا سکے کہ اس کا ایک ایک حرف اور ایک ایک لفظ اللہ کا کلام ہے وہ صرف قرآن ہے، تورات اور انجیل کے بارے میں یہ ضمانت کوئی نہیں دے سکتا، یہاں تک کہ یہودی اور عیسائی بھی یہ ضمانت نہیں دے سکتے۔

اللہ کا کلام:

آج کی نشست میں ہم تسلیم شدہ علمی معیار کے اعتبار سے دیکھنا اور پرکھنا چاہتے ہیں کہ اس وقت دنیا میں جو مشہور آسمانی کتابیں پائی جاتی ہیں، ان میں سے کونسی کتاب ایسی ہے جسے اللہ کا کلام کہا جا سکتا ہے؟ زیادہ مشہور کتابیں چونکہ دو ہی ہیں یعنی قرآن اور بائبل، اس لیے ہم نے اپنے موازنہ اور تحقیق کو صرف انہی دو کتابوں تک محدود رکھا ہے۔

میں آپ کے سامنے چند پہلو رکھتا ہوں آپ خود فیصلہ فرمائیں کہ واقعۃً اور حقیقۃً اللہ کا کلام کونسا ہے؟ قرآن یا بائبل؟ جسے واقعی سچائی کی تلاش ہے اس کے لیے یہ مختصر سی بحث کافی ہوگی اور جسے سچائی کی تلاش نہیں ہے اور وہ ضد، تعصب اور قوم پرستی کی بیماری میں مبتلا ہوگا اس کے لیے طویل ترین لیکچر بھی بے کار ہوگا

پہلا پہلو اور نکتہ یہ ذہن میں رکھیں کہ قرآن کریم کی ۱۱۴ سورتیں، تیس پارے، کئی رکوع، آیتیں، الفاظ اور حرف ہیں، ان سب سورتوں، پاروں، آیتوں، لفظوں اور حرفوں کے بارے میں چودہ صدیوں سے مسلمانوں کا اتفاق چلا آ رہا ہے کہ یہ اللہ کا کلام ہے، تاریخ کے کسی دور میں کسی مسلمان کا اس بارے میں اختلاف نہیں رہا، اگر بالفرض کسی گروہ یا فرد کا نام لے کر بتا دیا جائے کہ فلاں فرقہ اور شخص تو اس حوالے سے اختلاف رکھتا ہے تو جان لیں کہ وہ فرقہ اور شخص مسلمان نہیں ہو سکتا۔

اس بات پر بھی مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ جو کوئی موجودہ قرآن کے کسی ایک جزء کا انکار کرتا ہے یا جو کچھ اس میں نہیں ہے اسے قرآن کا حصہ مانتا ہے تو وہ مسلمان نہیں ہو سکتا۔

قرآن کے مقابلے میں آپ بائبل کو دیکھیں! یہ تو آپ کو معلوم ہوگا کہ بائبل کے دو حصے ہیں، پہلے حصے کو عہد عتیق اور دوسرے حصے کو عہد جدید کہا جاتا ہے، عہد عتیق سے مراد وہ کتابیں ہیں جو حضرت عیسیٰ ﷺ سے پہلے نازل ہوئیں اور عہد جدید سے مراد وہ کتابیں ہیں جو حضرت عیسیٰ ﷺ پر نازل ہوئیں۔

عہد عتیق میں ۴۷ کتابیں ہیں، ان میں سے ۳۸ کتابوں کی صحت پر تو اتفاق رہا ہے لیکن ۹ کتابوں کے بارے میں مسیحیوں کا صدیوں تک اختلاف رہا کہ یہ اللہ کا کلام ہے یا نہیں؟ عہد جدید میں ۲۷ کتابیں ہیں، ان میں سے ۲۰ کتابوں پر تو اتفاق رہا لیکن ۷ کتابوں کے بارے میں اختلاف رہا، گویا بائبل کی ۷۴ کتابوں میں سے ایک دو نہیں پوری سولہ کتابوں کے آسمانی ہونے اور نہ ہونے کے بارے میں عرصہ دراز تک اختلاف رہا، اس سلسلہ میں بحث وتحیص جاری رہی، مشورے ہوتے رہے، بالآخر انہیں صحیح تسلیم کر لیا گیا۔

یہاں میں آپ کو ایک مضحکہ خیز بات سنانا چاہتا رہا ہوں لیکن شکر ہے کہ یہ بات کسی مسلمان نے نہیں لکھی ورنہ مسلمانوں کی شامت آ جاتی اور اس بات کو ان کا مذہبی تعصب قرار دیا جاتا، یہ بات فرانس کے مشہور مؤرخ والٹیر نے لکھی ہے، وہ کہتا ہے جب عیسائی پادریوں میں بائبل کی مشکوک کتابوں کے بارے میں اختلاف شدید ہو گیا تو انہوں نے آپس میں مشورہ سے یہ طے کیا کہ ہم ساری کتابوں کو میز پر رکھ کر اسے ہلاتے ہیں، جو کتابیں نیچے گر پڑیں انہیں غلط اور باطل تسلیم کر لیا جائے گا اور جو میز پر باقی رہ جائیں گی

انہیں صحیح تسلیم کرلیا جائے گا، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا، میز کو حرکت دینے کے باوجود جو کتابیں میز پر ٹکی رہیں انہیں بائبل کا حصہ مان لیا گیا اور جو نیچے گر گئیں انہیں خارج از بائبل قرار دے دیا گیا۔

اللہ کا کلام:

دوسرا پہلو جس کا ذکر ضروری ہے وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کا دعویٰ یہ ہے کہ قرآن اوّل سے آخر تک اللہ کا کلام ہے، اس کا مصنف وہ اکیلا ہے، کوئی دوسرا اس کی تصنیف میں شریک نہیں، یہاں تک کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا بھی کوئی خطبہ، کوئی جملہ اور کوئی ارشاد بھی اس میں شامل نہیں ہے، خود قرآن کا بھی یہی دعویٰ ہے، سورہ جاثیہ پارہ ۲۵، آیت ۲ میں ہے:

﴿ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴾

سورہ احقاف پارہ ۲۶، آیت ۲ میں ہے:

﴿ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴾

سورہ زمر پارہ ۲۳، آیت ۱ میں ہے:

﴿ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴾

سورہ مومن پارہ ۲۴، آیت ۲ میں ہے:

﴿ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴾

سورہ حم سجدہ پارہ ۲۴، آیت ۲ میں ہے:

﴿ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴾

بعض جگہ باری تعالیٰ نے قسمیں اٹھا کر فرمایا ہے کہ یہ قرآن رب العالمین کا کلام ہے،

کسی دوسرے کا کلام نہیں۔ سورۂ واقعہ میں ہے:

﴿فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ ۝ وَاِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْمٌ ۝ اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ۝
فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ۝ لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ۝ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

(سورة الواقعة: ۷۵، پ: ۲۸)

ترجمہ: ''پس میں قسم کھاتا ہوں ستاروں کے گرنے کی اور اگر تمہیں علم ہو تو یہ بہت بڑی قسم ہے کہ بے شک یہ قرآن بڑی عزت والا ہے جو ایک محفوظ کتاب میں درج ہے جسے صرف پاک لوگ ہی چھو سکتے ہیں یہ رب العلمین کی طرف سے اترا ہوا ہے۔''

سورۂ حاقہ میں ہے:

﴿فَلَآ اُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ ۝ وَمَا لَا تُبْصِرُوْنَ ۝ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ
كَرِيْمٍ ۝ وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ۭ قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ ۝ وَلَا بِقَوْلِ
كَاهِنٍ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ۝ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝﴾

(سورة الحاقة: ٤١)

ترجمہ: ''میں قسم کھاتا ہوں ان چیزوں کی جنہیں تم دیکھتے ہو اور ان چیزوں کی جنہیں تم نہیں دیکھتے کہ بے شک یہ قرآن بزرگ رسول کا قول ہے، یہ کسی شاعر کا قول نہیں، افسوس کہ تم بہت کم یقین رکھتے ہو اور نہ کسی کاہن کا قول ہے۔ افسوس کہ تم بہت کم نصیحت قبول کرتے ہو۔''

یہ تو رب العالمین کا اتارا ہوا کلام ہے۔ قرآنِ کریم کی ۱۱۴ سورتوں میں سے ایک بھی سورت ایسی نہیں جسے حضور اکرم ﷺ یا آپ کے صحابہ ﷡ میں سے کسی صحابی کی تصنیف کہا گیا ہو۔

حقیقت یہ ہے:

اس کے برعکس آپ بائبل کا مطالعہ کریں تو آپ کو ایسی کئی کتابیں مل جائیں گی جن کی تالیف کی نسبت اللہ کے سوا دوسروں کی طرف ہے بلکہ ایسی کتابیں بھی ہیں جن کا مؤلف معلوم ہی نہیں۔

میرے سامنے بائبل کا جو نسخہ ہے، یہ لاہور سے شائع ہوا ہے اور اس پر یکم اگست ۱۹۵۸ کی تاریخ درج ہے، اس کے صفحہ ۲۵۴ سے کتاب یوشع کا آغاز ہوتا ہے اور اس کے تعارف کے طور پر ابتداء میں لکھا گیا ہے: "کتاب ہذا میں وہ واقعات قلم بند ہیں جو ملک فلسطین کو قبضہ کرتے وقت وقوع میں آئے، کتاب ہذا کا مصنف عام روایت کے مطابق ایک نبی ہے جس کا نام نامعلوم ہے اور جس نے کتاب لکھتے وقت یوشع کی تحریروں سے کام لیا۔"

صفحہ ۲۸۵ پر کتاب قضات کی ابتداء میں ہے: "کتاب ہذا کا مصنف نامعلوم ہے لیکن بعضوں کی رائے ہے کہ سموئیل نبی نے اسے قلمبند کیا۔"

صفحہ ۳۲۰ پر کتاب راعوت کی ابتداء میں ہے: "یہ کتاب قضات کے زمانہ کا ایک وقوعہ بیان کرتی ہے، اس کا مصنف نامعلوم ہے۔"

صفحہ ۶۰۵ کتاب یہودیت کی ابتداء میں ہے: "یہودیت کی کتاب میں ایک بہادر یہودی عورت کے حالاتِ زندگی بیان کیے جاتے ہیں، ایک دیندار یہودی نے اس کتاب کو اپنی مادری زبان میں اس مقصد سے تالیف کیا کہ یہودی دینداری کا ایک خاص نمونہ پیش کرے اور یوں اپنے ہم قوموں کو ابھارے کہ شریعت اور احکامِ الٰہی کے پابند رہیں،

حالانکہ اصلی متن ہمارے پاس موجود نہیں تو بھی اس کتاب کے الہامی ہونے کے بارے میں کوئی شک نہیں۔"

اندازہ کیجیے کہ اس کتاب کا مصنف بھی معلوم نہیں اور اس کا اصلی متن بھی بائبل کے ماننے والوں کے پاس موجود نہیں پھر بھی انہیں اس کے الہامی ہونے کے بارے میں کوئی شک نہیں۔

صفحہ ۶۳۸ پر کتاب ایوب کے آغاز میں ہے: "اس کتاب کا مصنف غالباً بحر اردن کا ایک دیندار اور بزرگ عبرانی تھا، جس نے چھٹی صدی قبل المسیح کے آخر میں کتاب تالیف کی لیکن ہم اس کے نام سے ناواقف ہیں۔"

حقیقت یہ ہے کہ نہ بائبل کے مرتبین دعویٰ کرتے ہیں اور نہ کر سکتے ہیں کہ بائبل حرف بحرف اللہ کا کلام ہے۔ غور وفکر کرنے سے پتا چلتا ہے کہ بائبل میں اللہ کا کلام بھی ہے جسے روایت بالمعنی کے طور پر نقل کیا گیا ہے، انبیاء کرام علیہم السلام کے اقوال واحوال بھی ہیں، صلحاء اور دانشوروں کی باتیں اور نصیحتیں بھی ہیں اور بگڑے ہوئے انسانوں کی انتہائی خلاف عقل ونقل اور فحش باتیں بھی ہیں، جنہیں کوئی بھی روشن ضمیر اور غیر متعصب انسان "کلامِ مقدس" تسلیم نہیں کر سکتا۔ (ان میں سے چند باتیں ہم آخر میں ذکر کریں گے)

بے مثال کارنامہ:

آپ ذرا موازنہ کیجیے! ایک طرف بائبل ہے جس کے کئی ابواب ایسے ہیں جن کے مصنف اور راوی کا کوئی اتہ پتہ نہیں، دوسری طرف صرف قرآن کو نہیں بلکہ پچاس ہزار کے قریب احادیث کو دیکھیے! جن میں سے ایک ایک حدیث کی پوری سند مسلمان بیان کر سکتے

ہیں۔

مثال کے طور پر " انما الاعمال بالنیات " والی حدیث کو لے لیں، میں بتا سکتا ہوں کہ میرے درمیان اور حضور اکرم ﷺ کے درمیان کتنے واسطے اور کتنے اساتذہ ہیں، ان اساتذہ میں سے ہر ایک کا نام ونسب، سیرت وکردار، وطن اور قوم بھی بتا سکتا ہوں، اس مقصد کے لیے مسلمانوں کے پاس فنِ رجال ہے، جس کی کوئی مثال پوری دنیا میں نہیں ملتی۔

مشہور جرمن مستشرق ڈاکٹر سپرینگر جس نے علم حدیث پر کام کیا ہے، جب اس نے فنِ رجال کا مطالعہ کیا تو وہ یہ دیکھ کر دنگ رہ گیا کہ ایک شخصیت کے اقوال، اعمال اور احوال کو یقینی بنانے اور محفوظ رکھنے کے لیے چھ لاکھ انسانوں کے حالات جمع کیے گئے، یہ چھ لاکھ انسان وہ تھے جو بالواسطہ یا بلاواسطہ رسولِ اکرم ﷺ کے ارشادات اور حالات کو محفوظ رکھنے کے عمل میں شریک تھے، اگر عیسائیوں سے پوچھا جائے کہ آپ اپنی دو ہزار سالہ تاریخ میں ان شخصیتوں کے نام بتائیں جنھوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اقوال ہم تک پہنچائے ہوں تو اوّل تو شاید ان کی سمجھ ہی میں نہ آئے کہ آپ کیا پوچھ رہے ہیں؟ اس لیے کہ ان کے خیال میں یہ سوال کسی عجوبے سے کم نہیں ہوگا، اور اگر یہ سوال ان کی سمجھ میں آ گیا تو وہ چالیس یا پچاس سے زیادہ آدمیوں کے نام آپ کو نہیں بتا سکیں گے۔

رجال کی کتابوں میں چودہ پندرہ ہزار نام تو صرف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مل جائیں گے جن میں سے کسی کے مختصر اور کسی کے مفصل حالات مذکور ہوں گے، آپ انسانی تاریخ میں کسی ایک نبی، کسی ایک سیاسی اور مذہبی پیشوا کا نام مجھے بتائیں جس کے پندرہ ہزار نہیں صرف ایک دو ہزار ساتھیوں کے حالات تاریخ میں ذکر کیے گئے ہوں۔

حفاظت:

تیسرا پہلو جس کی طرف میں آپ کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں وہ ہے حفاظت، مسلمانوں نے وقتِ نزول ہی سے قرآن مجید کی حفاظت کا اہتمام شروع کر دیا تھا، مسلمانوں کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ نماز میں قرآن کریم کی تلاوت کریں، لہٰذا نماز میں تلاوت کی ضرورت سے بھی اور حفظ کی فضیلت کی وجہ سے بھی وہ نازل ہونے والی ہر سورت اور ہر آیت حفظ کرنے کی کوشش کرتے تھے۔

اندازہ لگایا گیا ہے کہ تقریباً ایک لاکھ صحابہ کرام ﷺ کو پورا قرآن حفظ تھا، ان کے علاوہ لاکھوں صحابہ کرام ﷺ کو قرآن کا اکثر حصہ یاد تھا، حفظ کے ساتھ ساتھ لکھنے کا بھی انتظام تھا چنانچہ نبی کریم ﷺ کی حیاتِ طیبہ ہی میں پورا قرآن لکھا جا چکا تھا۔

حفظِ قرآن کا شوق ہر دور اور ہر ملک کے مسلمانوں کو رہا ہے، اس کا اندازہ آپ اس امر سے لگا سکتے ہیں کہ جن شہروں میں بائبل کے ماننے والے زیادہ ہیں آپ کو وہاں بائبل کا حافظ تو ایک بھی نہیں ملے گا مگر قرآن کریم کے حافظ ممکن ہے سینکڑوں کی تعداد میں مل جائیں، نہ صرف مرد بلکہ عورتیں بھی حافظ مل جائیں گی۔

حفظِ قرآن کا بے مثال اہتمام کرنے کی وجہ ہی سے یہ ممکن ہوا ہے کہ دنیا کے چھ براعظموں میں پھیلے ہوئے ڈیڑھ ارب مسلمان ایک ہی قرآن پڑھتے ہیں، اور پھر پڑھتے بھی عربی زبان میں ہیں اسی لیے مسلمان بجا طور پر یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ وہی قرآن پڑھتے ہیں جو سوا چودہ سو سال پہلے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا، آیات میں تو کیا تبدیلی ہوگی حروف اور حرکات میں بھی کوئی تبدیلی نہیں ہوئی، رسم الخط تک میں رسمِ عثمانی کی

پابندی کی جاتی ہے، آپ سورۂ کہف کی آیت ۴۹ میں دیکھیں لکھا ہوگا "مـــالِ هـــذا الـکتٰب" حالانکہ عام عربی قاعدے کے مطابق اگر لکھا جاتا تو "ما لهذا الكتاب" ہونا چاہیے تھا یعنی لام کو "ھذا" کے ساتھ ملانا چاہیے تھا اور "الکتٰب" میں "ب" کو الگ لکھنا چاہیے تھا لیکن چونکہ مصحفِ عثمانی میں لام کو ھذا سے جدا اور الکتٰب کو کھڑے زبر کے ساتھ لکھا گیا ہے اس لیے دنیا بھر کے مصاحف میں اس کی پابندی کی جاتی ہے۔

غلطیاں ہی غلطیاں:

قرآن کے برعکس آپ حفاظت کے اعتبار سے بائبل کو دیکھیں تو آپ زمین آسمان کا فرق محسوس کریں گے، آپ کو پوری دنیا میں ڈھونڈنے سے بھی بائبل کا کوئی حافظ نہیں ملے گا۔ بائبل کو اپنی زبانِ نزول میں پڑھنا کوئی جانتا ہی نہیں، ہر جگہ اس کے ترجمے پڑھے جارہے ہیں، اصل متن جو آسمان سے نازل ہوا تھا کہیں نہیں پڑھا جا رہا، کوئی یہودی اور عیسائی دعویٰ نہیں کرسکتا کہ میں وہی تورات اور انجیل پڑھتا ہوں جو حضرت موسیٰ ﷺ اور حضرت عیسیٰ ﷺ پر نازل ہوئی۔ بائبل زبانی یادداشتوں کا مجموعہ ہے جسے نازل ہونے کے کئی سو سال بعد جمع کیا گیا، یہی وجہ ہے کہ بائبل کے مختلف نسخوں میں بے حد تضاد اور اختلاف پایا جاتا ہے۔

حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی رحمہ اللہ نے اپنی مایہء ناز کتاب ''اظہار الحق'' میں ثابت کیا ہے کہ بائبل میں ۱۲۳ واضح اختلافات اور ۱۱۰ موٹی غلطیاں ہیں۔

مشہور محقق ڈاکٹر حمید اللہ جن کی ساری زندگی تحقیق وتالیف میں گذر گئی، انہوں نے لکھا ہے کہ جرمنی کے پادریوں نے پوری دنیا سے بائبل کے مختلف نسخے جمع کر کے ان کا آپس

میں تقابل کرنے کے بعد تسلیم کیا کہ ان نسخوں میں دو لاکھ اختلافی روایات ملتی ہیں، ان میں سے ۱/۸ یعنی تقریباً ۲۵/ ۳۰ ہزار روایات بنیادی اہمیت کی حامل ہیں، جن سے بائبل کا مفہوم کچھ سے کچھ ہو جاتا ہے۔

اس کے بعد انہیں خیال ہوا کہ قرآن مجید میں کوئی ایسی چیز تلاش کی جائے جس سے قرآن میں تبدیلی کا دعویٰ کیا جا سکے، اس مقصد کے لیے جرمنی میں میونک یونیورسٹی میں ایک ادارہ بنایا گیا اور انڈونیشیا سے لے کر مراکش تک قرآنِ کریم کے ۴۲ ہزار نسخے جمع کیے گئے اور ماہرین کی ایک ٹیم کو ان کے مطالعہ اور موازنہ میں لگا دیا گیا، ان کی تین نسلیں اس کام میں لگی رہیں، دوسری جنگ عظیم میں اس ادارے پر بم گرا اور وہ تباہ ہو گیا لیکن تباہی سے پہلے ان ماہرین کی جو اجمالی رپورٹ شائع ہوئی اس میں انہوں نے تسلیم کیا کہ ان بیالیس ہزار نسخوں میں باہم کوئی تعارض نہیں، ہمیں کوئی ایک ایسی سورت اور آیت نہیں ملی جو ایک نسخے میں تو ہو مگر دوسرے نسخے میں نہ ہو، البتہ کتابت کی بعض غلطیاں نظر آئی ہیں یعنی کاتب نے کہیں زبر کی جگہ زیر لکھ دیا، کہیں الف اور کہیں یا لکھنے سے رہ گئی، باقی کوئی سنگین غلطی نہیں ہے۔

سائنس اور قرآن:

چوتھا پہلو جس کے حوالے سے قرآن اور بائبل میں تقابل کیا جا سکتا ہے وہ ہے جدید سائنسی تحقیقات..... قرآن کریم میں سات سو سے زیادہ آیات مظاہرِ فطرت کے بارے میں ہیں۔ کائنات کو دیکھیں تو آپ کو خوشگوار حیرت ہوگی کہ جو حقائق آج سے ساڑھے چودہ سو سال پہلے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی مبارک زبان سے بغیر کسی ریسرچ کے بیان ہوئے

تھے، سائنسدان طویل تجربات اور مغز ماری کے بعد اپنے آپ کو ان کی تصدیق پر مجبور پاتے ہیں جبکہ بائبل کا معاملہ ایسا نہیں ہے۔

میں نے کہیں فرانس کے مشہور نو مسلم عالم ڈاکٹر موریس بکائی کا واقعہ پڑھا تھا، وہ کسی زمانہ میں فرانس کے میڈیکل ایسوسی ایشن کے صدر اور شاہ فیصل شہید کے ذاتی معالج تھے، ایک مرتبہ انہیں شاہ فیصل کا طبی معائنہ کرنے کے لیے پیرس سے بلایا گیا، وہ ایک ہوٹل میں قیام پذیر تھے، اس دوران انہوں نے وہاں قرآن پاک کا ایک نسخہ رکھا ہوا دیکھا، سرسری ورق گردانی کی تو پتا چلا کہ قرآن مجید میں کچھ بیانات سائنسی نوعیت کے بھی ہیں، انہوں نے وہ تمام بیانات اپنے پاس نوٹ کر لیے، اس وقت ان کا کوئی ارادہ اسلام قبول کرنے کا نہ تھا، پھر جب وہ پیرس واپس آگئے تو انہوں نے بائبل سے بھی اسی قسم کے تمام بیانات نوٹ کر لیے جو سائنسی نوعیت کے تھے، بعد ازاں سب بیانات کا تقابلی مطالعہ کیا تو دیکھا کہ قرآن مجید کے تمام بیانات سو فیصد درست تھے اور بائبل کے تمام بیانات سو فیصد غلط، یوں ان کو اسلام اور قرآن سے دلچسپی پیدا ہوگئی، چنانچہ انہوں نے اسلام کا مطالعہ جاری رکھا، بلآخر اسلام قبول کر لیا، اسی دوران انہوں نے ایک کتاب بھی لکھی جس کا اردو ترجمہ بھی ہو چکا ہے اور وہ "بائبل، قرآن اور سائنس" کے نام سے بازار میں دستیاب ہے۔

ڈاکٹر موریس بکائی کی کتاب کے علاوہ بھی آپ کو دسیوں کتابیں قرآن اور سائنس کے موضوع پر مل جائیں گی اور اس حقیقت سے تو انکار کیا ہی نہیں جا سکتا کہ اندلس کے مسلمانوں نے اس وقت سائنسی تحقیقات اور ایجادات کا آغاز کیا جب اہل مغرب جہالت اور غفلت کی چادر اوڑھ کر سوئے ہوئے تھے، علماء اسلام نے کبھی بھی سائنسی تحقیق کی

مخالفت نہیں کی، اس لیے کہ ان کی مذہبی کتاب تو انہیں کائنات کی تسخیر اور تحقیق پر اکساتی ہے اور دیکھا جائے تو عالم انسانی پر قرآن کا یہ بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے انسان کو تسخیر کائنات کا راستہ دکھایا، جس زمانے میں قرآن نازل ہوا اس زمانے میں ایسے مذاہب کی کمی نہیں تھی جو مخلوق کو مقدس مان کر اس کے سامنے جھکتے اور اس کے حضور مال و جان کے نذرانے پیش کرتے تھے، کوئی سورج اور چاند کے سامنے، کوئی سمندر اور دریا کے سامنے، کوئی بندر اور گائے کے سامنے، کوئی سانپ اور بچھو کے سامنے ماتھا ٹیکتا تھا، ظاہر ہے تقدس اور تحقیق دونوں جمع نہیں ہو سکتے۔

میڈیکل کا وہ طالب علم جو حیوانی اور انسانی جسموں کو چیر پھاڑ کر تحقیق میں لگا رہتا ہے، اگر اسے اپنی والدہ یا والد کے مردہ جسم کی چیر پھاڑ کے لیے کہا جائے تو وہ اس کے لیے ہرگز تیار نہیں ہوگا، کیونکہ ان لاشوں کے لیے اس کے دل میں احترام پایا جاتا ہے، اور یہی جذبۂ احترام ان لاشوں کو ننگا کرنے اور پھر ان پر چھری کانٹے چلانے سے اسے روکتا ہے، قرآن نے تقدس کے نظریے کی تردید کی اور بتایا کہ اس کائنات میں اللہ تعالیٰ کے بعد اگر کوئی چیز محترم ہے تو وہ صرف انسان ہے۔

سورۂ بنی اسرائیل میں ہے:

﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ آدَمَ﴾ (سورة بني اسرائيل: ٧٩، پ: ١٥)

ترجمہ: ”اور ہم نے آدم کی اولاد کو عزت دی ہے۔“

سب سے اعلیٰ مخلوق ملائکہ ہیں، اللہ نے انہیں انسان کے سامنے جھکا دیا اور قرآن میں جگہ جگہ بتا دیا کہ اے انسانو! ارض وسماء میں جو کچھ ہے وہ تمہارے لیے ہے، تم اس کے لیے

نہیں ہو، زمین، آسمان، شجر حجر، جن فرشتے، ستارے اور سیارے، حشرات اور حیوانات سب تمہاری خدمت میں لگے ہوئے ہیں، تم مخدوم ہو یہ سب خادم ہیں، جو خادم ہو وہ خدا کیسے ہو سکتا ہے؟

چونکہ قرآن نے مسلمانوں کو ذہنی طور پر کائنات کی تسخیر اور اس کے پوشیدہ رازوں کی تحقیق کے لیے تیار کر دیا تھا اس لیے جب سائنسی تحقیقات کے نتائج سامنے آنے لگے تو انہیں مخالفت کا سامنا نہیں کرنا پڑا، اس کے برعکس جب یورپ نے صدیوں کی نیند کے بعد انگڑائی لی اور مسلمانوں کی دیکھا دیکھی مظاہر فطرت پر ریسرچ شروع کی تو وہاں کے سائنسدانوں کو مذہبی رہنماؤں کی جانب سے سخت مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔

آپ ڈریپر کی کتاب ''معرکہ مذہب وسائنس'' پڑھیں، آپ کو اندازہ ہوگا کہ بائبل کے علماء نے علم اور تحقیق کی راہ میں کتنی بڑی بڑی رکاوٹیں کھڑی کرنے کی کوششیں کیں، کسی سائنسدان کو انہوں نے زندہ جلا ڈالا، کسی کو جیل کی سلاخوں کے پیچھے دھکیل دیا، کسی کو ملک بدر کر دیا۔ مذہبی رہنماؤں کی تنگ نظری، کٹ حجتی اور تشدد پسندی کی وجہ سے علمِ جدید کے ماہرین یہ فیصلہ کرنے پر مجبور ہو گئے کہ مذہب اور سائنس اکٹھے نہیں چل سکتے، اس کے بعد ان کے راستے ہمیشہ کے لیے جدا جدا ہو گئے، مذہب کو کلیسا میں محصور کر دیا گیا اور زندگی کے ہر شعبے کو اس کی گرفت سے آزاد کرا لیا گیا۔

بعض نام نہاد مسلمان دانشور اہلِ مغرب کی اتباع میں اسلام کے ساتھ بھی یہی کچھ کرنا چاہتے ہیں لیکن ان کی کوششیں اس لیے کامیاب نہیں ہو سکتیں کہ وسیع النظر مسلم علماء اسرارِ فطرت کی نقاب کشائی کرنے والے محققین کو حقارت کی نظر سے نہیں، عزت کی نگاہ سے

دیکھتے ہیں اور مسلمان سائنسدانوں کو اپنا محسن سمجھتے ہیں، یہ تو آپ کے علم میں ہوگا کہ پاکستان کے مایہ ناز سائنسدان ڈاکٹر عبدالقدیر خان کو جب حکومت وقت نے اپنی سیاسی اور عالمی مجبوریوں کی بناء پر نظر بند کیا تو حکومت وقت کے اس غلط اقدام کی سب سے زیادہ مخالفت مذہبی طبقے نے کی۔

ضروری وضاحت:

دل تو چاہتا ہے کہ میں آپ کو کائنات کی تخلیق، کائنات کے پھیلنے، کائنات کے دھواں دھواں ہونے، کائنات کے نامعلوم مقامات، زمین و آسمان کے جڑے ہونے، سات آسمانوں کے وجود، سورج کے دوڑنے، ستاروں کی گردش، حمل اور وضع حمل، فنگر پرنٹس، زمین کی گردش، اور نباتات وغیرہ کے بارے میں قرآن کریم کی آیات بھی سناؤں اور سائنسدانوں کی تحقیقات بھی، جنہیں سن کر آپ یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہو جائیں گے کہ واقعی آج کے سائنسدان قرآن کریم کے صدیوں پہلے بیان کردہ حقائق کی تصدیق کرتے ہیں لیکن وقت کی تنگی کی وجہ سے میں یہ موازنہ کرنے سے قاصر ہوں لیکن یہ وضاحت کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ قرآن کریم اپنی صداقت کے لیے کسی سائنسدان کی تائید کا ہرگز محتاج نہیں ہے۔

آج کل یہ رواج سا چل نکلا ہے کہ قرآنی حقائق اور نبوی ارشادات کی تائید میں جدید ماہرین کے اقوال اور تحقیقات فخریہ انداز میں پیش کیے جاتے ہیں اور انہیں حرف آخر سمجھ لیا جاتا ہے۔ بعض احباب تو صرف اخبارات و رسائل میں کسی ڈاکٹر، کسی کوہ پیما، کسی انجینئر اور کسی محقق کی کوئی تحقیق اور قول پڑھ کر اسے اپنی کتابوں میں فخریہ انداز میں جگہ دے دیتے

ہیں کہ لیجیے! اتنے بڑے بڑے لوگ بھی وضو، استنجا، غسل، نماز، روزہ اور حج بلکہ ان کے ایک ایک رکن کے مادی فوائد تسلیم کر رہے ہیں، وہ مان رہے ہیں کہ تکبیرِ تحریمہ، قیام، رکوع، سجدہ، قعدہ، اور سلام پھیرنے میں فلاں فلاں مادی فائدے ہیں اور فلاں فلاں بیماریوں سے شفاء ہے، حالانکہ سائنسدانوں اور ڈاکٹروں کی تحقیقات بدلتی رہتی ہیں، کبھی وہ کہتے ہیں چائے پینے میں بے پناہ نقصانات ہیں اور کبھی وہ چائے نوشی کے فوائد گنوانے لگتے ہیں۔

سیدھی سی بات ہے کہ ہم اپنے اللہ کی بیان کردہ کسی حقیقت اور اپنے آقا ﷺ کے فرمودہ امر ونہی کی اہمیت اور افادیت کو نہ میڈیکل کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں اور نہ ہی کسی ماہرِ فن کی تصدیق کا محتاج سمجھتے ہیں۔

آج ڈاکٹر حضرات نماز کے رکوع اور سجود کے جسمانی فوائد تسلیم کر رہے ہیں، اللہ نہ کرے اگر کل کلاں کچھ سر پھرے یہ کہیں کہ رکوع وسجود میں تو بڑے نقصانات ہیں تو کیا ہم ان کی باتوں سے متاثر ہو کر رکوع وسجدہ ترک کر دیں گے؟ یا وہ کہیں کہ وضو اور غسل یا حج اور قربانی میں مادی اعتبار سے بڑے نقصانات ہیں تو کیا ان کے پروپیگنڈہ سے متاثر ہو کر ان عظیم عبادات کو پس پشت ڈال دیا جائے گا؟ نہیں! ہرگز نہیں! کوئی مسلمان احکامات خداوندی کو ترک کرنا تو در کنار، ترک کا تصور بھی اپنے حاشیہ خیال میں نہیں لاسکتا،

میں یہ کوئی فرضی باتیں نہیں کر رہا، بعض ایسے دانشوروں نے جو دین اور دنیا کی ہر چیز کو مادیت کے ترازو میں تولنے کے عادی ہیں، یہ پروپیگنڈہ شروع کیا ہوا ہے، وہ بڑے درد کے ساتھ کہتے ہیں کہ دیکھیں ناں جی! ہر سال اربوں روپے کے جانور قربانی کے نام پر ذبح کر دیئے جاتے ہیں، اگر یہ ساری رقم تعلیمی اداروں کے نادار طلباء وطالبات اور ہسپتالوں

میں زیرِ علاج غریب بیماروں میں تقسیم کردی جائے تو کالجوں اور یونیورسٹیوں سے ہزاروں ڈاکٹر اور سائنسدان پیدا ہو سکتے ہیں اور بے شمار دکھی انسانوں کا علاج ہو سکتا ہے......... تو بھائی بات یہ ہے کہ ہم ان سر پھرے لوگوں کی باتوں سے متاثر ہو کر اللہ کے کسی حکم اور رسول اکرم ﷺ کی سنت اور حدیث کو ترک نہیں کر سکتے۔

بہرحال عرض یہ کر رہا تھا کہ نئی نئی سائنسی دریافتوں کی روشنی میں قرآن اور بائبل کا موازنہ کیا جائے تو بھی ہمیں قرآن ہی ایک ایسی الہامی کتاب ملے گی جس کی تصدیق علم جدید اور تحقیق کے ماہرین کرتے ہیں اور یہ بات آپ نوٹ کر لیجیے کہ انسان کا علم بھی ترقی کی منازل طے کر رہا ہے، مگر ابھی تک کائنات کی ساری حقیقتیں وہ دریافت نہیں کر سکا، اسی لیے قرآنِ کریم کی بعض باتیں اس کی سمجھ میں نہیں آتیں، جب جہالت کے پردے اٹھیں گے اور انسان علم کی بلند اور مشکل گھاٹیوں کو عبور کرے گا تو اسے قرآن کی ہر بات سمجھ آ جائے گی۔

دوسری طرف بائبل بلکہ دوسری الہامی کتابوں میں بھی چونکہ ان کے ماننے والوں نے سنی سنائی باتیں شامل کر دی ہیں اس لیے محققین کے لیے ان کی ہر ہر بات کو تسلیم کرنا بہت مشکل محسوس ہوتا ہے۔ اگر آپ سائنس وغیرہ کا علم نہیں بھی رکھتے تو بھی آپ بائبل اٹھا کر دیکھیں تو آپ کو اس میں ایسی ایسی باتیں ملیں گی جنھیں تسلیم کرنا ایک عقلمند انسان کے لیے بہت مشکل ہے، میں آپ کے سامنے صرف ایک مثال رکھتا ہوں:

کتاب احبار؟ باب ۱۵ آیت ۱۲ میں ہے:

''اور مٹی کے جس برتن کو جریان کا مریض چھوئے وہ توڑ ڈالا جائے، پر چوبی برتن پانی

سے دھویا جائے۔"

آگے آیت ۱٦ میں ہے:

"اور اگر کسی مرد کی دھات بہتی ہو تو وہ پانی میں نہائے اور شام تک ناپاک رہے"

اور آیت ۲۳ میں ہے:

"اور اگر اس کا خون اس کے بستر پر یا جس چیز پر وہ بیٹھی ہو، اس پر لگا ہوا ہو اور اس وقت کوئی اس چیز کو چھوئے تو وہ شام تک ناپاک رہے اور اگر مرد اس کے ساتھ صحبت کرے اور اس کے حیض کا خون اسے لگ جائے تو وہ سات دن تک ناپاک رہے گا اور ہر ایک بستر جس پر وہ مرد سوئے گا ناپاک ہوگا۔"

پہلی بات تو یہ ہے کہ برتن توڑنے کا حکم تو مال کو ضائع کرنا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ جریان کے مریض کی کیا خصوصیت ہے؟

تیسری بات یہ ہے کہ ہاتھ لگانے سے اس برتن میں کونسی چیز داخل ہوگئی ہے؟

چوتھی بات یہ کہ تانبے اور لکڑی کا برتن دھونے سے پاک ہوسکتا ہے تو مٹی کا برتن کیوں نہیں ہوسکتا؟

پانچویں بات یہ کہ حیرت ہے کہ ایک انسان نہا لینے کے باوجود شام تک ناپاک رہتا ہے؟

چھٹی بات یہ کہ جس بستر پر حیض والی عورت بیٹھی ہو صرف اس بستر پر بیٹھنے سے کوئی شخص کیسے ناپاک ہوسکتا ہے؟ اور کیا یہ عورت سے نفرت کی انتہا نہیں ہے؟ نہ صرف بستر بلکہ جس چیز پر بھی وہ بیچاری عورت بیٹھ جائے اور اسے اس کا خون لگ جائے، خواہ وہ کرسی ہو یا

صوفہ ہو یا چار پائی ہو تو جو بھی اسے چھوئے وہ جسم اور کپڑے دھو لینے کے باوجود شام تک ناپاک رہے۔

ساتویں بات تو بڑی ہی عجیب ہے کہ جس شخص کو حائضہ کا خون لگ گیا وہ اب حائضہ کے حکم میں ہو گیا، جیسے حائضہ سات دن تک ناپاک، یہ بھی ناپاک، جیسے حائضہ جس بستر پر سو جائے وہ بستر بھی ناپاک ہو جاتا ہے یونہی یہ مرد جس بستر پر سو جائے وہ بستر ناپاک ہو جاتا ہے۔

بائبل کے یہ احکام اگر مان لیے جائیں تو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ اس وقت پوری دنیا میں بائبل کے ماننے والوں سے زیادہ ناپاک اور گندی قوم کوئی نہیں ہے اس لیے کہ یہ لوگ ان احکام کا قطعاً کوئی لحاظ نہیں کرتے، لہٰذا بائبل کی رُو سے ان کی ہر چیز ناپاک، جسم ناپاک، بستر ناپاک، صوفے ناپاک، کپڑے ناپاک، کھانے پینے کی چیزیں ناپاک، برتن ناپاک ......اللہ پاک ہمیں ناپاکوں اور ناپاکی سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔

مزید مثالیں دیکھنی ہوں تو مشہور کتاب ''بائبل سے قرآن تک'' میں دیکھ لیجیے!

قرآن! لغویات سے پاک کتاب:

پانچواں پہلو جس کے اعتبار سے ہم قرآن اور بائبل کا آج کی نشست میں تقابل کرنا چاہتے ہیں، وہ یہ ہے کہ آپ اَلْحَمْدُ سے لے کر وَالنَّاس تک پورا قرآن پڑھ جائیے، آپ کو اس میں ایک آیت بلکہ ایک جملہ بھی غیر سنجیدہ اور اخلاق سے گرا ہوا نہیں ملے گا۔

قرآنِ کریم کے بنیادی مضامین تین ہیں: یعنی توحید، نبوت اور آخرت۔

توحید کے حوالے سے بتایا گیا کہ اللہ کا وجود ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے، اس کے

وجود کے دلائل ارض وسماء میں، بروبحر میں، بادلوں اور ہواؤں میں، نباتات اور حیوانات میں بلکہ خود انسان کی اپنی ذات میں بھی موجود ہیں، اللہ کے وجود کے علاوہ قرآن، اللہ کی صفات بھی بار بار بیان کرتا ہے اور یہ بھی بتاتا ہے کہ وہ اپنی صفات میں یکتا اور بے مثال ہے، نہ اس جیسا کوئی سمیع وبصیر ہے نہ علیم وخبیر ہے، وہ شکور وقدیر ہے۔عزت ذلت، صحت اور بیماری، موت اور زندگی سب اسی کے ہاتھ میں ہے وہ جسے چاہتا ہے اٹھاتا ہے، جسے چاہتا ہے گرادیتا ہے، جسے چاہتا ہے ہنساتا ہے اور جسے چاہتا ہے رُلادیتا ہے۔

اللہ کے ہر نبی نے سب سے زیادہ توحید ہی کے مضمون پر زور دیا، سب سے پہلا سبق اپنی قوم کو یہی دیا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔توحید کے بعد دوسرے نمبر پر جس مضمون پر زیادہ زور دیا گیا ہے وہ آخرت کا مضمون ہے، قرآن بتاتا ہے کہ اصل زندگی آخرت کی ہے، دنیا اور دنیا کی ہر نعمت فانی ہے، جنت، دوزخ اور قیامت برحق ہیں، چونکہ ظاہری نظاروں میں کھوئے ہوئے انسان کے لیے ایک ایسے جہاں کا ماننا بہت مشکل ہے جسے نہ آنکھوں سے دیکھا ہو، نہ اس کی نعمتوں کو زبان سے چکھا ہو، نہ سونگھا ہو، نہ چھوا ہو اور نہ ہی وہاں کی خوشی اور غم پر مشتمل آوازوں کو سنا ہو، اس لیے قرآن نے انداز بدل بدل کر اور بار بار آخرت کا ذکر کیا ہے تاکہ قرآن پڑھنے والے کے دل میں آخرت کا یقین بیٹھ جائے۔

قرآن کا تیسرا بنیادی مضمون نبوت ورسالت ہے، قرآن نے وحی اور رسالت کے ساتھ حضرت آدم ﷺ سے لیکر حضرت عیسیٰ ﷺ تک مختلف انبیاء کرام علیہم السلام کا ذکر کیا ہے، قرآن نے ہر نبی کی اور اس کے ماننے والوں کی تعریف کی ہے، کسی ایک نبی کی شان میں ادنیٰ گستاخی بھی آپ کو قرآن میں نہیں ملے گی، قرآن کے برعکس آپ بائبل کو دیکھیں تو

آپ حیران رہ جائیںگے کہ حضراتِ انبیاء علیہم السلام کی شان میں کیسی کیسی گستاخیاں کی گئی ہیں۔

بائبل، قرآن اور انبیاء:

میں زیادہ تفصیل میں نہیں جاتا، چند حوالے پیش کرنے پر اکتفا کرتا ہوں، بائبل ۱۰ (کتابِ پیدائش) باب ۹، آیت ۱۸ سے ۲۲ تک۔

حضرت نوح ﷺ کے بارے میں ہے: ''نوح کھیتی کرنے لگا اور اس نے انگور کا باغ لگایا اور اس کی مے پی کر نشے میں آیا اور اپنے ڈیرے کے اندر برہنہ ہوگیا اور کنعان کے باپ حام نے اپنے باپ کو برہنہ دیکھا اور اپنے دونوں بھائیوں کو جو باہر تھے، خبر دی......

جبکہ قرآن نوح علیہ السلام کے بارے میں کہتا ہے:

﴿وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ ۝ سَلَامٌ عَلَىٰ نُوحٍ فِي الْعَالَمِينَ ۝ إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۝ إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ۝﴾

(سورۃ الصٰفٰت: ۷۸۔ ۸۱، پ: ۲۳)

ترجمہ: ''اور ہم نے بعد میں آنے والوں میں نوح کا ذکر خیر باقی رکھا، نوح پر سلامتی ہو سارے جہانوں میں، ہم نیکوکاروں کو یونہی بدلہ دیا کرتے ہیں، یقیناً وہ ہمارے کامل ایمان والے بندوں میں سے تھا۔'' (سورۂ صافات)

بائبل ۲۰ (کتابِ تکوین) باب ۱۹، آیت نمبر ۳۰:

''حضرت لوط ﷺ کے بارے میں لکھا ہے: وہ اپنی دونوں بیٹیوں کے ساتھ ایک غار میں رہنے لگے اور بڑی نے چھوٹی سے کہا کہ ہمارا باپ بوڑھا ہے اور زمین پر کوئی مرد نہیں رہا

جوتمام جہان کے دستور کے موافق ہمارے پاس اندر آئے، آؤ ہم اس کو مے پلائیں اور اس سے ہم بستر ہوں اور اپنے باپ سے نسل باقی رکھیں، انہوں نے اسی رات اپنے باپ کو مے پلائی اور بڑی اندر گئی اور اپنے باپ سے ہم بستر ہوئی، پر اُس نے نہ جانا کہ وہ کب لیٹی اور کب اُٹھ کر چلی گئی، دوسرے روز پھر انہوں نے ایسے ہی کیا اور چھوٹی اپنے باپ سے ہم بستر ہوئی، یوں لوط کی دونوں بیٹیاں اپنے باپ سے حاملہ ہوئیں، بڑی کے ایک بیٹا ہوا، جس کا نام اس نے موآب رکھا، وہی موآبیوں کا باپ ہے جو اب تک ہیں اور چھوٹی کے بھی ایک بیٹا ہوا، جس کا نام اس نے بن عمی رکھا یعنی میرے لوگوں کا بیٹا، وہی بنی عمون کا باپ ہے جو اب تک ہے۔"

آیئے! اب قرآن سے پوچھیں کہ حضرت لوط علیہ السلام کون تھے؟ کیسے تھے؟ ان کا مقام کیا تھا؟ سورۂ صف میں ہے:

﴿وَإِنَّ لُوطًا لَّمِنَ الْمُرْسَلِينَ﴾ (سورة الصفت: ١٣٣، پ: ٢٣)

ترجمہ: "بیشک لوط علیہ السلام بھی پیغمبروں میں سے تھے۔"

سورۂ انعام میں ہے:

﴿ وَإِسْمَاعِيلَ وَالْيَسَعَ وَيُونُسَ وَلُوطًا وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعَالَمِينَ ﴾

(سورة الأنعام: ٨٦، پ: ٧)

ترجمہ: "ہم نے ہدایت کی اسماعیل، یسع، یونس، اور لوط کو اور ہر ایک کو تمام جہان والوں پر ہم نے فضیلت دی۔"

کہاں بائبل جو کہ اللہ کے نبی کو معاذ اللہ! شرابی اور زانی باور کرا رہی ہے اور کہاں

قرآن جو اعلان کر رہا ہے کہ اللہ کا ہر نبی (جن میں حضرت لوط ﷺ بھی شامل ہیں)

سارے جہانوں پر فضیلت رکھتا ہے۔

بائبل ۳۸۰ کتاب پیدائش، باب ۱۱، آیت ۱ سے ۲۷ تک:

''حضرت داؤد ﷺ کے بارے میں ہے کہ وہ ایک شام محل کی چھت پر ٹہل رہے تھے، چھت پر سے انہوں نے ایک عورت کو نہاتے دیکھا جو کہ بڑی خوبصورت تھی، داؤد ﷺ نے اس کے بارے میں دریافت کیا تو بتایا گیا کہ یہ اُوری یاہ کی بیوی ہے، داؤد نے اسے قاصد کے ذریعہ بلا کر اس کے ساتھ صحبت کی، اس کا شوہر جہاد میں گیا ہوا تھا، جب وہ نجاست سے پاک ہوئی تو اپنے گھر چلی گئی، جب وہ حاملہ ہوگئی تو اس نے داؤد کے پاس خبر بھیجی، اُوری یاہ جنگی سفر سے واپس آیا تو داؤد نے اسے دوبارہ جہاد میں بھیج دیا اور امیر لشکر کو خط لکھا کہ جس جگہ پر سخت لڑائی ہو اوری یاہ کو وہاں رکھو اور اس کے پیچھے سے ہٹ جاؤ تا کہ وہ زخمی ہو اور مر جائے، چنانچہ ایسا ہی ہوا، اس کی بیوی کو شوہر کے مرنے کی اطلاع کی تو اس نے اپنے شوہر کے لیے ماتم کیا، جب اس کے ماتم کے دن پورے ہوگئے تو داؤد نے اس کو بلا کر اپنے گھر میں رکھا اور اپنی بیوی بنالیا، جس سے اس کے لیے بیٹا پیدا ہوا اور یہ جو داؤد نے کیا خداوند کی نگاہ میں بُرا تھا''۔

آیئے! اب قرآن سے پوچھیں کہ حضرت داؤد ﷺ کیسے تھے؟ سب سے پہلے تو سورۃ الانعام میں اللہ نے بڑے بڑے انبیاء کے ساتھ ان کا ذکر کیا ہے اور بتایا ہے کہ یہ سب نیک لوگ تھے اور انہیں دوسرے انسانوں پر فضیلت دی گئی تھی۔ پھر سورۃ انبیاء میں حضرت داؤد ﷺ اور حضرت سلیمان ﷺ دونوں کا ان الفاظ میں ذکر ہے:

﴿ وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا ﴾ (سورۃ الأنبیاء: ۷۹، پ: ۱۷)

ترجمہ: ''ہم نے دونوں کو حکم اور علم دے رکھا تھا۔''

اور سورۂ ص میں فرمایا گیا:

اِصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَا الْاَيْدِ ۚ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ۝ اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِشْرَاقِ ۝ وَالطَّيْرَ مَحْشُوْرَةً ۭ كُلٌّ لَّهٗٓ اَوَّابٌ ۝ وَشَدَدْنَا مُلْكَهٗ وَاٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ ۝ وَهَلْ اَتٰىكَ نَبَؤُا الْخَصْمِ ۘ اِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ ۝

(سورۃ ص: ۱۷، پ: ۲۳)

ترجمہ: ''آپ ان کی باتوں پر صبر کیجیے! اور ہمارے بندے داؤد کو یاد کریں جو بڑی قوت والا تھا، یقیناً وہ بہت رجوع کرنے والا تھا، ہم نے پہاڑوں کو اس کے تابع کر رکھا تھا کہ اس کے ساتھ شام و صبح تسبیح خوانی کریں اور پرندوں کو بھی جمع ہو کر سب کے سب اس کے فرمانبردار رہتے اور ہم نے اس کی سلطنت کو مضبوط کر دیا تھا اور اسے حکمت و دانائی اور قوت فیصلہ دی تھی۔''

بائبل ۱۰۴ کتاب خروج، باب ۳۲ میں ہے:

''حضرت ہارون ﷺ نے لوگوں سے کہا کہ اپنی بیویوں، بیٹوں اور بیٹیوں کے کانوں کی سونے کی بالیاں اتارو اور انہیں میرے پاس لاؤ، جب وہ لے آئے تو ہارون نے سانچے میں ڈال کر ایک ڈھالا ہوا بچھڑا بنایا تو انہوں نے کہا اے اسرائیل! یہ تیرا معبود ہے جو ملکِ مصر سے تجھے باہر نکال لایا اور ہارون نے جب یہ دیکھا تو اس کے آگے ایک قربان گاہ بنائی۔''

غرضیکہ بائبل نے اسرائیلیوں میں گاؤ پرستی کی رسم کا موجد حضرت ہارون ﷤ کو قرار دیا لیکن قرآن کہتا ہے کہ اس شرکیہ رسم کے موجد حضرت ہارون ﷤ نہیں تھے بلکہ سامری تھا۔

بائبل ۴۲۱ کتاب ملوک، باب ۱۱، آیت ۱ تا ۱۲ میں ہے:

''حضرت سلیمان ﷤ کے بارے میں ہے کہ سلیمان، فرعون کی بیٹی کے علاوہ اور بہت سی اجنبی عورتوں کو چاہنے لگا حالانکہ وہ ایسی قوموں سے تھیں جن سے ملنے سے اللہ نے منع کیا تھا لیکن غلبہ عشق کی وجہ سے سلیمان ان کی طرف مائل ہوگیا، جب وہ بوڑھا ہو گیا تو اس کی بیویوں نے اس کے دل کو اجنبی معبودوں کی طرف مائل کیا تو اس کا دل اپنے خدا کی طرف کامل نہ رہا، سلیمان نے اپنی اجنبی عورتوں کے بتوں کے لیے معبد بنائے، جہاں وہ اپنے معبودوں کے آگے بخور جلاتی اور قربانیاں گزارتی تھیں۔''

اب قرآن سے پوچھئے! قرآن نے حضرت داؤد ﷤ اور حضرت سلیمان ﷤ دونوں باپ بیٹا کا ذکر کئی جگہ انتہائی بلند پایہ الفاظ میں کیا ہے۔ سورۃ البقرہ میں حضرت سلیمان ﷤ کے زمانے میں شیاطین کی حرکتوں اور پھر یہود کی شرارتوں کا ذکر کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے:

﴿ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ ﴾(سورة البقرة: ۱۰۲، پ: ۱)

ترجمہ: ''اور سلیمان نے کفر نہیں کیا۔''

جو شخص پوراپس منظر نہ جانتا ہوا سے تعجب ہوتا ہے کہ اللہ کو یہ کہنے کی ضرورت کیوں پیش آئی۔ تعجب اس لیے ہوتا ہے کیونکہ اولیاء اور صلحاء سے برائی کی نفی تعریف شمار نہیں ہوتی.

مثال کے طور پر ایک شخص اپنے کسی عظیم استاد کے بارے میں یہ کہے کہ وہ زنا نہیں کرتے اور شراب نہیں پیتے تو لوگ اسے حیرت سے دیکھیں گے کہ یہ کیسی تعریف ہے۔ اللہ کے نبی کا کفر نہ کرنا اتنی بڑی بات نہیں ہے کہ اسے تعریف کے مقام پر ذکر کیا جائے لیکن جب ہم بائبل کا مطالعہ کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ حضرت سلیمان ﷺ کی طرف کیسی کفریہ باتوں کی نسبت کی گئی ہے، تب ہمیں ﴿وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ﴾ جیسے الفاظ کی قدر ہوتی ہے۔

میرے اسلامی بھائیو اور بہنو!

میں نے قرآن اور بائبل کے درمیان موازنہ کے صرف پانچ پہلو ذکر کیے ہیں، جو لوگ سچائی کی تلاش میں ہیں وہ اگر غور کریں گے تو ان کے لیے حق اور سچ تک پہنچنا آسان ہو جائے گا لیکن جو ضدی اور ہٹ دھرم ہیں ان کے سامنے اگر ہزاروں دلائل بھی رکھ دیے جائیں تو وہ سچائی کو تسلیم کرنے کے لیے آمادہ نہیں ہوتے۔

میں آپ سے یہ گزارش بھی کرنا چاہتا ہوں کہ ہم پر اپنے خالق و مالک کا شکر ادا کرنا لازم ہے جس نے ہمیں ایسی کتاب عطا کی جس کا ایک ایک لفظ اللہ کی طرف سے نازل شدہ ہے اور جو مکمل طور پر محفوظ ہے، جس کے بیان کردہ حقائق کو ہر سمجھدار اور غیر متعصب انسان تسلیم کرنے پر مجبور ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اس کتاب کو پڑھنے، سمجھنے، عمل کرنے اور اسے پوری دنیا میں پھیلانے کی توفیق عطا فرمائے۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العلمين

اِسلام اور تقسیمِ وراثت

الحمدللّٰہ وحدہ والصلوۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ، أما بعد !

فأعوذ باللّٰہ من الشیطن الرجیم

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

﴿لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا﴾

(سورۃ النساء: ۷، پ: ٤)

قابلِ احترام بھائیو اور بہنو! تقریباً ہر مذہب میں مرنے والوں کے ترکہ کی تقسیم کا کوئی نہ کوئی طریقہ اور قانون بنا ہوا ہے، جس کے تحت وہ ترکہ تقسیم کرتے ہیں لیکن اسلام نے ترکہ کی تقسیم کو جو اہمیت دی ہے اور اس کے لیے جو صاف ستھرا اور عدل پر مبنی نظام قائم کیا ہے اس کی مثال کسی دوسرے مذہب اور کسی ملک وقوم کے قانون میں نہیں ملتی۔

اِسلام کے نظامِ وراثت کی وضاحت کے لیے چھ باتوں کی وضاحت کروں گا:

۱- فرائض کا معنی

۲- میراث کی اہمیت

۳- اسلامی نظامِ میراث کی خصوصیات

۴- عورت کا حق

۵- تقسیم کی ترتیب

٦- چند ضروری احکام

علم فرائض:

پہلی بات جس کی وضاحت کرنا چاہتا ہوں، وہ یہ ہے کہ "علم میراث" کو چونکہ علم فرائض بھی کہا جاتا ہے اس لیے لفظِ فرائض کا لغوی اور اصطلاحی معنی معلوم ہونا بھی ضروری ہے۔

فرائض، فریضہ کی جمع ہے، لغت میں اس کے معنی ہیں:

١- متعین کرنا، جیسا کہ سورۂ بقرہ میں ہے:

﴿فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ﴾ (سورة البقرة: ٢٣٧، پ: ٢)

"اگر تم اپنی بیویوں کو رخصتی اور جماع سے قبل ہی طلاق دے دو تو تم نے ان کے لیے جتنا مہر متعین کیا ہو اس کا نصف ان کو دے دو۔"

٢- دوسرا معنی ہے، وجوب، سورۂ تحریم میں ہے:

﴿قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ أَيْمَانِكُمْ﴾ (سورة التحريم: ٢، پ: ٢٨)

"اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر اپنی قسموں کو توڑنا واجب کیا ہے۔"

٣- تیسرا معنی ہے اتارنا، سورۂ قصص میں ہے:

﴿إِنَّ الَّذِي فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْآنَ﴾ (سورة القصص: ٨٥، پ: ٢٠)

"بے شک وہ ذات جس نے تمہارے اوپر قرآن نازل کیا ہے۔"

٤- چوتھا معنی ہے بیان کرنا اور طے کر دینا، خطبہ میں میں نے جو آیتِ کریمہ تلاوت کی ہے اس کے آخر میں ہے:

﴿نَصِيبًا مَّفْرُوضًا﴾ (سورة النساء: ٧، پ: ٤)

"ہر ایک کا طے شدہ حصہ ہے۔"

علم میراث کو فرائض اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب مقدس میں بعض وارثوں کے حصے متعین اور بیان کر دیے ہیں۔

اہمیت:

دوسری چیز جس کی وضاحت کرنا چاہتا ہوں وہ ہے علم میراث کی اہمیت، سب سے پہلے آپ قرآن کو دیکھیں تو آپ کو میراث اور ورثہ کے بیان کرنے میں جو امتیازی خصوصیت دکھائی دے گی وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ جیسی عظیم عبادات کا ذکر اجمالی طور پر کیا ہے، ان کے تفصیلی اور جزئی احکام بیان نہیں کیے جبکہ میراث کی جزئیات بھی بیان فرمائی ہیں اور انداز بھی ایسا اختیار فرمایا کہ وراثت کی تقسیم کی اہمیت خوب اچھی طرح دل میں بیٹھ جاتی ہے، یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ دل میں ایمان رکھنے والا انسان آیات میراث پڑھے اور عمل کے لیے آمادہ نہ ہو۔

سورۂ نساء کی آیت ۷ میں پہلے یہ فرمایا کہ والدین اور رشتہ دار جو کچھ چھوڑ جائیں وہ تھوڑا ہو یا زیادہ، اس میں مردوں کا بھی حصہ ہے اور عورتوں کا بھی حصہ ہے اور یہ حصہ اللہ نے خود متعین کر دیا ہے...... یہ مضمون اللہ نے یوں بیان فرمایا کہ مردوں کا ذکر الگ کیا اور عورتوں کا ذکر الگ کیا۔

پھر آیت ۹ میں جھنجوڑ دینے والے انداز میں چھوٹے بچوں کے ساتھ ظلم اور زیادتی سے منع فرمایا، کہا گیا کہ تم یہ سوچو کہ اگر تم اپنے پیچھے چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑ جاؤ تو ان کے

بارے میں تمہارے کیا جذبات ہوں گے؟ یقیناً تم یہ چاہو گے کہ کوئی ان کا حق نہ کھائے اور ان کے ساتھ زیادتی نہ کرے، جیسے تم اپنے بچوں کے بارے میں سوچتے ہو یونہی تمہیں دوسروں کی اولاد کے بارے میں سوچنا چاہیے۔

آیت ۱۰ میں ان لوگوں کو وعید سنائی گئی ہے جو یتیموں کا مال کھا جاتے ہیں، فرمایا کہ وہ حقیقت میں اپنے پیٹ میں آگ بھرتے ہیں۔

آیت ۱۱ میں مختلف قرابت داروں کے حقوق بیان کرتے ہوئے "یوصیکم" کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے جس کا معنی ہے "خیر خواہی کے ساتھ حکم دینا۔" گویا سمجھایا جا رہا ہے کہ تمہیں میراث تقسیم کرنے کا جو حکم دیا جا رہا ہے اور مختلف قرابت داروں کے جو حصے مقرر کیے گئے ہیں تو یہ سب کچھ خیر خواہی کی بنیاد پر ہے۔

وارثوں میں سے کس سے تمہیں زیادہ فائدہ حاصل ہو سکتا ہے؟ اس کا علم صرف اللہ کو ہے لہٰذا تم اپنی عقل نہ دوڑاؤ بلکہ اللہ نے جو حکم دیا ہے اس پر عمل کرو۔

اس کے بعد فرمایا:

﴿ فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ ﴾ (سورة النساء: ۱۱، پ: ٤)

''یہ حصے اللہ کی طرف سے مقرر کیے ہوئے ہیں۔''

ورثاء کے حصے بیان کرنے کے بعد آخر میں ترغیب بھی ہے اور ترہیب بھی، بشارت بھی ہے اور تنبیہ بھی...... ارشاد ہوتا ہے:

﴿ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ ...... ﴾ (سورة النساء: ۱۳، پ: ٤)

''یہ اللہ کی حدود ہیں اور جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا، اللہ اسے ایسے

باغات میں داخل کرے گا جس کے ساتھ نہریں جاری ہیں، ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اس کی حدود سے تجاوز کرے گا اسے ایسی آگ میں داخل کرے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب ہوگا۔"

قرآن کریم کے بعد آپ احادیث کا مطالعہ کریں تو ان میں بھی آپ کو بڑی تاکید ملے گی۔

دارقطنی میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "علم فرائض سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ کیونکہ میں انتقال کر جاؤں گا اور علم اٹھا لیا جائے گا، فتنے ظاہر ہوں گے۔ (علم اور علماء کی قلت کی وجہ سے صورتحال یہ ہوگی کہ) دو شخص فرائض میں اختلاف کریں گے لیکن انہیں کوئی ایسا شخص دستیاب نہیں ہوگا جو ان کے درمیان فیصلہ کر سکے۔"

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "علم فرائض سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ کیونکہ یہ نصف علم ہے اور یہ پہلی چیز ہوگی جسے بھلا دیا جائے گا اور یہ پہلا علم ہوگا جو میری امت سے سلب کر لیا جائے گا۔"

(سنن ابن ماجه: صـ: ۱۹۵، باب الحث علی تعلیم الفرائض)

اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے علم فرائض کو نصف علم اس لیے قرار دیا ہے کیونکہ انسان کی دو حالتیں ہیں: ایک زندگی کی اور دوسری مرنے کے بعد کی۔ فرائض کے علاوہ جو دوسرے علوم ہیں ان کا تعلق زندگی میں پیش آنے والے مسائل اور حالات سے ہوتا ہے اور

فرائض کا تعلق مرنے کے بعد پیش آنے والے حالات سے ہوتا ہے۔

خصوصیات:

یوں تو سارے ہی مذاہب میں ترکہ اور وراثت کے بارے میں کچھ نہ کچھ احکام موجود ہیں لیکن اسلامی احکام میں جو حکمت اور عدل کارفرما ہے، دوسرے مذاہب کا دامن اس سے خالی ہے، ہم یہ نہیں کہتے کہ معاذ اللہ! آسمان سے ایسے احکام نازل کردیے گئے تھے جن میں ظلم کا کوئی پہلو پایا جاتا تھا بلکہ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ قدیم مذاہب کے ماننے والوں نے وقت کے ساتھ ساتھ اپنی خواہشات کے مطابق ان میں تبدیلیاں کرلی تھیں۔

یہاں پر ہم اسلام کے نظام میراث کی ساری خصوصیات بیان نہیں کرسکتے، صرف چند خصوصیات بیان کرنے پر اکتفاء کریں گے:

پہلی خصوصیت یہ ہے کہ اسلامی تعلیم کے مطابق میت نے جو کچھ چھوڑا ہو وہ سب میراث شمار ہوگا، خواہ اس کے ذاتی استعمال کی اشیاء ہوں جیسے کپڑے، برتن، گاڑی، گھڑی، قلم وغیرہ، خواہ پیداواری اور نفع آور اشیاء ہوں جیسے زمین، سامانِ تجارت اور نقد رقوم، دونوں قسم کی اشیاء کے ساتھ چھوٹے بڑے تمام ورثاء کا حق متعلق ہوگا۔

جب کہ اسلام سے قبل بعض قومیں دونوں قسم کی چیزوں میں تفریق کرتی تھیں، وہ صرف جامد اور بارآور اشیاء ورثہ میں تقسیم کرتی تھیں، باقی رہے کپڑے، برتن، اسلحہ اور زیورات وغیرہ تو ان میں وراثت جاری نہیں کرتے تھے۔ بعض تو یہ کرتے تھے کہ ان اشیاء کو مرنے والے کے ساتھ ہی قبر میں دفن کردیا کرتے تھے کیونکہ ان کا خیال تھا کہ مردے کو اگلی زندگی میں ان چیزوں کی ضرورت پیش آئے گی۔

بعض قومیں ان چیزوں کو ایک جگہ جمع کر کے جلا دیتی تھیں۔

بعض قومیں ان اشیاء کو تین حصوں میں تقسیم کر دیتی تھیں، ایک حصہ وارثوں کے پاس یادگار کے طور پر رہنے دیا جاتا تھا، دوسرے حصے سے زیورات اور کپڑے تیار کیے جاتے تھے تا کہ انہیں میت کے ساتھ ہی دفن کر دیا جائے اور تیسرے حصے سے موت کی رسموں پر خرچ کیا جاتا تھا، ان میں سے ایک رسم یہ بھی تھی کہ میت پر رونے دھونے والی عورتیں اجرت پر بلائی جاتی تھیں، جتنی بڑی شخصیت کا انتقال ہوتا تھا، اتنا زیادہ ماتم کا اہتمام کیا جاتا تھا۔ (یہ تفصیل شیخ الاسلام مولانا محمد تقی عثانی زید مجدہم نے تکملہ فتح الملہم میں انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کی جلد نمبر ۱۳ کے حوالے سے نقل کی ہے)

یہ جو کچھ ہو رہا تھا، یہ نتیجہ تھا تو ہم پرستی کا، اس میں قیمتی مال کا ضیاع بھی تھا، اسراف اور فضول خرچی بھی تھی، اس لیے اسلام نے اس جاہلیت اور سنگدلی کا دروازہ بند کر دیا اور حکم دیا کہ میت نے جو کچھ چھوڑا ہے ورثاء میں تقسیم کر دیا جائے خواہ وہ چھوٹی سی سوئی ہی کیوں نہ ہو۔

ہمارے ہاں ایصال ثواب کے نام پر تیجے، دسویں اور چالیسویں کی جو رسمیں ہوتی ہیں، ان کا جائز یا ناجائز ہونا تو الگ بحث ہے، اس پر سب کا اتفاق ہے کہ وراثت تقسیم ہونے سے پہلے ان کا کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ وارثوں میں نابالغ بچے اور بچیاں بھی ہو سکتی ہیں، وہ اگر صدقے کی اجازت دے بھی دیں تو نابالغ ہونے کی وجہ سے ان کی اجازت کا اعتبار نہیں۔

کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ جب یتیموں کے اموال سے خورد و نوش کا اہتمام کیا

جاتا ہے تو امیر، غریب، دیندار اور فاسق و فاجر بلکہ سیاسی اور مذہبی رہنما تک سب بلا تکلف اس میں شریک ہو جاتے ہیں، نام استعمال کیا جاتا ہے ایصال ثواب کا جبکہ امراء کے چہلم میں امراء ہی شریک ہوتے ہیں، غریبوں کو قریب بھی پھٹکنے نہیں دیا جاتا۔

اگر دیانتداری سے دیکھا جائے تو ان رسموں میں ایصال ثواب پیش نظر نہیں ہوتا بلکہ صرف نمود و نمائش اور ناک اونچی رکھنا مقصد ہوتا ہے، یہ سمجھا جاتا ہے کہ اگر یہ رسمیں نہ کیں تو ہماری ناک کٹ جائے گی۔

چھوٹے بڑے اور مرد و زن کا فرق:

دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اسلام میت کے تمام ورثاء میں تقسیم میراث کا حکم دیتا ہے، خواہ وہ مرد ہوں یا عورتیں، چھوٹے ہوں یا بڑے، جبکہ زمانہ جاہلیت میں نہ تو عورتوں کو حصہ دیا جاتا تھا اور نہ ہی چھوٹے بچوں کو، ان کا اصول یہ تھا کہ وراثت کا حقدار صرف وہی ہوگا جو گھوڑے کی پشت پر بیٹھ کر جنگ میں حصہ لے سکتا ہے، اور مال غنیمت جمع کر سکتا ہے چونکہ بچے اور خواتین "جاہلی شریعت" کے اس مسلمہ اصول پر پورے نہیں اترتے تھے اس لیے انہیں وراثت سے محروم رکھا جاتا تھا، بے کس بیوائیں اور بے سہارا یتیم بچے روتے پیٹتے رہ جاتے لیکن ان کی آہ و فغاں کا ان کے طاقتور چچا اور بھائی پر کوئی اثر نہ ہوتا اور وہ ان کی آنکھوں کے سامنے سارے ترکہ پر قبضہ جما لیتے تھے۔

زمانہ جاہلیت کے اس ظالمانہ رواج کی وضاحت کے لیے متعدد واقعات پیش کیے جا سکتے ہیں لیکن میں فی الوقت دو واقعے پیش کرنے پر اکتفاء کروں گا:

پہلا واقعہ حضرت اوس بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کا ہے، ان کا انتقال ہو گیا، انہوں نے

دولڑکیاں، ایک نابالغ لڑکا اور ایک بیوی اپنے پیچھے وارث چھوڑے، عرب کے قدیم دستور کے مطابق ان کے دو چچازاد بھائیوں نے آکر مرحوم کے پورے مال وجائیداد پر قبضہ کرلیا اوران کی اولاد اور بیوی میں سے کسی کو کچھ نہیں دیا، مرحوم کی بیوی اور دونوں بیٹیاں عورت ہونے کی وجہ سے اور بیٹا نابالغ ہونے کی وجہ سے محروم کردیا گیا اور پورے مال کے حقدار دونوں چچازاد بھائی ہوگئے۔

حضرت اوس بن ثابت ﷺ کی بیوہ نے یہ بھی کوشش کی کہ چچازاد بھائی جو پورے ترکہ پر قبضہ کررہے ہیں، کم ازکم ان دونوں لڑکیوں سے شادی کرلیں تاکہ ان کی فکر سے فارغ ہوجاؤں، مگر وہ اس کے لیے بھی تیار نہ ہوئے، بیچاری بیوہ نے اپنی درد بھری کہانی محسنِ انسانیت ﷺ کو جاسنائی، آپ سن کر بےتاب تو ہوئے مگر چونکہ اب تک اس سلسلہ میں کوئی حکم نازل نہیں ہوا تھا اس لیے آپ نے جواب دینے میں توقف فرمایا، زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ سورۂ نساء کی آیت ۷ نازل ہوگئی:

﴿لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا﴾ (پ: ۴)

اس آیت کریمہ کے نازل ہونے کے بعد آپ نے خالد اور عرفطہ کے پاس یہ اطلاع بھیج دی کہ حضرت اوس بن ثابت کے ترکہ کو اپنی حالت پر چھوڑ دو۔ دوسری آیتِ وراثت نازل ہوئی جس میں حصوں کی تفصیلات ہیں، حضورِ اکرم ﷺ نے قرآنی احکام کے مطابق کل ترکہ کا آٹھواں حصہ بیوہ کو دے کر باقی سب مال مرحوم کے لڑکے اور لڑکیوں کے درمیان اس طرح تقسیم کردیا کہ اس کا آدھا لڑکے کو دے دیا اور آدھے میں دونوں لڑکیاں

برابر کی شریک رہیں اور چچازاد بھائیوں کو محروم کر دیا گیا۔

جس زمانے میں حضرت اوس بن ثابت ﷛ کی بیوہ کا واقعہ پیش آیا اس زمانے میں یہ ہوا کہ حضرت سعد بن ربیع ﷛ غزوۂ احد میں بارہ زخم کھا کر شہید ہو گئے، ان کی شہادت کے بعد ان کے بھائی نے کل ترکہ پر قبضہ کر لیا اور بیوہ اور دو بیٹیاں محروم رہ گئیں، یہ دکھیاری اپنا دکھ کسے سناتیں اور کس کے دروازے پر دستک دے کر انصاف طلب کرتیں، ایک ہی تو ماویٰ اور ملجا تھا جہاں بیکسوں کو پناہ ملتی تھی اور جہاں سے کوئی بھی خالی ہاتھ واپس نہیں لوٹتا تھا، یہ بھی وہیں حاضر ہوئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ! میرے شوہر سعد بن ربیع نے میدان جنگ میں آپ کے قدموں پر جان قربان کر دی، انہوں نے ترکہ میں جو کچھ چھوڑا، اس پر ان کے بھائیوں نے قبضہ جما لیا، فکر یہ ہے کہ ہماری گزر بسر کیسے ہوگی اور ان بچیوں کا نکاح کیسے ہوگا؟ آپ نے ان کے فیصلہ کو بھی وحی آنے تک موقوف رکھا، یہ حکم تو نازل ہو چکا تھا کہ میراث میں کیا مرد اور کیا عورت، کیا چھوٹا اور کیا بڑا سب کا حق ہے لیکن یہ طے نہیں ہوا تھا کہ کس کا حصہ کتنا ہے؟ کچھ عرصہ کے بعد حضرت سعد ﷛ کی بیوہ دربار نبوت میں دوبارہ حاضر ہوئیں تو انہیں بتایا گیا کہ ﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ﴾ سورہ نساء آیت /۱۱ کی صورت میں میراث کا قطعی اور تفصیلی حکم نازل ہو گیا ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے اس حکم کی تعمیل میں حضرت سعد کے بھائی کے پاس کہلا بھیجا کہ اپنے بھائی کے مال میں سے دو تہائی ان کی لڑکیوں کو دے دو اور آٹھواں حصہ ان کی بیوہ کو دے دو اور جو باقی بچے وہ تمہارا ہے۔

اسلامی نظام میراث کی تیسری خصوصیت یہ ہے کہ اسلام صرف قریبی رشتہ داروں کو

وراثت میں حقدار قرار دیتا ہے، اجنبیوں کو نہیں، بعض قومیں پڑوسیوں دوستوں اور ایسے لوگوں کو میراث میں سے حصہ دیتی تھیں جن کے ساتھ انہوں نے معاہدہ کیا ہوتا تھا...... عرب قبائل اور افراد آپس میں معاہدہ کرلیا کرتے تھے کہ اگر میں قتل کروں تو تم تاوان ادا کرنا اور اگر تم سے قتل ہو گیا تو میں تاوان ادا کروں گا، اس طرح میری موت کی صورت میں تم وارث ہو گے اور تمہاری موت کی صورت میں میں وارث ہوں گا، اس طرح اگر کسی کو منہ بولا بیٹا بنا لیتے تو اسے حقیقی بیٹے کا مقام دیتے ہوئے وراثت میں شریک کرتے تھے۔

عورت کا حق:

آج کے درس میں پانچویں بات جو بیان کرنا چاہتا ہوں وہ عورت کے حق کے بارے میں ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ آپ کو کسی بھی مذہب اور معاشرہ میں عورت کے حق کے بارے میں اتنی تاکید نہیں ملے گی جتنی تاکید اسلام میں کی گئی ہے۔

جب ہم عورت کے حق میراث کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں تو ہمارے سامنے سب سے پہلے سورۂ نساء کی وہ آیت آتی ہے جس میں مردوں کے ساتھ عورتوں کو بھی وراثت کا حقدار ٹھہرایا گیا ہے۔

دوسرا نکتہ جو ہمارے سامنے آتا ہے وہ یہ ہے کہ قرآن نے لڑکی کے حصہ کو اصل اور بنیاد بنا کر لڑکے کے حصے کو اس پر قیاس کرنے کا حکم دیا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ لڑکے کو دو لڑکیوں کے برابر حصہ ملے گا، یہ نہیں فرمایا کہ دو لڑکیوں کو ایک لڑکے کے برابر حصہ دیا جائے گا۔

تیسری چیز جو ہمارے سامنے آتی ہے وہ نبی کریم ﷺ کی احادیث ہیں۔ مثال کے طور پر سنن ابن ماجہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

" اللّٰهم انی احرج حق الضعیفین المرأة و الیتیم."

(سنن ابن ماجه: صـ ٢٦١، باب حق الیتیم)

" میں تمہیں دو کمزوروں کے مال سے بچ کر رہنے کی تاکید کرتا ہوں یعنی عورت اور یتیم کے مال سے۔"

جو لوگ بیٹی یا ماں، کا، بہن یا بیوی کا حصہ کھا جاتے ہیں وہ سخت گناہگار ہیں، اگر بیٹی یا بہن نابالغ ہوں تو پھر یہ دہرے گناہ کے مرتکب ہوں گے کیونکہ یتیم کا مال کھا جانے پر سخت وعیدیں قرآن اور حدیث میں آئی ہیں۔

ویسے بھی قرآن اور حدیث میں حرام خوری پر جتنی وعیدیں آئی ہیں، وارثوں کا حق کھانے والے ان سب وعیدوں کے مستحق ہیں۔

مشکوٰۃ شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" من قطع میراث وارثه قطع اللّٰه میراثه من الجنة یوم القیمة."

(مشکوة شریف، باب الوصایا: صـ: ٢٦٦)

جو شخص اپنے وارث کو میراث سے محروم کردے گا، اللہ اسے قیامت کے دن اس جگہ سے محروم کردے گا جو اس کے لیے جنت میں رکھی گئی تھی۔

بات یہ ہے کہ ہم میں سے ہر ایک کے لیے دوزخ میں بھی جگہ ہے اور جنت میں بھی جگہ ہے، بعض ایسے ہیں جو پوری زندگی اللہ کی نافرمانی میں گزار کر اپنے آپ کو جنت والی

جگہ سے محروم کر لیتے ہیں اور بعض ایسے ہیں جو اللہ کی فرمانبرداری سے دوزخ کو اپنے اوپر حرام کر لیتے ہیں۔

کسی کا حق دبانے والوں کے بارے میں وہ حدیث تو آپ نے سنی ہوگی جو صحیح بخاری میں ہے، رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

''جو شخص کسی کی زمین کا کوئی حصہ ناحق لے لے گا تو وہ قیامت کے دن اس زمین کے ساتھ سات زمینوں تک دھنسا دیا جائے گا۔''

دوسری حدیث میں ایک بالشت زمین کے ہتھیانے پر اسی طرح کی وعید بیان کی گئی ہے۔ (مسلم: ٤٠٨٧)

ذرا سوچیے! اللہ کے نبی ایک بالشت زمین کے ہتھیانے پر اتنی سخت وعید سنا رہے ہیں، ان لوگوں کا کیا بنے گا جو دوسروں کے پلاٹوں، مکانوں اور زمینوں پر ناحق قبضہ جما لیتے ہیں اور دوسرے بھی کوئی غیر نہیں بلکہ ان کی بہنیں اور بیٹیاں ہوتی ہیں، یہ وہ بدنصیب گروہ ہے جو اپنی دنیا کے بدلے اپنی آخرت تباہ کر لیتا ہے۔

مشکوۃ میں حضرت ابوامامہ ؓ سے روایت ہے:

" إن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال من شر الناس منزلة يوم القيامة عبد اذهب آخرته بدنيا غيره ۔"

(مشكوة شريف، باب الظلم: صـ: ٤٣٥)

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن سب سے بدترین شخص وہ ہوگا جس نے دوسرے کی وجہ سے اپنی آخرت تباہ کر لی ہوگی۔''

جو لوگ لڑکیوں کو ان کے حصہ سے محروم کر کے اس پر قبضہ جما لیتے ہیں، انہیں یاد رکھنا چاہیے کہ وہ حرام کھا رہے ہیں اور اپنی آخرت تباہ کر رہے ہیں، اس حرام خوری کا اثر ان کی نسلوں میں باقی رہے گا، اسی لیے ہم بزرگوں کے حالات میں پڑھتے ہیں کہ انہوں نے اپنی آخرت بچانے کے لیے لاکھوں کی جائیداد کو لات ماردی۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کے حالات میں لکھا ہے کہ جب علم دین سے فراغت کے بعد اپنی قیمتی جائیداد کے بارے میں انہیں پتا چلا کہ عرصہ دراز سے شرعی وارثوں میں تقسیم نہیں کی گئی تو وہ پریشان ہو گئے، انہوں نے اپنے دور اور قریب کے رشتہ داروں کا پتا چلایا اور ان میں سے جتنے زندہ تھے ان کے درمیان شریعت کے حکم کے مطابق اسے تقسیم فرما دیا، جب ان کے والد اسد صاحب نے اپنی جائیداد کے ٹکڑے ہوتے دیکھی تو انہیں طبعی طور پر رنج ہوا اور جا کر حاجی امداد اللہ صاحب رحمہ اللہ کی خدمت میں شکایت کی کہ حضرت! دوسروں کے بیٹے باپ کی کمائی میں اضافہ کرتے ہیں مگر محمد قاسم میری کمائی تباہ کرنے پر تلا ہوا ہے، حضرت صاحب نے انہیں اس انداز میں تسلی دی کہ بات ان کی سمجھ میں آ گئی اور وہ دل سے اس تقسیم پر راضی ہو گئے۔

اسی طرح حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کے حالات میں ہے کہ انہوں نے لاکھوں کی جائیداد محض اس وجہ سے ٹھکرا دی تھی کہ اس میں دوسرے وارثوں کا حق تھا جو ادا نہیں کیا گیا تھا۔

اہم اور غیر اہم:

تعجب تو ان لوگوں پر ہے جو غیر اہم بلکہ ناجائز اور غیر ثابت شدہ کاموں کو فرض اور

واجب کا درجہ دے دیتے ہیں جبکہ جو فرائض اور واجبات ہیں ان کو کچھ اہمیت ہی نہیں دیتے۔

آپ ان رسموں اور رواجوں ہی کو لے لیں جو کسی کی فوتگی کی صورت میں بڑے اہتمام سے کی جاتی ہیں اور ان پر ہزاروں نہیں لاکھوں اڑا دیے جاتے ہیں حالانکہ وہ نہ واجب ہیں، نہ سنت ہیں، نہ مستحب ہیں بلکہ اس کے برعکس ان کی حیثیت قومی، قبائلی اور خاندانی رسم کے سوا کچھ نہیں۔

میں نے ایک دیہاتی چوہدری کو دیکھا کہ اس نے اپنی والدہ کے انتقال کے بعد کم و بیش بکرے کا پچاس من گوشت چالیسویں میں پکوایا اور بڑے پیانے پر دعوت کی۔

اگر اس سے بھی کسی بڑے چوہدری کی والدہ فوت ہوئی تو ہوسکتا ہے وہ سو من گوشت پکوادے۔

ہم نے دیہاتوں میں دیکھا کہ جب کسی زیادہ سن رسیدہ کا انتقال ہوتا ہے تو ایک جشن کی سی کیفیت ہوتی ہے، سینکڑوں کو کھانا ہی کھلایا نہیں جاتا، قریبی رشتہ داروں کو شادی بیاہ کی طرح کپڑے لتے بھی دیے جاتے ہیں۔

آپ سوچیے! یہ سب کچھ کیا اللہ کی رضا کے لیے کیا جاتا ہے، نہیں ہرگز نہیں! محض نمود و نمائش کے لیے اور اپنی ناک اونچی رکھنے کے لیے، دنیا والوں کی زبان سے تعریف سننا چاہتے ہیں لیکن یہ خیال نہیں آتا کہ ہم اللہ کے حکموں کو زندہ کر جائیں تاکہ قیامت کے دن اللہ ہماری تعریف فرمائے کہ یہ میرا ایسا بندہ ہے جس نے نہ زمانے کی ملامت کی پرواہ کی، نہ مال کی محبت کو رکاوٹ بننے دیا، بہر صورت میرے حکم کو زندہ کر کے ہی چھوڑا۔

ہمارے ہاں یہ غلط سوچ عام ہوگئی ہے کہ غیر ضروری چیزوں کو ضروری اور ضروری چیزوں کو غیر ضروری سمجھ لیا جاتا ہے۔

آپ عقیقہ ہی کو دیکھ لیں بعض لوگ اولاد کے بالغ ہونے کے بعد عقیقہ کرتے ہیں حالانکہ نہ عقیقہ فرض ہے، نہ واجب ہے، نہ سنت مؤکدہ ہے بلکہ اللہ کے شکر ادا کرنے کے لیے ایک نفلی صدقہ ہے جسے اللہ تعالیٰ توفیق دے وہ کرلے اور جس کے حالات اجازت دیں وہ نہ کرے، ادا کرنا ہو تو سات دن کے اندر کرے۔

ہمارے ایک جاننے والے کا تعلق صلحاء کی جماعت کے ساتھ ہو گیا، مجھے بڑی خوشی ہوئی کہ ان کی زندگی میں دینداری آرہی ہے، انہوں نے اپنی دینداری کا ثبوت یہ دیا کہ ایک بیل خرید کر اپنی بالغ اولاد کا عقیقہ کیا جس میں ساری برادری کو دعوت دی...... زکوٰۃ جو کہ فرض ہے اس کی فکر نہیں، عشر جو کہ واجب ہے اس کی فکر نہیں، وارثوں کا حق جو فرض ہے اس کی فکر نہیں، فکر ہے تو نفلی عبادت کی، جس کے بارے میں کوئی مواخذہ نہیں ہوگا، جو اگر چھوٹ جائے تو قضا نہیں۔

میں تو کبھی کبھی سوچتا ہوں کہ ہم نے اپنی پوری زندگی ہی کی ترتیب بدل رکھی ہے، جو چیزیں انتہائی اہم ہیں انہیں غیر اہم سمجھ لیا ہے اور جن چیزوں کے بغیر گزارہ نہیں ہو سکتا ہماری نظر میں ان کی کوئی اہمیت ہی نہیں، دینداری نام بن گیا ہے چند عبادات کا، حقوق العباد اور معاملات کی صفائی کو تو یوں لگتا ہے ہم نے حقوق العباد کی فہرست ہی سے خارج کر دیا ہے۔

میرے بھائیو اور بہنو! خدارا اسلام کے فرائض اور واجبات کو سمجھو! اور انہیں زندہ

کرنے کی کوشش کرو، اللہ کے ہاں حقیقی اور سچی دینداری کام آئے گی، دکھاوے والی باتوں کی وہاں کوئی قدر و قیمت نہیں ہوگی۔

عورت کا حصہ کم کیوں؟

میراث میں عورت کے حصہ کی اہمیت کے ساتھ ساتھ میں یہاں اس سوال کا جواب بھی دینا چاہتا ہوں کہ مرد کے مقابلے میں عورت کا حصہ کم کیوں رکھا گیا ہے؟

یہ بات تو میری مائیں بہنیں سن ہی چکی ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں عورت کو میراث سے محروم رکھا جاتا تھا، اور یہ بھی سن لیں کہ بعض قبائل میں عورت مال میراث کی طرح تقسیم ہوتی تھی، ایسا بھی ہوتا تھا کہ ماں اپنے سوتیلے بیٹے کو وراثت میں ملتی تھی۔

صحیح بخاری میں حضرت ابن عباس ﷺ سے روایت ہے کہ عربوں میں دستور تھا کہ جب کوئی مرجاتا تو اس کی بیوی بھی ترکہ کا مال تصور ہوتی، چاہتے تو خود اس سے نکاح پڑھ لیتے، چاہتے تو کسی اور سے نکاح کر دیتے اور چاہتے تو بلا نکاح ہی رہنے دیتے۔

سورۂ نساء کی آیت ۱۹ میں اللہ تعالیٰ نے ایمان والو کو منع فرمایا کہ تم نے عورت کے ساتھ وہ ظلم نہیں کرنا جو زمانہ جاہلیت میں کیا جاتا تھا۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''اے ایمان والو! تمہارے لیے یہ جائز نہیں کہ تم زبردستی عورتوں کے وارث بن بیٹھو۔''

کہاں تو عورت کے ساتھ یہ ظلم ہو رہا تھا کہ اسے میراث میں حصہ دینے کی بجائے اسے میراث کے طور پر تقسیم کرتے تھے اور کہاں اسلام کا عادلانہ نظام جس نے مرد سے زیادہ عورت کا حصہ دینے پر زور دیا ہے، اس لیے میں اپنی ماؤں بہنوں سے گزارش کروں گا کہ وہ

ان لوگوں کے پروپیگنڈا میں نہ آئیں جوانہیں ورغلانے اور اسلام سے متنفر کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

آپ کو یہ سن کر تعجب ہوگا کہ خواتین کے حقوق کے لیے بننے والی این جی اوز کے رنگا رنگ اور مختلف نعرے آپ کو سنائی دیں گے اور پُر جوش بیانات اخبارات میں پڑھنے کو ملیں گے لیکن آج تک کسی اخبار میں کسی این جی اوز کی طرف سے یہ بیان اور یہ مطالبہ آپ کی نظروں سے نہیں گزرا ہوگا کہ آج کے دور میں بھی عورت کو وراثت سے محروم رکھ کر جو ظلم کیا جا رہا ہے اس ظلم کا ازالہ کیا جائے۔

باقی جہاں تک اس سوال کا تعلق ہے کہ مرد کے مقابلے میں عورت کو کم حصہ کیوں دیا جاتا ہے؟ تو ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے میرے اطمینان کے لیے یہی جواب کافی ہے کہ میرے رب نے مرد کے مقابلہ میں عورت کا حصہ کم رکھا ہے۔

میں اپنے رب کے ہر حکم کو مبنی بر عدل سمجھتا ہوں، چاہے اس کی حکمت میری سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ شادی شدہ عورت کو میکے میں باپ کے ترکہ سے حصہ ملتا ہے اور سسرال میں شوہر کے ترکہ میں سے بھی حصہ ملتا ہے، یوں وہ بعض صورتوں میں شوہر سے بھی زیادہ میراث کی حقدار بن جاتی ہے۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ اسلام نے زندگی کے کسی مرحلہ میں بھی کفالت کا بوجھ عورت پر نہیں ڈالا، شادی سے پہلے اس کی کفالت کی ذمہ داری والد پر ہوتی ہے اور شادی کے بعد اس کی کفالت کی ذمہ داری شوہر پر آجاتی ہے، اگر بالفرض شوہر کا انتقال ہو جائے تو اس کے

بیٹے اور دوسرے قریبی عزیز کفالت کرتے ہیں، کوئی بھی کفالت کرنے والا نہ ہو تو اسلامی حکومت اس کی ذمہ دار ہوتی ہے۔

آج جبکہ اسلامی حکومت نہیں ہے تو ایسی لاوارث عورت کو شدید مجبوری کی بناء پر ملازمت وغیرہ کی اجازت دی جاسکتی ہے، دوسری طرف مرد پر نہ صرف اپنی ذمہ داری ہوتی ہے بلکہ بیوی بچوں اور والدین کی کفالت اور ان کے اخراجات کی ذمہ داری بھی اسی پر عائد ہوتی ہے۔

اس پس منظر میں جب ہم مرد اور عورت کے حصے کا تناسب دیکھتے ہیں تو قلب سلیم پکار پکار کر کہتا ہے کہ اسلام کا حکم ہی اعتدال اور توازن پر مبنی ہے، اس کے برعکس وہ لوگ بھی غلطی پر ہیں جو عورت کو بالکل محروم رکھنا چاہتے ہیں، وہ بھی غلطی پر ہیں جو اسے مرد کے برابر حصہ دلانے کی بات کرتے ہیں اور وہ بھی غلطی پر ہیں جو عملی طور پر کچھ نہیں کرتے محض جذبات بھڑکا کر اسلام کو بدنام کرنا چاہتے ہیں۔

تقسیم وراثت کی ترتیب:

پانچویں بات جو آج کے درس میں بیان کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ وراثت کی تقسیم کی ترتیب کیا ہوگی؟

تو جان لیجئے کہ جب کسی کا انتقال ہو جائے تو سب سے پہلے اس کے ترکہ سے کفن دفن کا انتظام کیا جائے گا، اس کے بعد اس کے ذمہ اگر قرض ہو تو قرض اداء کیا جائے گا، قرض بھی دو قسم کا ہوتا ہے ایک تو وہ جس کا اقرار اس نے صحت کی حالت میں کیا ہو، دوسرا وہ جس کا اقرار مرنے والے نے مرض الموت میں کیا ہو، ان دونوں قسم کے قرض میں سے پہلا قرض

مقدم ہوگا۔

قرض کا تعلق چونکہ حقوق العباد سے ہے اس لیے اسلام نے اس کی ادائیگی پر بہت زور دیا ہے۔حدیث میں آتا ہے کہ جب کوئی جنازہ لایا جاتا تھا تو نبی کریم ﷺ سوال کیا کرتے تھے کہ اس کے ذمہ کوئی قرض تو نہیں؟ اگر قرض ہوتا تو آپ جنازہ میں شرکت نہ کرتے، صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرما دیتے کہ تم جنازہ پڑھ لو! اور اگر قرض نہ ہوتا تو آپ ﷺ جنازہ پڑھا دیتے تھے۔ (ترمذی: ۱/۲۰۵، باب ما جاء فی المدیون)

البتہ جب اللہ تعالیٰ نے فتوحات کی برکت سے مالی وسعت اور خوشحالی عطا فرما دی تو آپ مرحوم کا قرض اپنے ذمہ لے لیتے تھے اور جنازہ میں شرکت فرما لیتے تھے۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ کسی صاحب نے حضور اکرم ﷺ سے سوال کیا یا رسول اللہ! اگر میں شہید ہو جاؤں تو مجھے کیا ملے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

''تمہارے سارے گناہ معاف ہو جائیں گے اور تم جنت کے حقدار ہو جاؤ گے، وہ صاحب خوش خوش آپ ﷺ کی مجلس سے اٹھے، آپ نے انہیں واپس بلایا اور فرمایا:

"إلا الدين."

تمہارے سارے گناہ معاف ہو جائیں گے لیکن اگر تمہارے ذمہ کسی کا قرض ہے تو وہ معاف نہیں ہوگا۔''

(صحیح مسلم: ۲/۱۳۵، باب من قتل فی سبیل اللّٰہ کفرت خطایاہ الا الدین)

جب قرض کی بات ہو رہی ہے تو یہ بھی سن لیجئے کہ مہر بھی شوہر کے ذمہ قرض ہوتا ہے،

موت کے باوجود اس کے ذمہ سے ساقط نہیں ہوتا۔

جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا کہ ہمارے ہاں یہ الٹی چال چلی جارہی ہے کہ اہم کو غیر اہم اور غیر اہم کو اہم بنالیا گیا ہے، شادی بیاہ کی کئی رسمیں ایسی ہیں جو ہم نے ہندوؤں اور دوسری غیر مسلم قوموں سے لی ہیں لیکن ہم نے ان رسموں کو اپنی معاشرت کا لازمی جزء بنالیا ہے گویا ان کے بغیر شادی ہو ہی نہیں سکتی لیکن جو چیزیں انتہائی اہم ہیں انہیں نظرانداز کردیا گیا ہے، ان میں سے ایک مہر بھی ہے، مجلسِ نکاح میں اپنی ثروت وغنا کے اظہار کے لیے مہر کے طور پر بھاری بھرکم رقم لکھوادی جاتی ہے لیکن اس کی ادائیگی کی فکر نہیں کی جاتی، بعض شوہر ازدواجی زندگی کی پہلی شب ہی بیوی سے مہر معاف کروالیتے ہیں، وہ بیچاری معاف نہ کرے تو اور کیا کرے، وہ جانتی ہے کہ اگر میں نے معاف نہ کیا تو مجھے طعنے ملیں گے اور نفرت کا نشانہ بنایا جائے گا، وہ اپنی عافیت اسی میں سمجھتی ہے کہ شوہر صاحب کو معاف ہی کردیا جائے، کہیں مہر ادا کر کے وہ کنگلے نہ ہو جائیں۔

وصیت:

کفن دفن اور قرض کی ادائیگی کے بعد ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ مرحوم نے کوئی وصیت تو نہیں کی؟ اگر اس نے کسی کارِ خیر میں خرچ کرنے کی وصیت کی ہو تو ایک تہائی مال میں سے اس پر عمل کیا جائے گا۔

وصیت کا جواز قرآن اور حدیث سے بھی ثابت ہے اور صحابہ ﷺ کے آثار سے بھی ثابت ہے۔

قرآن میں اللہ تعالیٰ نے وصیت کو قرض سے بھی پہلے ذکر کیا ہے حالانکہ عملی طور پر قرض

وصیت سے مقدم ہے اور اس کی اہمیت بھی زیادہ ہے، وصیت نہ کرنے سے کسی کا مواخذہ نہیں ہوگا مگر قرض ادا نہ کرنے کی وجہ سے مواخذہ ضرور ہوگا، اہلِ علم کہتے ہیں کہ قرض کی زیادہ اہمیت کے باوجود وصیت کو مقدم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ قرض کا مطالبہ تو وہ لوگ کرلیں گے جن کا حق ہوگا مگر وصیت کا مطالبہ کرنے والا کوئی نہ ہوگا، اس لیے اللہ نے یوں فرمایا:

﴿ من بعد وصية يوصى بها أو دين ﴾ (سورة النساء: ١١، پ: ٤)

جہاں تک حدیث کا تعلق ہے، کئی حدیثوں سے وصیت کی اہمیت ثابت ہوتی ہے، صحیح بخاری و مسلم میں حضرت سعد بن ابی وقاص ﷛ کا واقعہ خود ان کی زبان سے منقول ہے، فرماتے ہیں کہ میں فتح مکہ کے سال سخت بیمار ہوگیا اور اس بیماری کی وجہ سے مجھے موت کا اندیشہ ہوگیا، اسی دوران جناب نبی کریم ﷺ میری عیادت کے لیے تشریف لائے تو میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! اللہ نے مال و دولت خوب دے رکھا ہے اور ایک بیٹی کے سوا میرا کوئی وارث بھی نہیں، دل چاہتا ہے کہ میں اپنا سارا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی وصیت کر جاؤں، آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں! میں نے عرض کیا تو پھر آدھے مال کی وصیت کی اجازت عنایت فرمادیں آپ ﷺ نے فرمایا نہیں! پھر میں نے عرض کیا ایک تہائی کی وصیت کی اجازت دے دیں آپ نے فرمایا: ہاں! اجازت ہے اور ایک تہائی بھی زیادہ ہے۔

(مسلم: ٢/ ٤٠، كتاب الوصية۔ بخاري: ٢/ ٨٠٦، كتاب النفقات، باب فضل النفقة على الاهل)

میرے آقا ﷺ انسانی جذبات کا بھی خیال فرماتے تھے اور تمام رشتہ داروں کے

حقوق بھی مدنظر رکھتے تھے، ایسا نہیں تھا کہ کوئی جوش میں آ کر اپنا سب کچھ نچھاور کرنا چاہے تو آپ فوراً اجازت دے دیں، یہ خیال رہتا تھا کہ کہیں اسے بعد میں پشیمانی نہ ہو یا اس کے ورثہ تنگی کا شکار نہ ہوں۔

اتفاق دیکھئے کہ اس بیماری میں حضرت سعد ؓ کا انتقال نہیں ہوا، وہ اس کے بعد بھی زندہ رہے، ممکن ہے اگر انہیں سارا مال وصیت کرنے کی اجازت مل جاتی تو بعد میں پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا۔

وصیت کا ایک اور واقعہ حدیث کی کتابوں میں ملتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ ایک تہائی مال کی وصیت کا یہ سب سے پہلا واقعہ ہے، جس زمانے میں نبی کریم ﷺ مدینہ تشریف لانے والے تھے اسی زمانے میں حضرت براء بن معرور ؓ شدید علیل ہو گئے، ان کی شدید تمنا تھی کہ جمالِ جہاں تاب ﷺ کی زیارت سے آنکھوں کو ٹھنڈا کروں، مگر آپ کی آمد سے پہلے موت کا پیام آ پہنچا، انہوں نے جان جانِ آفریں کے حوالے کرنے سے پہلے وصیت کی کہ جب آقا ﷺ مدینہ کو اپنے پُر نور وجود سے منور فرمائیں تو میرا تہائی مال آپ کی نذر کر دیا جائے، حضرت براء کے وارثوں نے ایسا ہی کیا مگر میں قربان جاؤں اپنے آقا کے قدموں کی خاک پر، جن کی نظر میں درا ہم و دنانیر کی حیثیت ٹھیکروں سے زیادہ نہیں تھی، آپ نے اپنے سچے عاشق اور مخلص غلام کا ہدیہ قبول فرمانے کے بعد اپنی طرف سے ان کے وارثوں میں تقسیم فرما دیا۔ ان دو حدیثوں کے علاوہ بھی متعدد احادیث وصیت کے ثبوت کے لیے پیش کی جاسکتی ہیں مگر یہ بات یاد رکھیں کہ وارث کے لیے وصیت کرنا جائز نہیں، حضور اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

" إن الله قد اعطى كل ذي حق حقه فلا وصية لوارث."

(مشكوة شريف، باب الوصايا: صـ: ٢٦٥۔ سنن ابي داوٗد، باب ما جآء في الوصية للوارث: ٢/ ٤٠)

''اللہ تعالیٰ نے ہر حق والے کو اس کا حق دے دیا ہے، لہٰذا وارث کے لیے وصیت جائز نہیں۔''

ایک تہائی مال میں وصیت پر عمل کرنے کے بعد جو کچھ باقی بچے وہ سب وارثوں میں تقسیم کردیا جائے گا۔

چند ضروری مسائل:

آخر میں چند ضروری مسائل بتا کر بات ختم کرتا ہوں:

پہلا مسئلہ تو یہ جان لیں کہ اگر کوئی وارث کہہ بھی دے کہ میں نے اپنا حق چھوڑ دیا تو بھی میراث سے اس کا حق ساقط نہیں ہوتا، اسے اختیار ہوگا کہ جب چاہے اپنے حق کا مطالبہ کرے۔

عام طور پر بہنیں بادلِ نخواستہ کہہ دیا کرتی ہیں کہ ہم نے اپنا حق معاف کردیا کیونکہ وہ جانتی ہیں کہ ہم نے اگر اپنے حق کا مطالبہ کیا تو بھائی ناراض ہوجائیں گے اور رشتہ دار بھی برا بھلا کہیں گے، لہٰذا بہتر یہی ہے کہ معاف کردیا جائے تا کہ تعلقات تو باقی رہیں، تو ان کے معاف کرنے سے ان کا حق ختم نہیں ہوگا۔

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ چونکہ شادی کے موقع پر بہنوں اور بیٹیوں کو جہیز دے دیا جاتا ہے، لہٰذا انہیں میراث میں حصہ دینا ضروری نہیں لیکن یہ بالکل غلط سوچ ہے، جہیز نہ فرض

ہے نہ واجب، نہ سنت ہے، نہ مستحب ہے بلکہ ہم نے جہیز کو جو حیثیت دے دی ہے اس کی وجہ سے تو یہ سراسر ظلم اور زیادتی کی شکل اختیار کر گیا ہے۔

آج کل صورت یہ بن گئی ہے کہ لڑکے والے خود جہیز کا مطالبہ کرتے ہیں اور اس کی پوری لسٹ بنا کر لڑکی والوں سے مطالبہ کرتے ہیں کہ ہمیں یہ سارا سامان فراہم کیا جائے، اگر بالفرض یہ صورت نہ بھی ہو تو بھی جہیز دینے سے وراثت کا حق ساقط نہیں ہوگا۔

دوسرا مسئلہ یہ جان لیں کہ اگر والد اپنی اولاد میں سے کسی کو عاق کر دے تو بھی اس کا حق ختم نہیں ہوگا...... عاق کا معنی ہے نافرمان، جو بیٹا یا بیٹی نافرمان ہو اسے بعض لوگ عاق کر دیتے ہیں اور عاق کرنے کا اشتہار بھی شائع کرا دیتے ہیں، ان کے ایسا کرنے سے حق ختم نہیں ہوتا، اس لیے کہ میراث کوئی اختیاری چیز نہیں ہے بلکہ ایک ایسا حق ہے جو مورث اور وارث کے اختیار کے بغیر خود بخود ثابت ہو جاتا ہے۔

جب کوئی شخص فوت ہو جائے تو شریعت نے جس جس شخص کو جتنی مقدار میں اس کا قائم مقام بنایا ہے، وہ خود بخود اس کا قائم مقام بن جائے گا، خواہ مرنے والا اسے پسند کرے یا نہ کرے اور خواہ لینے والا اس پر راضی ہو یا نہ ہو۔

اسی طرح اگر مرنے والے کی یہ خواہش ہو کہ ایسا شخص اس کا قائم مقام بن جائے جسے شریعت نے قائم مقام نہیں بنایا تو وہ اس کا نائب نہیں بن سکتا۔

البتہ اگر مرحوم کو یہ اندیشہ تھا کہ اس کی بگڑی ہوئی اولاد اس کی جائیداد اور میراث کو عیاشی، فحاشی اور بے دینی کے کاموں میں خرچ کر کے اپنی آخرت تباہ کرے گی تو اس صورت میں وہ یہ کر سکتا ہے کہ اپنی زندگی ہی میں اپنا مال و متاع نیکی کے کاموں میں خرچ کر

دے۔

تیسرا مسئلہ یہ سمجھ لیں کہ اگر کوئی شخص اپنی زندگی میں اپنی اولاد میں سے کسی کو نقد رقم، پلاٹ یا مکان وغیرہ ہدیہ کر دے تو وفات کے بعد یہ بھی دوسری اولاد کے ساتھ میراث میں شریک ہوگا۔

چوتھا مسئلہ یہ سمجھ لیں کہ اگر کوئی شخص اس ڈر سے اپنی زندگی ہی میں وارثوں میں میراث تقسیم کر دے تاکہ مرنے کے بعد کہیں وہ آپس میں لڑتے جھگڑتے نہ رہیں تو ایسا کرنا جائز ہوگا۔

آخری بات یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ میراث کے مسائل بڑے حساس اور باریک ہوتے ہیں، ہر کوئی ان کا جواب نہیں دے سکتا، اس لیے جب ضرورت پیش آئے تو ٹامک ٹوئیاں مارنے اور جاہلوں سے پوچھنے کی بجائے مستند علماء سے مسائل دریافت کیے جائیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ وہ ہم سب کو زندگی کے ہر شعبہ میں شریعت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العلمین

اِسلام اور فیشن

أَلحمدللّٰه وحده والصلوة والسلام علی من لا نبی بعده، أما بعد!

فأعوذ باللّٰه من الشیطن الرجیم

بسم اللّٰه الرحمن الرحیم

﴿يٰبَنِيْۤ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ﴾

(الأعراف: ٢٦، پ: ٨)

قابلِ احترام بزرگو اور دوستو، بہنو اور بیٹیو! جیسا کہ آپ کے علم میں آچکا ہے کہ آج کے درس کا موضوع ہے: ''فیشن اور اسلام''

فیشن جائز بھی ہوسکتا ہے اور ناجائز بھی، غلط بھی ہوسکتا ہے اور صحیح بھی، اس لیے کہ فیشن کا معنی ہے رسم ورواج، وضع قطع اور صورت، عام طور پر فیشن سے رواج کا معنی لیا جاتا ہے، رواج اچھے بھی ہوسکتے ہیں اور برے بھی ہوسکتے ہیں اس لیے ہم ہر فیشن کی مذمت نہیں کرتے اور نہ ہی اسے اسلام کے خلاف سمجھتے ہیں۔

لیکن یہ بھی غلط ہے کہ ہم ہر نئے فیشن کو اختیار کرلیں بعض لوگوں کا حال یہ ہے کہ وہ ہر وقت کسی نئے فیشن ہی کی تلاش میں رہتے ہیں، فیشن کے شوق میں وہ یہ بھی نہیں دیکھتے کہ یہ فیشن اسلامی تعلیمات سے کوئی مناسبت بھی رکھتا ہے یا نہیں؟

آپ نے دیکھا ہوگا کہ بعض لوگ ٹی وی یا سینما میں مغربی اور مشرقی اداکاروں،

گلوکاروں، کھلاڑیوں اور مشہور شخصیات کے لباس کی تراش خراش، ظاہری وضع قطع، بالوں کا اسٹائل اور ان کا جوتا یا چپل وغیرہ دیکھ کر ویسا ہی بننے کی کوشش کرتے ہیں جیسے وہ ہوتے ہیں، ان کی طرح سگریٹ کا کش لگاتے ہیں، ان کی طرح چلتے ہیں اور انہی کے انداز میں گفتگو کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اس دور میں چونکہ مغربی تہذیب وتمدن کا دور دورہ ہے اس لیے ہماری نئی نسل مغربیت ہی کے رنگ میں رنگنے کی کوشش کر رہی ہے، اس میں خطرہ ہے کہ وہ اسلامی تعلیمات، اپنے آقا ﷺ کی وضع قطع، سیرت وصورت اور اپنی قومی روایات اور زبان کو بھول نہ جائے۔

اللہ کے جو بندے فیشن پرستی کے خلاف بولتے ہیں ان کا مقصد یہ ہے کہ ہم جدید دنیا میں رہتے ہوئے بھی اپنے مذہب، اپنی ثقافت، اپنے تشخص اور اپنی پہچان کو باقی رکھیں۔ فیشن پرستی کی قباحتوں کے بارے میں تو آگے چل کر تفصیلی بات ہوگی۔

دُنیا کی حقیقت:

ابتدائی طور پر میں یہ عرض کرنا مناسب سمجھتا ہوں کہ قرآن اور حدیث میں دنیا اور آخرت کی جو حقیقت بیان کی گئی ہے اگر اس کا موازنہ کیا جائے اور اسے صرف سر کی آنکھوں سے نہیں دل کی آنکھوں سے پڑھا جائے تو انشاء اللہ! فیشن پرستی کی بیماری کبھی پیدا ہی نہیں ہوگی اور اگر اس کے جراثیم پیدا ہو چکے ہوں تو وہ اپنی موت آپ مر جائیں گے۔

بات یہ ہے کہ دنیا کی زندگی عارضی جبکہ آخرت کی زندگی دائمی ہے، دنیا کی ہر خوشی اور نعمت زوال اور خطرات کی زد میں ہے، جبکہ آخرت کی خوشی اور نعمت نہ تو زائل ہوگی اور نہ ہی اس کے ساتھ کوئی مصیبت اور پریشانی ہوگی، مومن کی نظر آخرت پر ہونی چاہئے، دنیا اور دنیا

کی آسائشیں کسی مسلمان کی زندگی کا مقصد نہیں ہوسکتیں۔

اللہ نے اپنے کلام میں اور سرورِ دوعالم ﷺ نے احادیث میں اس مضمون کو مختلف اسالیب میں بار بار بیان کیا ہے۔

سورۂ انعام میں ہے:

﴿وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴾

(سورة الأنعام: ٣٢، پ: ٧)

ترجمہ: ''دنیا کی زندگی تو بس کھیل کو ہے اور آخرت کا گھر ان لوگوں کیلئے بہتر ہے جو ڈرتے ہیں، کیا تم عقل نہیں رکھتے۔''

سورۂ مؤمن میں ہے:

﴿اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ وَّاِنَّ الْاٰخِرَةَ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ﴾

(سورة المؤمن: ٣٩: پ ٢٤)

ترجمہ: ''یہ دنیا کی زندگی تو بس عارضی ہے، ہمیشہ کا گھر تو صرف آخرت ہے۔''

سورۂ حدید میں ہے:

﴿وَفِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ﴾

(سورة الحديد: ٢٠: پ ٢٧)

ترجمہ: ''آخرت میں سخت عذاب بھی ہے اور اللہ کی مغفرت اور رضا بھی ہے اور دنیا کی زندگی تو بس فریب ہے۔''

سورۂ نساء میں ہے:

﴿قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى﴾

(سورة النساء: ۷۷: پ ۵)

ترجمہ: ''فرما دیجیے! دنیا کی زندگی تھوڑی ہے اور آخرت بہتر ہے اس شخص کیلئے جو تقوی اختیار کرتا ہے۔''

یہ چند آیات میں نے آپ کے سامنے پیش کی ہیں ورنہ دسیوں بیسیوں آیات ہیں جو دنیا کی قلت وحقارت اور آخرت کی تعریف کے بارے میں پیش کی جاسکتی ہیں اور یہ مضمون اللہ نے بار بار اس لیے بیان کیا ہے کیونکہ بعض لوگ دنیا ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں، اکبر نے جب یہ کہا تھا تو پتا نہیں کتنے دلوں کی ترجمانی کی ہوگی۔

اکبر بعیش کوش کہ جہاں دوبارہ نیست

''اکبر! مزے کرلو کیونکہ یہ جہاں دوبارہ نہیں ہوگا۔''

آقا ﷺ کے ارشادات:

قرآن کی ان آیات کے علاوہ آقا ﷺ کے ارشادات کا مطالعہ کریں تو آپ نے بھی یہی حقیقت اپنی امت کے دل میں اتارنے کی کوشش کی ہے کہ دنیا اور آخرت میں کوئی مناسبت نہیں، اصل زندگی تو آخرت کی زندگی ہے، جو حقیقی اور سچا مسلمان ہوگا وہ آخرت ہی کو بنانے اور سنوارنے کی کوشش کرے گا، دنیا ہی کی زندگی کو اپنی فکر وسعی کا محور بنالینا مسلمان کا شیوہ نہیں، جسم پر محنت کرنا اور جسم کے بنانے اور سنوارنے میں لگے رہنا اس بات کی دلیل ہے کہ آخرت کے مقابلے میں دنیا سے محبت زیادہ ہوگئی ہے اور جسم سے زیادہ روح کی پاکیزگی اور دل کے تزکیہ پر توجہ دینا اس بات کی دلیل ہے کہ آخرت کو زیادہ اہم سمجھتا ہے۔

اب آیئے! چند احادیث سن لیجیے! جن سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ نبی کریم ﷺ کی نظر میں دنیا کی کیا حقیقت تھی اور آپ اپنی امت کا دنیا کے ساتھ کیسا معاملہ پسند فرماتے تھے۔

حضرت مستورد بن شداد ؓ کی روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ

''اللہ کی قسم! آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی بس اتنی ہی حیثیت ہے جتنی حیثیت اس پانی کی ہے جو اس انگلی کے ساتھ لگ گیا ہو جسے تم نے سمندر میں ڈالا ہو۔''

(سنن ابن ماجه: صـ: ۳۰۲، باب مثل الدنیا)

وہ پانی جو انگلی کے ساتھ لگا ہوا ہے، اس کی سمندر کے پانی کے مقابلہ میں حیثیت ہی کیا ہے؟ کیسا بے وقوف ہے وہ شخص جو اتنی قلیل اور حقیر چیز کی خاطر آخرت کی غیر محدود اور غیر فانی نعمتوں کو فراموش کر دیتا ہے۔

صحیح مسلم ہی میں حضرت جابر ؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کا گذر بکری کے ایسے بچے کے قریب سے ہوا جو مردہ بھی تھا اور کان کٹا بھی، آپ ﷺ نے اپنے صحابہ سے پوچھا: کیا تم میں سے کوئی اس مردہ بچے کو ایک درہم کے بدلے خریدنے کیلئے تیار ہے؟ انہوں نے عرض کیا ہم میں سے کوئی بھی یہ سودا کرنے کیلئے تیار نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: یہ مردہ بچہ تمہاری نظر میں جتنا حقیر ہے اللہ کی نظر میں دنیا اس سے بھی زیادہ حقیر اور ذلیل ہے۔

(صحیح مسلم: ۴۹۷/۲، کتاب الزهد)

بیہقی میں حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا: ایمان سے محبت کرنے والوں کو کہیں نہ کہیں دنیا کا نقصان تو کرنا ہی پڑتا ہے، کہیں حرام مال

ہاتھ آرہا ہوگا مگر محض اللہ کے خوف سے اپنے آپ کو اس سے بچالے گا، کہیں جھوٹ بولنے سے بچارہے گا، کہیں اس کا نفس اسے غیظ وغضب سے مغلوب کرنا چاہے گا، کہیں ایسا بھی ہوگا کہ جنت میں اپنا ٹھکانہ بنانے کیلئے اپنے جائز حق سے دستبردار ہونا گوارا کرے گا۔

یہ ہیں وہ نقصانات جو صاحبِ ایمان کو آخرت کیلئے برداشت کرنے پڑتے ہیں، یہ الگ بات ہے کہ جس کے دل میں ایمان رچ بس جائے وہ اس قسم کے نقصان کو نقصان نہیں سمجھتا۔

صحیح بخاری میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کندھے سے پکڑا اور فرمایا: ''دنیا میں یوں رہو جیسے مسافر ہوتا ہے یا راستے سے گذرنے والا۔'' (بخاری: ٦٢٦٩)

آپ جانتے ہیں کہ مسافر اپنی ساری صلاحیت اور ذہانت راہ گذر کو بنانے اور سنوارنے پر صرف نہیں کرتا بلکہ اس کی نظر اپنے اصلی گھر پر ہوتی ہے، مومن اپنا اصلی گھر آخرت کو سمجھتا ہے اس لیے وہ دنیا پر فریفتہ ہونے کی بجائے آخرت کی تیاری اور وہاں کی راحتوں کو ہر چیز پر مقدم رکھتا ہے، دنیا میں تعیش والی زندگی گذارنے کے بجائے سادگی کی ساتھ رہن سہن کو ترجیح دیتا ہے۔

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجا تو فرمایا:

" اياك والتنعم فان عبادالله ليسوا بالمتنعمين. "

''عیش وعشرت سے بچ کر رہنا کیونکہ اللہ کے بندے عیش وعشرت کے پیچھے نہیں پڑتے۔''

یہ تو آپ ﷺ کے ارشادات تھے، آپ کی زندگی پر نظر ڈالی جائے تو وہ سادگی کا مرقع تھی، طرزِ زندگی سادہ، نعلین مبارک سادہ، سامان خورد ونوش سادہ، بستر سادہ، آپ کی ایک ایک ادا سے سادگی ٹپکتی تھی۔

بخاری اور مسلم میں حوالہ ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، میں نے دیکھا کہ آپ کھجور کی چٹائی پر آرام فرمارہے ہیں، جس کے نشانات آپ کے جسدِ اطہر پر ظاہر تھے، آپ کے سر کے نیچے چمڑے کا تکیہ تھا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی، ایک طرف تھوڑے سے جو رکھے ہوئے تھے، میں نے عرض کیا اے اللہ کے نبی! دعا فرمایئے! اللہ ہمیں بھی ویسے ہی فراوانی عطا فرمائے جیسے اس نے فارس اور روم کو عطا فرمائی ہے، آپ نے میری معروضات سن کر فرمایا:

" او فی هذا انت یا ابن الخطاب اما ترضی ان تکون لهم الدنیا ولنا الآخرة."

''اے خطاب کے بیٹے! تم کس سوچ میں پڑے ہوئے ہو؟ کیا تمھیں یہ پسند نہیں کہ ان کیلئے دنیا ہو اور ہمارے لیے آخرت ہو۔''

ابوداؤد میں روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے دوبار فرمایا: سن لو! سادگی ایمان کی نشانی ہے۔

اسلامی تعلیمات اور اپنے آقا ﷺ کی سیرت پر نظر رکھنے والا کوئی شخص اس سے تو انکار کر نہیں سکتا کہ اسلام سادگی کا مذہب ہے، زہد وقناعت کا درس دیتا ہے اور دنیا پرستی اور تعیش کو ناپسند کرتا ہے، اسی لیے کھانے پینے کیلئے سونے، چاندی کے برتن استعمال کرنے

سے منع کیا گیا ہے۔

دار قطنی میں حضرت ابن عمر ﷺ سے روایت ہے: جو سونے چاندی کے برتن میں پانی پیتا ہے وہ اپنے پیٹ میں انگارے بھرتا ہے۔

حضرت عمر ﷺ فرمایا کرتے تھے: کھردرے بنو، عجمیوں کی طرح ناز نہ کیا کرو، اسی طرح آپ تلقین فرمایا کرتے تھے، سخت جان بنو، سادہ کھاؤ اور پرانے کپڑے استعمال کیا کرو۔

تجمل اور تنعم:

اپنے موضوع کی وضاحت کیلئے دوسری بات جو عرض کرنا چاہتا ہوں، وہ یہ ہے کہ اسلام نے تجمل کی اجازت تو دی ہے مگر تنعم کی اجازت نہیں دی، تجمل کا مطلب ہے خوش لباسی اور صفائی اور تنعم کا مطلب ہے اسراف، فضول خرچی اور عیش پسندی۔ ہمارے آقا ﷺ کا لباس سادہ تو ہوتا تھا مگر میلا کچیلا نہیں ہوتا تھا اور جب کبھی باہر سے مہمان آتے: تو حدیث میں آتا ہے:

"کان یتجمل للوفود."

آپ ان کے استقبال کیلئے اچھا لباس زیب تن فرماتے تھے۔

حضرت عمر ﷺ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"من لبس ثوبا جدیدا فقال الحمدللّٰه الذی کسانی ما اواری به عورتی واتجمل به فی حیاتی ثم عمد الی الثوب الذی اخلق اوالقی فتصدق به کان فی کنف اللّٰه وفی حفظ الله وفی ستر اللّٰه حیا ومیتا."

(سنن ابن ماجه: صــ: ٢٥٤، باب ما يقول الرجل اذا لبس ثوبا جديدا)

جس نے نیالباس پہنااور پھر یہ دعاء پڑھی: ''تمام تعریفیں اس ذات کیلئے ہیں جس نے مجھے ایسا لباس پہنایا جس سے میں اپنا ستر چھپا سکتا ہوں اور جس سے میں اپنی زندگی میں خوبصورتی پیدا کرسکتا ہوں، اس کے بعد اس نے پرانا لباس صدقہ کردیا تو وہ زندگی میں بھی اور مرنے کے بعد بھی اللہ کی نگہبانی، حفاظت اور پردے میں رہے گا۔''

اس حدیث میں یہ جو الفاظ آئے ہیں " واتجمل به في حياتي " (اس لباس سے میں اپنی زندگی میں خوبصورتی پیدا کرتا ہوں) ان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر لباس میں حسن وجمال کے پہلو کو ملحوظ رکھا جائے تو یہ زہد وتقوی کے خلاف نہیں ہے، اسی لیے کہا جاتا ہے کہ اگر لباس سے مقصد آسائش ہو تو یہ بھی جائز ہے، آرائش مقصد ہو تو یہ بھی جائز ہے، البتہ نمائش کو مقصد بنانا جائز نہیں یعنی اچھا لباس پہننے کا مقصد اگر دکھاوا اور تکبر ہو تو یہ غلط ہے۔

بعض حضرات کا یہ ذوق ہوتا ہے کہ وہ اچھا لباس پسند کرتے ہیں تو ہم ان کے اس ذوق کو خلاف اسلام نہیں کہیں گے۔ ہم اللہ والوں کے حالات کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں دونوں قسم کے بزرگوں سے واسطہ پڑتا ہے، ایسے بھی تھے جو انتہائی نفیس لباس پہنتے تھے اور ایسے بھی تھے جو اتنا سادہ لباس پہنتے تھے کہ اس سے زیادہ سادہ لباس ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ لیکن دونوں قسم کے بزرگ اخلاص کی دولت سے مالا مال تھے نہ ان میں دکھاوا تھا، نہ ہی کبر وغرور تھا اور نہ ہی وہ دوسروں کو اپنے مقابلے میں حقیر سمجھتے تھے بلکہ ہر ایک دوسرے کے بارے میں اچھا ہی گمان رکھتا تھا۔

میں نے کسی کتاب میں حضرت گنگوہی قدس اللہ سرہ کے بارے میں پڑھا تھا کہ وہ بہت عمدہ لباس زیب تن فرماتے تھے اور حضرت نانوتوی رحمہ اللہ اتنا سادہ لباس پہنتے تھے کہ بازار میں چلتے ہوئے جولاہے، مزدور اور مستری یہ سمجھتے کہ آپ بھی ہمارے پیشے سے تعلق رکھتے ہیں چنانچہ وہ اپنے پیشے کے بارے میں آپ سے گفتگو کرنے لگتے، جولاہے پوچھ لیتے اے بھیا! ذرا سوت کا بھاؤ تو بتاؤ آج کل کیسا جا رہا ہے؟

آپ کی تواضع اور فنائیت دیکھئے کہ آپ جواب میں یہ نہیں کہتے تھے کہ ارے گستاخ! میں تو فقیہ عصر، استاذ حدیث اور مناظر اسلام ہوں، تمہیں مجھ سے سوت کا بھاؤ پوچھنے کی جرأت کیسے ہوئی، بلکہ اپنے آپ کو چھپاتے ہوئے گول مول سا جواب دے دیتے کہ ''بھائی اول بدل ہوتا رہتا ہے جیسا بازار ہوگا ویسا بھاؤ ہوگا۔''

کسی نے حضرت گنگوہی رحمہ اللہ سے حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کی سادگی کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ ان کا مقام بہت اونچا ہے، میں ان کے مقام تک کہاں پہنچ سکتا ہوں۔

حضرت نانوتوی رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا: مولانا گنگوہی رحمہ اللہ کا ایسا تزکیہ اور تربیت ہو چکی ہے کہ وہ اگر قیمتی لباس بھی پہنیں تو فخر وریا سے محفوظ رہتے ہیں، جبکہ ہمارے جیسوں کے بارے میں اندیشہ ہے کہ اگر وہ لباسِ فاخرہ پہن لیں تو کہیں نفس اور شیطان کے دھوکے میں نہ آ جائیں۔

تکبر کیا ہے؟

یہاں یہ بھی جان لیں کہ قیمتی لباس یا جوتا پہننا، بہترین گاڑی پر سوار ہونا اور کشادہ اور

صاف ستھرے مکان میں رہائش رکھنا، ہرگز تکبر کی علامت نہیں ہے۔ تکبر کا تعلق لباس، مکان اور سواری سے نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق دل سے ہے، ممکن ہے جو آپ کو درویشانہ اور فقیرانہ لباس میں دکھائی دیتا ہے اس کا دل تکبر کی نجاست سے آلودہ ہو اور جو آپ کو امیرانہ لباس میں نظر آتا ہے اس کا دل تواضع سے سرشار ہو۔

حدیث میں آتا ہے کہ ایک موقع پر نبی کریم ﷺ نے تکبر کی مذمت بیان کرتے ہوئے فرمایا: ''جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر تکبر ہوگا وہ جنت میں نہیں جاسکتا۔'' ایک صحابی نے عرض کیا یارسول اللہ! کسی کو اچھے کپڑے یا اچھا جوتا پہننے کا شوق ہوتا ہے کیا یہ بھی تکبر میں شامل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ تکبر نہیں، یہ تو جمال ہے اللہ تعالیٰ خود جمیل ہے؟ اور جمال کو پسند کرتا ہے، تکبر یہ ہے کہ سچائی کے مقابلہ میں اکڑ جاؤ اور گوارانہ کرو کہ؟ تمہاری بات ہو اور لوگوں کو حقیر سمجھو'' (ترمذی: ۲/ ۲۰، باب ما جاء فی الکبر)

بالوں کی تراش خراش، لباس کی صفائی ستھرائی اور مکان کی مناسب آرائش یہ چیزیں تکبر نہیں ہیں،

جمع الفوائد میں ہے کہ آنحضرت ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے، ایک صاحب اس حال میں آئے کہ ان کے سر اور داڑھی کے بال بکھرے ہوئے تھے آپ ﷺ نے بالوں کو درست کرنے کا اشارہ فرمایا وہ صاحب گئے اور بال درست کر کے حاضر ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا پہلے تم ایسے لگ رہے تھے جیسے بھوت ہو کیا یہ شکل اس سے بہتر نہیں۔

ایک مشہور حدیث میں حضور اکرم ﷺ نے دس چیزوں کے بارے میں فرمایا ہے کہ یہ انسانی فطرت میں داخل ہیں، اللہ کے تمام نبی اور رسول ان پر عمل کرتے رہے ہیں۔

یعنی مسواک کرنا، کلی کرنا، ناک میں پانی ڈالنا، انگلیوں کے پوروں اور جوڑوں کو صاف رکھنا، مونچھیں کٹوانا، واڑھی بڑھانا، ناخن کٹوانا بغل کے بال دور کرنا، ختنہ کرنا، ناف کے نیچے بال صاف کرنا۔ (مسلم: ۱/۱۲۹)

اس حدیث سے ثابت ہوتا کہ تمام انبیاء کرام ﷺ صفائی اور پاکیزگی کو پسند فرماتے تھے اور یہ کہ جمال پسندی تکبر کی علامت نہیں بلکہ فطرت کے سلیم اور صحیح ہونے کی دلیل ہے،

حضرت ابو ہریرہ ﷛ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا مردوں کی خوشبو وہ ہے جس کی مہک ظاہر مگر رنگ نمایاں نہ ہو اور عورتوں کی خوشبو وہ ہے جس کا رنگ نمایاں ہو مگر اس کی مہک ہلکی ہو۔

(ترمذی: ۲/۱۰۷، باب ما جآء فی طیب الرجال والنسآء)

اس حدیث میں مرد اور عورت دونوں کو خوشبو استعمال کرنے کی ترغیب دی گئی ہے مگر دونوں کی فطرت کا لحاظ رکھا گیا ہے، عورتوں کو ایسی خوشبو لگانے سے منع کیا گیا ہے جو اجنبی مردوں کو متوجہ کرنے کا ذریعہ بنے، ظاہر ہے کہ جب عورت تیز مہک والی خوشبو لگا کر بازار میں نکلے گی تو یقیناً دوسروں کے شہوانی جذبات ابھارنے کا ذریعہ ثابت ہوگی، مگر چونکہ زیبائش و آرائش عورت کی فطرت میں داخل ہے اس لیے اسے ایسی کریم اور خوشبو استعمال کرنے کی اجازت دی گئی ہے جو اس کی رنگت کو چمکا دے اور اسے اپنے شوہر کیلئے پرکشش بنادے، دوسری طرف مردوں کو ایسی خوشبو استعمال کرنے کی اجازت دی جس کی وجہ سے ہر وہ محفل معطر ہو جائے جس میں وہ شرکت کریں۔

عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ تجمل یعنی خوش لباسی [illegible] ـنائی کی اسلام نے نہ صرف

اجازت دی ہے بلکہ اس کی ترغیب دی ہے لیکن تنعم یعنی اسراف اور عیش پسندی سے منع فرمایا ہے۔

فیشن پرستی:

اگر آپ فیشن پرستی کی بیماری کا غور سے جائزہ لیں تو آپ کو اس میں اسراف بھی ملے گا اور عیش پسندی بھی ملے گی، اس کے علاوہ اس میں احساسِ کمتری، غیروں کی نقالی، اپنی ثقافت سے وحشت بلکہ نفرت اور اپنے آپ کو نمایاں اور انوکھے انداز میں پیش کرنے کے جذبات کارفرما دکھائی دیں گے۔

ہمارے ہاں فیشن پرستی کی جو وبا پھیلی ہے وہ کسی ایک شعبے تک محدود نہیں رہی بلکہ اس نے شکل وصورت سے لباس تک، زبان سے کھانے پینے کے طور طریقوں تک اور شادی بیاہ سے زندگی کے عام معاملات تک ہر چیز کو اپنے حلقہ واثر میں لے لیا ہے، میں جانتا ہوں کہ ہمارے بعض بھائی اور بہنیں فیشن پرستی کے خلاف گفتگو کرنے اور اس پر تنقید کو اچھا نہیں سمجھتے غالبًا ان کا خیال ہے کہ دین ہمیں خاص قسم کا لباس پہننے کا پابند نہیں کرتا، نہ ہی مخصوص شکل وصورت بنانے کا حکم دیتا ہے اور نہ ہی اغیار کی نقالی سے منع کرتا ہے، اس قسم کی سوچ رکھنے والے حضرات وخواتین کے انداز فکر پر افسوس کے سوا اور کیا کیا جا سکتا ہے۔

ہمارے دکھ میں اس وقت مزید اضافہ ہو جاتا ہے، جب ہم دیکھتے ہیں کہ بجائے اس کے کہ یہ حضرات اپنے رویے پر کسی قسم کی شرمندگی محسوس کریں، اُلٹا ان لوگوں پر کیچڑ اچھالتے اور انہیں استہزاء کا نشانہ بناتے ہیں جو سنت پر عمل کرنے کی کوشش کرتے اور اپنی شکل وشباہت صلحاء کی مانند بناتے ہیں۔

مخالفانہ ذہن رکھنے والے ساتھیوں کی کڑوی کسیلی باتوں اور پروپیگنڈا کے باوجود ہمارا مقصد کسی کی دلآزاری نہیں ہے بلکہ حق کا اظہار پیشِ نظر ہے اور ظاہر ہے کہ کسی کی مخالفت یا تنقید کے ڈر سے حق گوئی ترک نہیں کی جاسکتی، البتہ یہ ضروری ہے کہ حق بات حکمت اور درد کے ساتھ بیان کی جائے نہ کسی کا مذاق اڑایا جائے اور نہ کسی کی تنقیص اور تحقیر کی جائے۔

داڑھی کی اہمیت:

جب ہم فیشن پرستی کی بات کرتے ہیں تو سب سے پہلے شکل وصورت سے ابتداء کرتے ہیں۔ آج کل ہمارے کئی بھائی جن کی میڈیا تک رسائی ہے، یہ ثابت کرنے کی کوشش کررہے ہیں کہ داڑھی امورِ عادیہ میں سے ہے۔امورِ عادیہ ان چیزوں کو کہا جاتا ہے جن کا حضور اکرم ﷺ سے پہلے عرب کی معاشرت میں عام رواج تھا،عرب چونکہ داڑھی رکھتے تھے اس لیے حضور اکرم ﷺ نے بھی داڑھی رکھ لی۔

اگر داڑھی محض امورِ عادیہ میں سے ہوتی تو اللہ کے نبی اس کے رکھنے کی اتنی تاکید نہ فرماتے جتنی کی احادیث سے ثابت ہے۔

آپ وہ حدیث تو سن ہی چکے ہیں جس میں آپ نے دس چیزوں کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ انسانی فطرت میں داخل ہیں، ان میں سے دو چیزیں مونچھیں کٹوانا اور داڑھی بڑھانا بھی ہے۔

اسی طرح ایک حدیث صحیح مسلم میں بھی ہے،حضرت ابو ہریرہ ؓ فرماتے ہیں:

" قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم جزوا الشوارب وارخوا اللحی وخالفوا المجوس." (مسلم: ۱۲۹/۱، باب خصال الفطرۃ)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مونچھیں کٹاؤ، داڑھی بڑھاؤ اور مجوس کی مخالفت کرو۔"

مجوسی داڑھی منڈاتے تھے اور لمبی لمبی مونچھیں رکھتے تھے، حضور ﷺ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ تم ان کے برعکس کرو۔

زید بن حبیب ؓ سے روایت ہے کہ کسریٰ کی طرف سے دو شخص قاصد بن کر آئے جنہوں نے داڑھی منڈوا رکھی تھی، آپ نے فرمایا: تمہاری ہلاکت ہو، ایسا حلیہ بنانے کو تمہیں کس نے کہا ہے؟ انہوں نے کہا: "ہمارے رب (شاہ کسریٰ) نے حکم دیا ہے۔"

حضور ﷺ نے فرمایا: "لیکن مجھے میرے رب نے داڑھی کے بڑھانے اور مونچھیں کتوانے کا حکم دیا ہے"

ایک حدیث میں ہے کہ بعض فرشتے یہ تسبیح پڑھتے ہیں:

"سبحان من زين الرجال باللحى وزين النساء بالذوائب."

"پاک ہے وہ ذات جس نے مردوں کو داڑھی سے اور عورتوں کو چوٹیوں سے زینت بخشی۔"

جو لوگ داڑھی کو امور عادیہ میں سے قرار دیتے ہیں، میں ان سے سوال کرتا ہوں کہ مختلف زمانوں، مختلف ملکوں، مختلف علاقوں اور مختلف قوموں میں جتنے بھی انبیاء آئے، یا اس امت میں جتنے بھی صحابہ تھے، جتنے بھی اولیاء، محدثین اور مفسرین پیدا ہوئے، کیا ان میں سے کوئی ایک بھی داڑھی منڈا تھا؟

کیا داڑھی ہر زمانے، ہر ملک، ہر علاقے اور ہر قوم کے امور عادیہ میں سے تھی؟

آپ ہمیں مصر اور شام کے موجودہ علماء کی مثال مت دیجیے! ان کا بگاڑ ہمارے لیے

حجت اور دلیل نہیں بن سکتا۔

میں آپ سے ایک اور سوال کرتا ہوں، وہ یہ کہ کیا یہ حقیقت نہیں کہ بے شمار لوگ صرف اس لیے داڑھی منڈاتے ہیں کہ وہ اپنے اڑوس پڑوس میں رہنے والے یا عالمی سیاست اور معیشت پر چھائے ہوئے غیر مسلموں کو دیکھتے ہیں کہ وہ بے ریش ہیں۔ ان کا بے ریش رہنے اور ساری زندگی نوجوان نظر آنے کا اسٹائل انہیں پسند آ گیا ہے، اس لیے یہ بھی بے ریش رہنے کو پسند کرتے ہیں۔

ایک وقت تھا جب داڑھی رکھنا حسن وجمال کا باعث سمجھا جاتا تھا اور کسی کو داڑھی مونڈنے پر سزا دی جاتی تھی۔ طرفہ تماشا یہ کہ اپنے آقا کی سنت سمجھ کر تو داڑھی رکھنے میں عار محسوس ہوتی ہے لیکن اگر فلمی اداکار اور شوبز کی دنیا سے تعلق رکھنے والے داڑھی رکھ لیں تو بڑے فخر سے ان جیسی داڑھی رکھ لی جاتی ہے، فیشنی داڑھیوں میں سے ایک فرنچ کٹ داڑھی ہے، ٹھوڑی پر مختصر سی داڑھی رکھ کر اطراف سے بال صاف کر دیئے جاتے ہیں اور سمجھا جاتا ہے کہ ہم بہت خوبصورت لگ رہے ہیں۔

بعض لوگ سائیڈ لاکس داڑھی رکھتے ہیں، اس میں یہ ہوتا ہے کہ ٹھوڑی کے بال صاف کر دیئے جاتے ہیں اور رخساروں پر بال رکھ لیے جاتے ہیں۔

ہمارے بعض بھائی یہ کرتے ہیں کہ داڑھی مونچھ بالکل صاف کر دیتے ہیں اور سر کے بال شانوں کے نیچے تک بڑھا لیتے ہیں، یہاں تک کہ ان کی جنس پہچاننا مشکل ہو جاتا ہے اور بعض خواتین سر کے بال کٹوا کر اور مردوں جیسا لباس پہن کر ایسی بن جاتی ہیں کہ نسوانیت گم ہو کر رہ جاتی ہے جبکہ نبی کریم ﷺ نے ان مردوں پر لعنت فرمائی جو عورتوں کی

مشابہت اختیار کریں۔

ابوداؤد کی ایک روایت میں آپ نے ایسے مردوں اور عورتوں کے بارے میں فرمایا کہ ایسے مرد اور عورتیں ہم میں سے نہیں ہیں۔

لباس:

شکل وصورت کے بعد آیئے ہم لباس کو لیتے ہیں، کتاب وسنت کے مطالعہ سے ہمارے سامنے اسلامی لباس کی جو خصوصیات آتی ہیں وہ یہ ہیں کہ لباس اتنا چست نہ ہو کہ اعضاء کی ہیئت ظاہر ہو اور اتنا باریک بھی نہ ہو کہ جسم کی رنگت نظر آئے مرد کی شلوار ٹخنوں سے نیچے نہ ہو، مرد عورتوں جیسا اور عورتیں مردوں جیسا لباس نہ پہنیں لباس میں تکبر اور اسراف بھی نہ ہو۔

سورۃ اعراف کی آیت ۲۶ میں ہے:

﴿ یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَیْكُمْ لِبَاسًا یُّوَارِیْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِیْشًا وَلِبَاسُ التَّقْوٰی ذٰلِكَ خَیْرٌ ﴾

(پ: ۸)

ترجمہ: ''اے آدم کی اولاد! ہم نے تمہارے اوپر لباس نازل کیا جو تمہاری شرمگاہوں کو ڈھانپتا ہے اور زینت بھی ہے اور لباس تو تقوی ہی کا بہتر ہے۔''

اس آیت میں لباس کا جو پہلا مقصد بیان کیا گیا ہے وہ ہے ستر عورت، وہ لباس ہی کیا ہے جو ستر پوشی کا کام نہ دے، دوسرا مقصد لباس کا ہے زینت اور خوبصورتی۔ عربی کا محاورہ "النّاس باللباس" انسان کی شخصیت لباس سے بنتی ہے۔ انسان کو چاہیے کہ وہ ایسا لباس پہنے جس میں وہ باوقار دکھائی دے، ستر پوشی کیلئے تو لنگوٹی بھی کافی ہے لیکن اسلام ہمیں ایسا

لباس پہننے کا حکم دیتا ہے جو ستر پوشی، سردی گرمی سے حفاظت اور شخصیت کے وقار اور حسن میں اضافہ کا باعث بھی ہو۔

یہ نکتہ بڑا اہم ہے کہ قرآن نے زینت کو لباس کے مقاصد میں شامل فرمایا ہے اور یوں ان راہبوں، جوگیوں اور نام نہاد ملنگوں کی تردید کر دی ہے جو عریانی یا نیم عریانی کو اللہ کی رضا کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔

اس آیتِ کریمہ میں "لباسِ تقویٰ" کا بھی ذکر ہے، گویا یہ بتایا گیا ہے کہ ظاہری لباس کے ساتھ ایک باطنی لباس بھی اللہ نے انسان کو عطا کیا ہے جو اس ظاہری لباس سے کہیں زیادہ اہمیت رکھتا ہے، حقیقت میں وہ باطنی لباس ہی انسان کو ظاہری لباس پہننے پر آمادہ کرتا ہے، جو انسان لباسِ تقویٰ سے محروم ہوا سے ننگا رہنے میں بھی شرم محسوس نہیں ہوتی۔

آپ نے سنا ہوگا کہ اہلِ مغرب میں بے شمار لوگ ایسے ہیں جو ننگا رہنے میں کچھ بھی عار محسوس نہیں کرتے وہ سمندر کے ساحل، سڑک کے کنارے اور تفریح گاہ کے گوشے میں ننگ دھڑنگ پڑے رہتے ہیں، روک ٹوک کرنے والے کو وہ حقوقِ انسانی میں مداخلت کرنے والا سمجھتے ہیں۔

اب تو نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ فرانس کی ایک کمپنی نے ایسی فلائٹ چلانے کا فیصلہ کیا ہے جس کے سارے مسافر ننگے ہوں گے۔

لباسِ تقویٰ کیا ہے؟ شرم و حیا، خوفِ خدا، بندگی کا احساس اور اطاعت کا جذبہ لباسِ تقویٰ ہے، جو شخص لباسِ تقویٰ سے محروم ہے وہ ظاہری لباس پہن کر بھی حقیقت میں ننگا ہے، کسی عرب شاعر کا بڑا پیارا شعر ہے۔

اذا المرء لم یلبس ثیابا من التقی   تقلب عریانا وان کان کاسیا

وخیر لباس المرء طاعة ربه   ولا خیر فیمن کان للّٰہ عاصیا

''جب تک کوئی شخص تقوی کا لباس نہیں پہنتا تو وہ ننگا ہے اگر چہ اس نے کپڑے پہنے ہوئے ہوں۔ اپنے رب کی اطاعت سب سے بہترین لباس ہے اور جو اللہ کا نافرمان ہے اس میں کوئی بھلائی نہیں ہے۔''

جو لوگ نمود ونمائش یا فخر اور غرور کیلئے لباس پہنتے ہیں یا اسراف اور فضول خرچی کرتے ہیں یا اپنی مخالف جنس کے ساتھ مشابہت کرتے ہیں یا جن کا مقصد اپنے اعضاء کو چھپانا نہیں بلکہ نمایاں کرنا اور شہوانی نظروں کو متوجہ کرنا ہوتا ہے وہ لباسِ تقوی سے محروم ہونے کی وجہ سے یہ حرکتیں کرتے ہیں۔

ممکن ہے کوئی ڈھیٹ بن کر یہ کہہ دے کہ ہم شرٹ اور سوٹ، چڈی اور بلاؤز کو مہذب اور باوقار لباس سمجھتے ہیں تو ایسے لوگوں سے محبت اور پیار سے ہم درخواست کریں گے کہ خدارا! مادی عقل سے نہیں ایمانی عقل سے سوچو اور جواب دو۔ کیا واقعی یہ باوقار لباس ہے؟ اور کیا آپ یہ سوچ بھی سکتے ہیں کہ حضرات انبیاء اور اولیاء، محدثین اور مفسرین رحمہم اللہ ایسا لباس پہنتے تھے یا پہننے کا تصور بھی کر سکتے تھے؟

شیطان نے چونکہ عقل پر پردے ڈال دیئے ہیں اس لیے الٹی گنگا بہ رہی ہے، مرد پورے لباس میں ہوتے ہیں جبکہ خواتین ادھورا لباس بلکہ چیتھڑے پہنتی ہیں، جس کی وجہ سے چہرہ بھی ننگا، کمر بھی ننگی، پیٹھ بھی ننگی، میک اپ بھی خوب تیز اور خوشبو بھی بہت تیز، پھر بازاروں اور گلیوں میں چلتی پھرتی اجنبی مردوں کے ساتھ بے محابا اختلاط اور بے تکلف

گفتگو، بلند آواز میں قہقہے، گویا اسلام کے ہر حکم کی خلاف ورزی ہو رہی ہے، بلکہ پوری کوشش اس بات پر ہوتی ہے کہ لوگ ان کی طرف صرف دیکھیں ہی نہیں، بلکہ دیکھتے ہی رہ جائیں اور دیکھنے والوں کے دل ودماغ میں آندھی سی چلنے لگے جبکہ آقائے دوجہاں ﷺ کا فرمان ہے:

" لعن اللّٰه الناظر والمنظور إليها."

''اللہ لعنت کرتا ہے گھورنے والے مرد اور گھورنے والی عورت پر۔''

میری وہ بہنیں اور بیٹیاں جو بن سنور کر بے پردہ باہر نکلتی ہیں وہ ذرا سوچیں تو سہی! وہ کتنا بڑا گناہ کرتی ہیں، وہ کیوں نہیں سوچتیں کہ ایک دن مرنا بھی ہے اور اللہ کے سامنے زندگی کے ایک ایک عمل کا حساب دینا ہے۔

لباس کے علاوہ پیشانی پر ہندوؤں کی طرح تلک اور بِندو لگائے جاتے ہیں حالانکہ کفار کے ساتھ مشابہت حرام ہے۔

مسلمان خواتین نے مصنوعی بالوں کے جوڑے بھی باندھنا شروع کر دیے ہیں۔ لمبے لمبے ناخن رکھنے کا رواج بھی زوروں پر ہے، سمجھ نہیں آتا کہ مسلمان خاتون کو کیا ہو گیا ہے؟ مصنوعی بالوں کا ٹوکرا سر پر رکھنے میں کونسا حسن ہے یا چھری کی طرح لمبے ناخن رکھنے میں کیا خوبصورتی ہے؟

فیشن سکھانے کی سب سے بڑی درسگاہ آج کے دور میں ٹی وی ہے، جو کردار دیکھتے ہیں تو انہیں اپنانے کی کوشش بھی کرتے ہیں، خواہ وہ ہماری شریعت اور تہذیب سے مناسبت رکھتے ہوں یا نہ رکھتے ہوں۔

ہمارے مردوں کی فیشن پرستی بھی کسی سے کم نہیں، کسی کو دیکھیں تو وہ آدھی پتلون پہنتا ہے اور کسی کو دیکھیں تو وہ زمین پر کپڑے گھسٹتے ہوئے چلتا ہے، اگر سمجھایا جائے کہ ٹخنوں سے نیچے شلوار یا پائجامہ لٹکانا حرام ہے، یونہی رانوں کو ننگا کرنا بھی حرام ہے تو وہ جواب میں کہتے ہیں: ارے مولوی صاحب! دنیا چاند تک پہنچ گئی ہے اور آپ ابھی تک ٹخنوں سے نیچے پاجامہ ہونے کی بحث میں پڑے ہوئے ہیں، گویا ان کا خیال ہے کہ انسان کے چاند پر جانے سے ناجائز اور حرام کام اب جائز اور حلال ہو جائیں گے۔

میں آپ کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا واقعہ سناتا ہوں جس سے آپکو اندازہ ہوگا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شریعت کے کسی بھی مسئلہ میں کتنے حساس تھے؟

یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب آپ شدید زخمی تھے، جان کنی کا عالم تھا، بستر پر لیٹے ہوئے تھے کہ ایک نوجوان آپ کے قریب سے گزرا، آپ نے دیکھا کہ نوجوان کا پائجامہ ٹخنوں سے نیچے لٹک رہا ہے، آپ نے اسے اشارے سے قریب بلایا اور فرمایا:

''بیٹے! پائجامہ ٹخنوں سے اوپر باندھا کرو! اس میں بیک وقت دو فائدے ہوں گے، ایک دنیوی اور دوسرا اخروی، دنیوی فائدہ تو یہ ہوگا کہ تمہارا پائجامہ جلدی گندا نہیں ہوگا اور اخروی فائدہ یہ ہوگا کہ قیامت کے دن رب العالمین کی نگاہ کرم سے محروم نہیں ہوگے۔''

قدرے توقف کے بعد فرمایا:

''اور پائجامہ ٹخنوں سے نیچے باندھنے سے اس کے برعکس ہوگا یعنی یہ کہ پائجامہ وقت سے پہلے گندا ہو جائے گا اور حشر کے دن اپنے مولیٰ کی نگاہ کرم سے محروم رہو گے۔''

اندازہ کیجئے! کتنی اہمیت تھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نظر میں شریعت کی، اور شریعت کے

چھوٹے بڑے تمام احکام ومسائل کی، امیر المؤمنین کے جسم سے خون نچڑ چکا ہے، آخرت کی منزل سامنے ہے مگر جب شریعت کا حکم ٹوٹتے ہوئے دیکھا تو خاموش نہ رہ سکے۔

ہمارے بعض بھائی یہ بھی کہہ دیتے ہیں کہ کیا سارا دین لباس اور داڑھی میں ہے؟ تو ایسے بھائیوں کو غلط فہمی ہوئی ہے، یقیناً سارا دین داڑھی اور لباس میں نہیں ہے مگر دین میں لباس اور داڑھی ہے۔

یہ بھی سوچئے کہ اگر ہم ہر حکم کے بارے میں یہی کہتے رہے تو کیا باقی رہ جائے گا، اگر بے نمازی یہ کہیں کہ کیا سارا دین نماز میں ہے؟

زکوۃ سے بچنے والے کہیں گے، کیا سارا دین زکوۃ میں ہے؟

سود کھانے والے کہیں گے، کیا سارا دین مسئلہ سود میں ہے؟

فیشن کے نام پر ننگے پھرنے والے کہیں گے، کیا سارا دین فیشن سے بچنے میں ہے؟

ناچ گانے کو اپنی زندگی کا حصہ بنانے والے کہیں گے، کیا سارا دین ناچ گانے سے توبہ میں ہے؟

شراب نوش کہیں گے، کیا سارا دین شراب چھوڑنے میں ہے؟

تو بھائیو! ٹھنڈے دل سے سوچو! جب ساری چیزیں دین سے آپ نے خارج کر دیں تو باقی کیا رہ جائے گا؟

بات چیت:

فیشن پرستی کا جادو ایسا سر چڑھ کر بولا ہے کہ زندگی کا کوئی بھی شعبہ اس سے محفوظ نہیں رہا، شکل وصورت اور لباس کے بعد آپ روزمرہ کی زندگی کی گفتگو کا جائزہ لیں تو اس پر بھی

آپ کو فیشن کے گہرے اثرات دکھائی دیں گے، اگر آپ اونچی سوسائٹی کے لوگوں کی بات چیت سنیں تو اس میں آدھے الفاظ اردو کے اور آدھے انگریزی کے ہوں گے، ہمارے ہاں ایف ایم کے نام سے جو بہت سارے ریڈیو چینل چل رہے ہیں، انہوں نے اردو زبان اور معاشرتی اخلاق کا ستیاناس کر دیا ہے، ایک تو ایسا لگتا ہے کہ ان کے بعض پروگرام صرف فحاشی کی نشر و اشاعت کے لیے وقف ہیں، دوسرے وہ ایسی زبان بولتے ہیں جو ہوتی تو انگلش ہے مگر اس میں چند الفاظ اردو کے بھی شامل کر لیتے ہیں۔

انگریزی چونکہ بین الاقوامی زبان ہے اس لیے عالمی رابطہ یا فنی اور تجارتی ضروریات کے لیے اسے ضرور سیکھنا چاہیے مگر احساسِ کمتری کا شکار ہو کر اپنی زبان سے بے وفائی قطعاً غیر مناسب ہے، ہم جب ریڈیو انڈیا کو خالص ہندی یا خالص اردو بولتے ہوئے اور ریڈیو پاکستان کو انگلش اور اردو کا ملغوبہ بولتے ہوئے سنتے ہیں تو ہمارے سر شرم سے جھک جاتے ہیں۔

ملاقات کے وقت باہمی خیر سگالی کے لیے جو کلمات بولے جاتے ہیں، اس میں ہمارے ماڈرن بھائیوں کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ اسی قسم کے الفاظ بولیں جو الفاظ انگریز یا دوسرے غیر مسلم بولتے ہیں، کوئی گڈ مارننگ اور گڈ ایوننگ کہتا ہے، کوئی ہیلو اور بائے کہتا ہے اور بعض کو دیکھا گیا ہے کہ وہ ہندوؤں کے نمستے کے انداز میں ہاتھ جوڑتے ہیں، حالانکہ مسلمانوں کو تعلیم دی گئی ہے کہ وہ جب آپس میں ملیں تو "السلام علیکم" کہا کریں۔

سورۃ النساء آیت نمبر ۸۶ میں ہے:

"اور جب تمہیں سلام کیا جائے تو تم اس سے بہتر طور پر سلام کرو یا اسی کو لوٹا دو۔"

زمانہ جاہلیت میں جب آپس میں ملتے تھے تو "حیاک اللہ" اور دوسرے کلمات کہتے تھے، اسلام نے اسے "سلام" سے بدل دیا۔

"سلام" اللہ کے نام میں سے ایک نام ہے، انبیاء اور رسل کے لیے اللہ کی طرف سے بطور اکرام یہی کلمہ استعمال فرمایا گیا۔

اہل ایمان کو حکم ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھی اسی طرح سلام عرض کریں:

" السلام عليك أيها النبي "

دخول جنت کے وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے اہل ایمان کو سلام کہا جائے گا، احادیث میں سلام کہنے کی تاکید بھی ہے اور فضیلت بھی۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"لوگو! رحمٰن کی عبادت کرو، لوگوں کو کھانا کھلاؤ، سلام کو عام کرو! تم جنت میں سلامتی کے ساتھ پہنچ جاؤ گے۔"

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"تم جنت میں نہیں جا سکتے جب تک پورے مؤمن نہ ہو جاؤ اور یہ نہیں ہو سکتا جب تک تم میں باہم محبت نہ ہو جائے، کیا میں تمہیں وہ عمل نہ بتاؤں جس کے کرنے سے تمہارے درمیان محبت پیدا ہو جائے؟ وہ یہ ہے کہ آپس میں سلام کو خوب پھیلاؤ۔" (مسلم: ۵۴)

سلام ایک بہترین اور جامع دعاء ہے، مسلمان جب ایک دوسرے کو سلام کرتے ہیں تو وہ کہتے ہیں: اللہ تمہیں سلامتی عطا کرے، اللہ تعالیٰ تمہاری حفاظت فرمائے، گناہوں سے،

بیماریوں سے، پریشانیوں سے، حوادث سے، چوروں اورڈاکوؤں سے۔

!سلام کہنے والوں کو جونیکیاں ملتی ہیں وہ بھی ذہن میں رکھیں پھر فیصلہ فرمائیں کہ نبی کی سنت پر عمل کرتے ہوئے ''سلام'' کہنا افضل ہے یا کوئی دوسرا کلمہ کہنا بہتر ہے؟

اگر آپ کا ضمیر کہتا ہے کہ سلام کہنا بہتر ہے تو پھر چھوڑیے! فیشن اور رواج کو اور لیجئے اپنے آقا کی سنت کو۔

آپ دنیا کے جس ملک میں بھی جائیں سلام کہنے سے آپ کے مذہب کا بھی پتہ چل جائے گا اور یہ بھی ظاہر ہو جائے گا کہ جسے آپ سلام کررہے ہیں وہ آپ کا ایمانی بھائی ہے۔

آپس میں ہیلو ہائے کرنے کے ساتھ ہمارے بعض بھائی اور بہنیں اپنی اولاد کو بھی ''ٹاٹا'' اور'' بائے بائے'' جیسے الفاظ سکھانے میں بڑا فخر محسوس کرتے ہیں، وہ ابتداء ہی سے ان کی تربیت اس انداز میں کرنا چاہتے ہیں کہ وہ ''السلام علیکم'' جیسے دقیانوسی الفاظ کہنے کی بجائے ماڈرن قسم کے الفاظ کہیں۔

فیشن ہی فیشن:

حاضرین وسامعین!

کس کس فیشن کا رونا رویا جائے؟ ہم تو سر سے پاؤں تک فیشن میں غرق ہوتے جا رہے ہیں، ایسا لگتا ہے کہ ہمارا کلچر، ہماری ثقافت، ہماری اسلامی روایات، شرعی فرائض و واجبات اور پیارے پیاری سنتیں فیشن کے سیلاب میں بہہ جائیں گے۔

آپ بسنت جیسی ہندوانہ رسم کو دیکھیں جس میں اس سال بھی صرف لاہور میں بیس جانیں ضائع ہوئی ہیں، سینکڑوں افراد زخمی ہوئے ہیں اور کروڑوں روپے کا مالی نقصان بھی

ہوا ہے، مگر عوام تو عوام ہمارے خواص یعنی حکومت بضد ہے کہ ہم موسم بہار میں یہ رسم منا کر رہیں گے، حکمرانوں کی دیکھا دیکھی عام لوگ بھی اسے فیشن سمجھ کر مناتے ہیں، باوجودیکہ سپریم کورٹ نے بسنت پر پابندی لگائی مگر پھر بھی حکومت اسے منانے سے باز نہیں آئی، اسی سال یہ بھی ہوا کہ انڈیا سے آنے والی سمجھوتہ ایکسپریس میں ستر افراد کو زندہ جلا دیا گیا اور یہ سانحہ بسنت سے دو تین دن پہلے پیش آیا، اس کے باوجود یہ ہندوانہ رسم منائی گئی۔

ویلنٹائن ڈے کے نام پر محبت کا دن منانے کے فیشن کو بھی رواج دینے کی سرتوڑ کوشش ہو رہی ہے، باقاعدہ کارڈ چھپتے ہیں، تحائف کا تبادلہ ہوتا ہے، گلدستے دیئے جاتے ہیں اور فحاشی کو بام عروج تک پہنچانے کی کوشش کی جاتی ہے۔

ہندوؤں کے ہاں رسم ہے کہ وہ پھول کے ہار اپنے بتوں کے گلے میں ڈالتے ہیں، یہ گویا ان کا مذہبی شعار ہے، ہمارے سادہ لوح بھائیوں نے اسے بھی ایک فیشن سمجھ لیا ہے اور ہمارے ہاں بھی گیندے کے پھولوں کا رواج بہت ہونے لگا ہے، میں یہ نہیں کہتا کہ گیندے کے پھول حرام اور نجس چیز ہیں لیکن جو چیز غیر مسلموں کا شعار بن جائے اسے بلا سوچے سمجھے رواج دینا مسلمان کی شان تو نہیں۔

مجھے ایک دوست نے بتایا کہ ہندوؤں کے ہاں مور کو دیوتا کا درجہ حاصل ہے، وہ اس کے پروں کو بھی مقدس سمجھتے ہیں، کچھ عرصہ سے پاکستان میں مور کے پَر زیادہ فروخت ہونے لگے ہیں، بعض لوگ برکت کے حصول کے لیے اپنے گھروں اور دکانوں کی دیواروں پر یہ پَر لگاتے اور پھیرتے ہیں۔

نئے عیسوی سال کے آغاز پر جو طوفان بدتمیزی اٹھایا جاتا ہے وہ کس سے پوشیدہ ہے؟

دسمبر کی آخری شب ہر محلے سے فائرنگ کی آوازیں آتی ہیں، تفریح گاہوں اور سمندر کے ساحل پر نوجوان بیٹے اور بیٹیاں نئے سال کو خوش آمدید کہنے کے لیے شرم و حیا کی ہر سرحد عبور کر جاتے ہیں۔

میرے بھائیو اور بہنو! اگر ہم فیشن پرستی کے جنون میں یونہی ہر حد عبور کرتے رہے تو خطرہ ہے کہ مذہب اور مذہبی احکام و روایات بہت پیچھے رہ جائیں گی اور ہم بہت آگے نکل جائیں گے۔

شرم و حیا کی لاشیں ہر طرف تڑپیں گی اور فحاشی اور عریانیت پوری قوم کو اپنی لپیٹ میں لے لے گی۔

اور یہ بھی جان لو کہ دل کا چین، گھر کا سکون، آپس کی محبت، نئی نسل کی تربیت، ایمان کی محبت، اللہ کی رضا اور نبی کریم ﷺ کی شفاعت سادگی میں اور سنت کی اتباع میں ہے، شریعت کے دائرے میں زندگی بسر کرنے میں ہے۔

اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو اس کی توفیق نصیب فرمائے۔

وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العلمین

تعدد ازواج

الحمدلله وحده والصلوٰة والسلام علی من لا نبی بعده، أما بعد !

فأعوذ بالله من الشيطن الرجيم

بسم الله الرحمن الرحيم

وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ۚ ذٰلِكَ أَدْنٰى أَلَّا تَعُولُوا ...... صدق الله العظيم (النساء : ۳)

قابل صد احترام علماءِ کرام اور معزز خواتین وحضرات! آج کی ماہانہ علمی اور فکری نشست کے لئے ''تعدد ازواج'' کے عنوان کا انتخاب کیا گیا ہے، میں طے شدہ عنوان کے حوالے سے گفتگو شروع کرنے سے پہلے اپنے رحیم وکریم مولیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے ہمیں اسلام جیسا دینِ فطرت عطا کیا ہے، جو فطرت سلیمہ کے سارے جائز تقاضوں کی تکمیل کرتا ہے، ان میں سے کسی پر بندش نہیں لگاتا، اس کی راہ میں غلط قسم کی رکاوٹیں کھڑی نہیں کرتا، اس کی صلاحیتوں کو کچلتا نہیں۔

میں فطرتِ سلیمہ کی بات کررہا ہوں، مسخ شدہ اور بگڑی ہوئی فطرت کی بات نہیں کررہا، مسخ شدہ فطرت تو چاہتی ہے کہ چوری اور ڈاکہ زنی کی اجازت ہونی چاہیے، قتل وغارت گری کا دروازہ بھی کھلا رہنا چاہیے، زنا اور بدکاری کو سندِ جواز ملنی چاہیے، بلکہ بگڑی ہوئے فطرت اور طبیعت تو کہتی ہے نکاح کی ضرورت ہی نہیں، انسان کو کھلی چھٹی دے دینی چاہیے

کہ وہ جس طرح چاہے جنسی پیاس بجھالے، ہم جنس پرستی کرے تو بھی جائز، حیوانوں کے ساتھ منہ کالا کرے تو بھی جائز، مشت زنی کرے تو بھی جائز، مصنوعی آلات میں اپنی جان اور طاقت ضائع کرے تو بھی جائز، قریبی محرمات کو اپنی ہوس کا نشانہ بنائے تو بھی جائز، لیکن فطرتِ سلیمہ کہتی ہے کہ کوئی نہ کوئی پابندی ہونی چاہیے کیونکہ انسان کو اگر کھلی چھٹی دے دی جائے تو وہ انسان نہیں رہے گا، حیوان بن جائے گا، بلکہ حیوانوں سے بھی زیادہ خطرناک ثابت ہوگا۔

میرا اللہ اپنی لازوال کتاب میں بگڑی ہوئی فطرت والوں کے بارے میں کہتا ہے:

﴿أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ﴾ (الأعراف : ۱۷۹)

''یہ لوگ چوپاؤں کی طرح ہیں بلکہ چوپاؤں سے بھی بدتر ہیں۔''

اور حقیقت یہی ہے کہ جس بدنصیب کی فطرت بگڑ جائے وہ حیوانوں اور درندوں سے بھی بدتر ثابت ہوتا ہے، ایسا شخص وہ کچھ کر گزرتا ہے جو حیوان بھی نہیں کرتے۔

آپ بتائیے! آپ نے حیوانوں کو اپنی شہوانی پیاس بجھانے کے لیے وہ حرکتیں کرتے دیکھا یا سنا ہے جو انسان کرتا ہے؟

آپ کو دو ٹانگوں والے اور انسانی سوسائٹی میں چلنے پھرنے والے ایسے درندے مل جائیں گے جو پانچ اور چھ سال کے بچوں اور بچیوں کو اپنی درندگی کا نشانہ بناتے ہیں اور ایسا کرنے کے بعد ان کا گلا گھونٹ کر کچرا کنڈی اور گندے نالے میں ایسے پھینک دیتے ہیں جیسے ٹشو پیپر پھینکا جاتا ہے۔ مگر جنگل کے درندوں میں ایسی ایک مثال بھی نہیں ملے گی۔

اپنی سوسائٹی میں آپ کو ایسے درندے بھی مل جائیں گے جو پانچ پانچ اور چھ چھ مل کر کسی

ایک بیٹی، کسی ایک بہن بلکہ کسی ایک ماں کو حیوانیت کا نشانہ بناتے ہیں یہاں تک کہ موت کے گھاٹ اتار دیتے ہیں۔

میں ایک ایسا واقعہ جانتا ہوں جس میں اٹھارہ اور بیس سال کی عمر کے چند نوجوانوں نے ستر سال کی دیوانی عورت کی عزت و ناموس کو برباد کیا..... اور کیسے کہوں کہ جس پر ستم ڈھایا گیا وہ بھی مسلمان تھی اور ستم ڈھانے والے بھی مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے تھے۔

تو بھائی میں بات کر رہا ہوں فطرتِ سلیمہ کی، فطرتِ سلیمہ کے جتنے بھی تقاضے ہیں اسلام ان کی تکمیل کی نہ صرف اجازت دیتا ہے بلکہ تکمیل کی ترغیب بھی دیتا ہے، ان تقاضوں میں سے ایک تقاضا مرد اور عورت کے ازدواجی تعلق کا بھی ہے، اللہ تعالیٰ نے انسان میں شہوت رکھی ہے اور شہوت کا ہونا عیب نہیں، کمال ہے، اسی لیے نامردی کے طعنے کو ایک قسم کی گالی سمجھا جاتا ہے۔

شہوت کے علاوہ انسان کے اندر توالد و تناسل کا جذبہ بھی پایا جاتا ہے وہ چاہتا ہے کہ اس کا نام باقی رہے، اس کے بچے ہوں جن سے وہ پیار کرے، جنہیں دیکھ کر اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں، جن کی کلکاریوں سے گھر آباد رہے، جو اس کے مال اور علم وعمل کے وارث بنیں اور ایک مسلمان کی آرزو یہ بھی ہوتی ہے کہ اس کے بچے دین اسلام کے خادم اور داعی بنیں وہ دنیا میں پھیل جائیں اور اسلام کا عَلَم بلند کریں۔

جائز طریقہ سے شہوت کی تکمیل اور توالد و تناسل کے لیے اسلام نے نکاح کرنے اور کروانے کا حکم دیا ہے۔

قرآن بتاتا ہے کہ انبیاءِ کرام علیہم السلام کے لیے اللہ تعالیٰ نے نکاح والی زندگی کو پسند

فرمایا ہے، بے نکاحی زندگی کو نہیں، سورۂ رعد میں ہے:

﴿ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّن قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ أَزْوَاجًا وَذُرِّيَّةً ﴾

''اور ہم نے آپ سے پہلے بھی رسول بھیجے اور ہم نے انہیں بیویاں اور اولاد عطا فرمائی۔''

گویا اللہ تعالیٰ نے یہ سمجھا دیا کہ بیوی بچوں کا ہونا تقویٰ اور کمال کے منافی نہیں، اگر منافی ہوتا تو انبیاءِ کرام کو تجرد والی زندگی گزارنے کا حکم دیا جاتا اور انہیں نکاح کی اجازت نہ دی جاتی۔

سورۂ نور کی آیت ۳۲ میں ہے:

﴿ وَأَنكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ إِن يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴾

''تم میں جو بے نکاح ہیں ان کا نکاح کرادو اور اپنے نیک غلاموں اور لونڈیوں کا بھی، اگر وہ تنگدست ہوں گے تو اللہ انہیں اپنے فضل سے غنی کردے گا، اللہ تعالیٰ کشادگی والا اور علم والا ہے۔''

غنا اور نکاح:

اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نکاح کروانے کی ترغیب دے رہے ہیں اور ساتھ ہی یہ بھی سمجھا رہے ہیں کہ یہ مت سوچو کہ جو شخص اپنا پیٹ بڑی مشکل سے پال رہا ہے وہ نکاح کے بعد دو افراد اور بچے پیدا ہونے کے بعد چار، چھ یا آٹھ، دس افراد پر مشتمل کنبے کا پیٹ کیسے پالے گا؟

ذہنوں میں اٹھنے والے اس سوال کے جواب میں باری تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر وہ

شخص غریب اور فقیر ہوگا تو میں اسے غنا عطا کر دوں گا۔

اور تجربے سے ثابت ہوا ہے کہ واقعی ایسا ہو جاتا ہے، ایک تو غنا اس لیے بھی آجاتی ہے کہ سمجھدار انسان شادی کے بعد سنجیدہ ہو جاتا ہے، وہ فکر مند ہو کر پہلے سے زیادہ محنت کرتا ہے، کاروبار کو وسعت دینے کی نئی تدبیریں کرتا ہے، اگر ملازم ہو تو پارٹ ٹائم کام تلاش کرتا ہے، ذاتی اخراجات گھٹا دیتا ہے، فضول خرچی سے توبہ کر لیتا ہے۔

غنا کی دوسری وجہ اللہ تعالیٰ کی غیبی مدد ہوتی ہے، جو شخص اپنے علاوہ دوسروں کے لیے سوچتا اور محنت کرتا ہے، غیبی مدد اس کے شامل حال ہو جاتی ہے، اللہ کے خزانوں کی کوئی انتہا نہیں اور اس کی قدرت کی کوئی حد نہیں، وہ جو ایک کے رزق کا انتظام کر سکتا ہے وہ دس کے رزق کا بھی انتظام کر سکتا ہے۔

ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ میں حضرت ابو ہریرہ ﷺ سے روایت ہے:

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ثلاثۃ حق علی اللّٰہ عونھم:

الناکح یرید العفاف .....

والمکاتب یرید الاداء ......

والغاز فی سبیل اللّٰہ ......

(سنن ابن ماجه صـ ١٨١ باب المكاتب ۔ سنن نسائي: ٦٩/٢، باب معونة اللّٰه الناكح الذي يريد العفاف ۔ ترمذي: ٢٩٥/١، باب ما جاء في المجاهد والمكاتب والناكح وعون اللّٰه اياهم)

”رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تین آدمیوں کی مدد کرنا اللہ پر واجب ہے، نکاح کرنے

والا جو کہ پاکدامنی چاہتا ہو، مکاتب غلام جو کہ (مالک کا حق) ادا کرنا چاہتا ہو اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا۔"

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

"التمسوا الغنی فی النکاح."

"غنا کو نکاح میں تلاش کرو۔"

بات تو بڑی عجیب ہے، کیونکہ نکاح میں تو آج کل اتنے اخراجات ہوتے ہیں کہ انسان پاگل ہو جاتا ہے، وہ لطیفہ تو آپ نے سنا ہوگا کہ نوجوان بیٹے نے اپنے والد سے نکاح کے اخراجات کے بارے میں سوال کیا تو والد نے جواب دیا، پورا حساب تو نہیں بتا سکتا بس یہ دیکھ لو کہ میں اپنے نکاح کے لیے اٹھانے والا قرض آج تک ادا کر رہا ہوں۔

ایک طرف تو بے پناہ اخراجات ہیں دوسری طرف اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا وعدہ ہے کہ اللہ تمہیں غنا عطا فرمائے گا۔

تو بھائی بات یہ ہے کہ جب نکاح کرنے میں نیت درست ہوگی اور آقا کی سنت کے مطابق سادگی کے ساتھ نکاح کیا جائے گا اور نمود و نمائش سے بچا جائے گا تو یقیناً اللہ کی مدد آئے گی، سچا مسلمان اللہ کے وعدوں پر یقین رکھتا ہے اور یقیناً اس کی مدد کی جاتی ہے۔

غربت اور نکاح:

اس آیت کریمہ اور حدیث نبوی سے ثابت ہوا کہ غربت کو نکاح میں آڑے نہیں آنے دینا چاہیے۔

صحیح بخاری میں سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ چند صحابہ

ﷺ کے ساتھ تشریف فرما تھے، ایک عورت آئی اور اس نے اپنے آپ کو نکاح کے لیے پیش کیا، آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے ضرورت نہیں، وہ ایک طرف سر جھکا کر بیٹھ گئی، کچھ دیر بعد ایک غریب صحابی اٹھے اور عرض کیا کہ آپ اس کا نکاح میرے ساتھ کر دیجئے، آپ ﷺ نے پوچھا تمہارے پاس (مہر کے طور پر دینے کے لیے) کچھ ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ سوائے ازار کے اور کچھ نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ ازار اسے دے دیا تو تم اپنے ستر کا انتظام کیسے کرو گے؟ جاؤ کچھ تلاش کرو اگر چہ لوہے کی انگوٹھی ہی کیوں نہ ہو۔ انہوں نے اپنی بیچارگی کا اظہار کیا، آپ ﷺ نے سوال کیا کیا تمہیں قرآن کا کچھ حصہ یاد ہے؟ انہوں نے اثبات میں جواب دیا تو آپ ﷺ نے فرمایا میں نے قرآن کی برکت سے اس کا نکاح تمہارے ساتھ کر دیا۔

(بخاری: ۲/ ۷۷٤، ۷۷۳، باب التزویج علی القرآن و تعبیر صداق)

غربت کے باوجود نبی کریم ﷺ نے ان کا نکاح کر دیا اور یہ رشتہ آپ نے طے فرمایا تو قرآن کا علم رکھنے کی وجہ سے، اس سے ان لوگوں کو عبرت حاصل کرنی چاہیے جو دین اور قرآن کا علم رکھنے والوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور اپنی بیٹیوں کے رشتے علماء اور حفاظ کے ساتھ طے کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس کرتے ہیں، حالانکہ تجربے سے ثابت ہوا ہے کہ جو باعمل عالم ہوتے ہیں وہ جاہلوں کے مقابلے میں بیویوں کے حقوق ادا کرنے کے لیے زیادہ فکر مند ہوتے ہیں۔

نکاح صحابہ ﷺ کی نظر میں:

عرض یہ کر رہا تھا کہ غربت ایسی چیز نہیں جسے نکاح میں رکاوٹ سمجھ لیا جائے اور غربت

کی وجہ سے نکاح میں تاخیر نہیں کرنی چاہیے۔

چونکہ ہمارے آقا ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے بار بار نکاح کی اہمیت بیان فرماتے تھے اور تاخیر سے بچنے کی تلقین فرماتے تھے، اس لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے نکاح اور اپنی اولاد کے نکاح میں تاخیر نہیں کیا کرتے تھے، جونہی کوئی مناسب رشتہ سامنے آتا نکاح کر دیتے تھے، اسی طرح اگر کسی کی بیوی کا انتقال ہو جاتا یا طلاق کی وجہ سے جدائی ہو جاتی تو وہ ایک دن بھی نکاح کے بغیر رہنا پسند نہیں کرتے تھے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ اگر مجھے پتہ چل جائے کہ میری زندگی میں سے صرف ایک دن باقی ہے تو بھی میں نکاح کے بغیر رہنا پسند نہیں کروں گا۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ شدید بیمار پڑ گئے اسی بیماری میں ان کا انتقال بھی ہو گیا، انتقال سے پہلے وہ اپنے متعلقین سے کہتے تھے کہ لوگو! میرا نکاح کرا دو کیونکہ میرے آقا ﷺ نے مجھے تاکید فرمائی تھی کہ اس حال میں مجھ سے نہ ملنا کہ تمہارے نکاح میں کوئی خاتون نہ ہو۔

آقا ﷺ اور نکاح:

اپنے آقا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی سیرت دیکھ لیجئے آپ سے زیادہ تقویٰ والا، آپ سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا اور آپ سے زیادہ عبادت کرنے والا کوئی نہیں، لیکن اس کے باوجود آپ نے نکاح والی زندگی گزاری اور نکاح بھی ایک دو نہیں بلکہ گیارہ کیے، دو بیویوں کا انتقال ہو گیا جبکہ نو آخر تک زندہ رہیں، کثرتِ نکاح کی وجہ سے اسلام دشمنوں نے میرے آقا پر شہوت پرستی کا الزام لگایا ہے۔

ہم دشمنوں کے منہ تو بند نہیں کر سکتے لیکن چونکہ ان کے پروپیگنڈا کی وجہ سے بعض مسلمان بھی متاثر ہو جاتے ہیں اس لیے ان کے ذہن صاف کرنے کے لیے اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے تعدد ازواج کے محض چند پہلو آپ کے سامنے رکھ رہا ہوں۔

پہلا پہلو تو یہ کہ ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے پچیس سال کی عمر میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح کیا جو دو دفعہ کی بیوہ تھیں اور ان کی عمر آپ سے بہت زیادہ یعنی چالیس سال تھی، جب تک وہ زندہ رہیں آپ نے کسی دوسری خاتون کے ساتھ نکاح نہیں کیا، جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا ان کی عمر پینسٹھ سال اور ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر پچاس سال تھی، اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بھر پور جوانی ایسی خاتون کے ساتھ گزار دی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عمر میں تقریباً دوگنی تھی، یہی زمانہ شہوت کے زور کا زمانہ ہوتا ہے، حالانکہ آپ کے صحابہ اور صحابیات رضی اللہ عنہم اپنی نوجوان بہنیں اور بیٹیاں آپ کے نکاح میں دینا اپنے لیے سعادت سمجھتے تھے، اگر آپ اشارةً بھی فرما دیتے تو آپ کے لیے مزید نکاح کرنا کچھ بھی مشکل نہ ہوتا۔

- دوسرا پہلو یہ ملحوظ رکھیں کہ سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کے دو پہلو تھے، آپ کی زندگی کا کچھ حصہ گھر میں گزرتا تھا اور کچھ گھر سے باہر، گھر سے باہر آپ کی زندگی کے جو بھی معاملات تھے انہیں محفوظ کرنے اور امت کی طرف نقل کرنے والے ہزاروں صحابہ رضی اللہ عنہم تھے، لیکن جو خانگی اور اندرونی زندگی تھی اسے محفوظ رکھنا کسی ایک زوجہ کے بس کی بات نہ تھی اسی لیے متعدد ازواج کی ضرورت پڑی تا کہ کوئی گوشہ بھی مخفی نہ رہے، چنانچہ ایسا ہی ہوا اور ازواجِ مطہرات نے شب و روز میں پیش آنے والا ہر عمل امت کے سامنے پیش کر دیا۔

تیسرا پہلو یہ یاد رکھیں کہ آپ کے سخت ترین دشمنوں نے آپ کو شاعر، ساحر، مجنوں اور کاہن تو کہا لیکن کسی کو آپ کے کردار پر انگلی اٹھانے اور آپ کو شہوت پرست ہونے کا طعنہ دینے کی ہمت نہیں ہوئی۔

مکہ کے مشرکوں کو چھوڑ یئے، مدینہ منورہ کے یہودیوں اور منافقوں نے بھی کبھی یہ الزام عائد نہیں کیا کہ آپ معاذ اللہ شہوت پرست ہیں، وہ یہ الزام کیسے عائد کر سکتے تھے؟ جبکہ آپ کا کردار ان کے سامنے کھلی کتاب کی طرح تھا، پھر یہ بھی سوچیں کہ ایسا نہیں ہوتا کہ ایک شخص انتہائی پارسا اور پاکدامن ہو لیکن وہ یکا یک شہوت پرستی میں مبتلا ہو جائے، اگر ہمارے آقا ﷺ کی ذات میں یہ کمزوری ہوتی تو نبوت ملنے سے پہلے یا کم از کم نکاح ہونے سے پہلے کوئی ایک واقعہ تو ایسا پیش آتا جس سے ثابت ہوتا کہ آپ کو اپنے جذبات پر قابو نہیں۔

چوتھا پہلو یہ پیش نظر رکھیں کہ آپ نے جتنی عورتوں سے نکاح فرمایا سب کی عمر (دو کے سوا) چھتیس اور اکیاون سال کے درمیان تھی اور سب کے نکاح میں کوئی نہ کوئی سیاسی اور معاشرتی حکمت یا تالیف قلب وغیرہ کا اخلاقی جذبہ کارفرما تھا۔

حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی جان نثاری اور وفاداری بے مثال تھی آپ نے ان کی صاحبزادیوں کو نکاح میں قبول فرما کر ان کی عزت اور شرف میں اضافہ فرمایا۔

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے پورے خاندان کی مخالفت کے باوجود اسلام قبول کیا اور اپنے خاوند کے ساتھ ہجرتِ حبشہ فرمائی، وہاں ان کے شوہر عبید اللہ بن جحش مرتد ہو گئے مگر آپ ثابت قدم رہیں، میرے آقا ﷺ نے شرفِ زوجیت عطا فرما کر ان کی تالیف قلب فرمانے کے ساتھ ابوسفیان کے دل میں بھی اسلام کے لیے نرم گوشہ پیدا فرما دیا۔

حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا نے نہ چاہتے ہوئے بھی محض حضورِ اکرم ﷺ کے ارشاد کی تعمیل میں حضرت زید رضی اللہ عنہ کے ساتھ نکاح کر لیا، جب ان کے ساتھ نبھانہ ہوسکا اور طلاق تک نوبت پہنچ گئی تو آپ نے نکاح کی صورت میں ان کے زخمی دل کے لیے مرہم کا سامان کیا۔

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا قبیلہ بنو مصطلق سے تھیں اس قبیلے سے مسلمانوں کے تعلقات خراب تھے، جنگ کی نوبت بھی آ چکی تھی مگر نبی کریم ﷺ کے ساتھ رشتہ ہو جانے کے بعد ان کے دل نرم پڑ گئے اور وہ اسلام کے دامن میں پکے ہوئے پھل کی طرح آ گرے۔

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا قبیلہ نجد کے سردار کی بہن تھیں، یہی وہ قبیلہ ہے جس نے ستر بیگناہ مسلمانوں کو دھوکے سے شہید کیا تھا، حضورِ اکرم ﷺ کے ساتھ رشتہ داری ہو جانے کے بعد یہ قبیلہ اسلام کا وفادار بن گیا۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے ام المؤمنین بننے سے یہودیوں پر اچھے اثرات مرتب ہوئے اور بہت سے سلیم الطبع یہودی مشرف با سلام ہو گئے۔

تعددِ ازواج کی انہی مصلحتوں، حکمتوں اور ثمرات کو دیکھ کر فرانسیسی محقق ڈاکٹر گستاؤلی بان یہ لکھنے پر مجبور ہو گیا کہ

''مؤرخین یورپ کی نظر میں تعددِ ازواج گویا عمارتِ اسلامی کا بنیادی پتھر اور اشاعتِ دینِ اسلام کا بڑا سبب ہے۔''

تعددِ ازواج اور دیگر مذاہب واقوام:

پانچواں پہلو بڑا اہم ہے وہ یہ کہ تعددِ ازواج ایسا عمل نہیں ہے جس کی ابتداء حضرت محمد

رسول اللہ ﷺ سے ہوئی بلکہ دیگر قوموں اور مذاہب میں بھی ہمیں تعددِ ازواج کا ذکر ملتا ہے۔

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے مطابق مشہور ماہر لسانیات جارج مرڈاک کی رپورٹ ۱۹۴۹ء کے مطابق دنیا کی ۵۵۴ قوموں میں سے ۴۱۵ میں تعددِ ازواج کا رواج پایا جاتا ہے۔

غیر الہامی مذاہب میں سب سے زیادہ معروف ''ہندو مذہب'' ہے اس کی تاریخی اور مذہبی کتابوں میں تعددِ ازواج کا صراحۃً ذکر ہے، ہندو مذہب میں جو قابل احترام مشہور شخصیات پائی جاتی ہیں ان کی کئی کئی بیویوں کا ذکر آپ کو ملے گا بلکہ آ گنایار برہمن کے راجہ ہریش چندر کی تو سو بیویاں تھیں۔

آج بھی ہندوستان میں تعددِ ازواج پر عمل ہو رہا ہے میں نے اسی ہفتے کے اخبار میں دیکھا کہ ہندوستان میں ایک شخص کی پچاس بیویاں ہیں۔

یہودیت اور عیسائیت میں بھی تعددِ ازواج کو جائز کہا گیا ہے۔

یہودی مصنف ابراہیہ لیون'' تاریخ یہود'' میں لکھتا ہے کہ تعددِ ازواج کی یہودی مذہب میں کوئی ممانعت نہ تھی، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی چار بیویاں تھیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تین، حضرت یعقوب علیہ السلام کی چار، حضرت داؤد علیہ السلام کی دس اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی سات سو بیویوں کا ذکر تاریخ میں ملتا ہے۔

ان مستشرقین اور اسلام دشمنوں کی ہٹ دھرمی اور ضد وعناد پر حیرت ہوتی ہے جو تمام مذاہب کو چھوڑ کر صرف اسلام کو اور دوسری تمام شخصیات سے صرف نظر کر کے صرف حضرت

خاتم النبیین ﷺ کو تنقید کا نشانہ بناتے ہیں۔

تعدد کا جواز:

لیکن ہمیں ان کی تنقید کی کوئی پرواہ نہیں ہمارے لیے اللہ کی کتاب اور اپنے آقا ﷺ کا اسوۂ حسنہ اور آپ کی احادیث کافی ہیں۔

نبی کریم ﷺ کے اسوہ سے ہم تعدد کو تو ثابت کرتے ہیں لیکن چار سے زائد شادیاں کرنا آپ ہی کی خصوصیت تھی، عام مسلمانوں کو صرف چار کی اجازت ہے، سورۂ نساء میں ہے:

﴿وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَىٰ فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُم مِّنَ النِّسَاءِ مَثْنَىٰ وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ ۖ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ۚ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَلَّا تَعُولُوا﴾

ترجمہ: ''اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ تم یتیم بچیوں سے نکاح کر کے انصاف نہیں کر سکو گے تو دوسری عورتوں میں سے جو تمہیں اچھی لگیں ان سے نکاح کر لو، دو دو، تین تین اور چار چار سے، لیکن اگر تمہیں ڈر ہو کہ تم ان کے درمیان عدل نہیں کر سکو گے تو پھر ایک ہی کافی ہے یا جو تمہاری ملکیت میں ہو یہ زیادہ قریب ہے کہ تم ناانصافی اور ایک طرف مائل ہونے سے بچ جاؤ گے۔''

ایک صاحب تھے جن کا نام غیلان بن امیہ ثقفی تھا، انہوں نے جب اسلام قبول کیا تو ان کے نکاح میں دس بیویاں تھیں، حضور اکرم ﷺ نے انہیں حکم دیا:

" اختر منهن اربعا وفارق سائرهن." (بحواله تفسير قرطبي: ٥/٢٠)

ترجمہ: ''ان میں سے چار رکھ لو اور باقی کو جدا کر دو۔''

اسلام نے چار بیویوں تک رکھنے کی اجازت تو دی ہے مگر شرط یہ لگائی ہے کہ ان کے درمیان عدل وانصاف کیا جائے، جو شخص حقوقِ زوجیت ادا نہیں کر سکتا یا عدل وانصاف نہیں کر سکتا اسے ایک سے زائد نکاح کی اجازت تو کیا ہوگی ایک نکاح کی اجازت دینا بھی مشکل ہوگا۔

حکمِ عدل:

ایک حدیث میں سرورِ دوعالم ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے ایک سے زائد شادیاں کیں مگر بیویوں کے درمیان انصاف نہ کیا وہ قیامت کے دن اس حال میں اٹھے گا کہ اس کا ایک پہلو شل ہوگا۔ (ترمذی: ۱/۲۱۷، باب ما جآء فی التسویة بین الضرائر)

قرآن اور حدیث میں جس عدل کا حکم دیا گیا ہے اس سے مراد تین چیزوں میں عدل ہے:

- اضافی جیب خرچ اور تحائف میں عدل۔۔۔
- شب باشی میں عدل۔۔۔
- ضروری نان نفقہ میں عدل۔۔۔

ضروری نان نفقہ سے مراد یہ ہے کہ مناسب خوراک، لباس اور رہائش مہیا کی جائے۔

جہاں تک قلبی محبت میں عدل کا تعلق ہے تو وہ مطلوب اور واجب نہیں ہے، اس لیے کہ وہ انسان کی طاقت اور اختیار میں نہیں۔

ہمارے آقا ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اختیار دیا تھا:

﴿تُرْجِي مَن تَشَاءُ مِنْهُنَّ وَتُؤْوِي إِلَيْكَ مَن تَشَاءُ﴾

اس کے باوجود آپ اپنی ازواج میں عدل کیا کرتے تھے، یہاں تک کہ جب آپ سفر میں تشریف لے جانا چاہتے تو ازواج کے درمیان قرعہ اندازی فرماتے جس کا نام قرعہ میں نکل آتا اسے ہم سفر ہونے کا شرف بخشتے۔

ظاہری اور مادی اعتبار سے عدل کے باوجود سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی بے پناہ خصوصیات کی وجہ سے آپ کے دل میں ان کے لیے محبت زیادہ تھی اس لیے آپ اللہ سے دعا کیا کرتے تھے:

" اللّهم هذا قسمي فيما أملك، فلا تؤاخذني فيما لا أملك."

(ترمذی: ۲۱۷/۱)

ترجمہ: "اے اللہ! جہاں تک میرے اختیار میں ہے میں اپنی بیویوں میں عدل کی تقسیم کرتا ہوں، لہٰذا جو میرے اختیار میں نہیں ہے اس پر مواخذہ نہیں فرمانا۔"

یہی حکم ساری امت کے لیے ہے، مادی اعتبار سے عدل واجب ہے مگر معنوی اعتبار سے عدل واجب نہیں، اگر دل میں کسی ایک بیوی کی طرف میلان زیادہ ہو تو ہم اسے ظلم سے تعبیر نہیں کر سکتے، البتہ اضافی خرچ، شب باشی اور ضروری نان نفقہ میں جو شخص کسی ایک بیوی کے ساتھ ترجیحی سلوک کرے گا وہ یقیناً ظالم شمار ہوگا۔

بعض لوگ دوسری اور تیسری شادی کرنے میں تو قرآن کے حوالے دیتے ہیں مگر عدل اور مساوات میں قرآن اور اسوۂ رسول ﷺ کو بھول جاتے ہیں۔

مجھے چند دن پہلے فون کر کے ایک خاتون نے اپنے شوہر کے بارے میں روتے ہوئے

بتایا کہ وہ اپنی دوسری بیوی کے سامنے مجھے ذلیل بھی کرتا ہے اور مارتا پیٹتا بھی ہے، میں اس شخص کو جانتا ہوں وہ بظاہر دیندار ہے، پہلے غریب تھا اب اس کے پاس دولت کی ریل پیل ہے، غربت کے دنوں میں جو شادی کی ہوگی ■ بیوی اب نگاہوں میں جچتی نہیں ہوگی، اسے غربت، جہالت اور سادہ صورت ہونے کے طعنے دیتا ہوگا اور دوسری کے اندر کمالات ہی کمالات نظر آتے ہوں گے، اسے خوش کرنے کے لیے پہلی بیوی پر ہاتھ اٹھاتا ہوگا، دوسری شادی کرنے کے بعد اس قسم کی گھٹیا حرکتیں کرنے والے کان کھول کر سن لیں کہ وہ ظالم ہیں اور ظلم کا انجام اچھا نہیں ہوتا، روپے پیسے اور عزت وشہرت کی وجہ سے اپنی غربت کے دنوں کی ساتھی کو مت بھول جاؤ اور ہر نئی چیز کو آسمان سے اتری ہوئی مخلوق مت سمجھو ورنہ اللہ کا انتقام بڑا سخت ہے۔

دیگر دلائل:

کتاب وسنت اور تاریخ مذاہب کے علاوہ عقلی اور طبعی اعتبار سے دیکھیں تو بھی مرد کو تعدد نکاح کی اجازت ہونی چاہیے، اس پر چند دلائل پیش کیے جاسکتے ہیں:

۱۔ عورت کے مقابلے میں صحتمند مرد کے اندر شہوت زیادہ ہوتی ہے، عورت اپنی بیماری کے ماہانہ ایام اور ولادت جیسے جان لیوا مراحل سے گزرنے کی وجہ سے اس کی خواہش کو پورا نہیں کر پاتی۔

۲۔ مرد کا مزاج گرم اور عورت کا مزاج عام طور پر سرد ہوتا ہے۔

۳۔ تحقیق سے ثابت ہوا ہے کہ بیماریوں کے مقابلے میں عورت کے اندر قوتِ مدافعت زیادہ پائی جاتی ہے جس کی وجہ سے اس کی اوسط عمر مرد سے زیادہ ہوتی ہے، جب

اوسط عمر زیادہ ہوگی تو عورتوں کی تعداد بڑھتی چلی جائے گی۔

۴۔ جنگوں اور حوادث میں عام طور پر مرد ہی کام آتے ہیں جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ مرد کم ہوتے جاتے ہیں اور عورتوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔

۵۔ باری تعالیٰ سورۂ قمر میں فرماتا ہے:

﴿ إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ ﴾

ترجمہ: ''ہم نے ہر چیز کو اندازے سے پیدا کیا ہے۔''

اس آیت کو سامنے رکھ کر اعداد و شمار کے ماہرین کی جدید ترین رپورٹ کا مطالعہ کیا جائے تو انسانی عقل دنگ رہ جاتی ہے کہ اللہ اپنی ساری مخلوق کی ضروریات کیسے ناپ تول کر پوری کرتا ہے، اس رپورٹ سے ثابت ہوتا ہے کہ برطانیہ میں مردوں کے مقابلے میں عورتوں کی تعداد چالیس لاکھ، جرمنی میں پچاس لاکھ، روس میں ستر لاکھ، امریکہ میں اٹھہتر لاکھ اور پاکستان میں ایک کروڑ زیادہ ہے۔

ہندوستان واحد بدنصیب ملک ہے، جہاں مردوں کی تعداد زیادہ اور عورتوں کی تعداد کم ہے، اس کی وجہ آپ جانتے ہیں کیا ہے؟

اس کی وجہ یہ ہے کہ وہاں ہر سال دس لاکھ حمل کا اسقاط ہوتا ہے اور زیادہ تر اسقاط اس وقت کیا جاتا ہے جب الٹرا ساؤنڈ کے ذریعہ علم ہو جائے کہ حمل میں لڑکی ہے، یوں کثرتِ اسقاط کی وجہ سے لڑکیوں کی تعداد کم ہوتی جا رہی ہے جس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ ہم جنس پرستی عام ہو گئی ہے، لڑکیوں کی طرح لڑکوں کے بھی چکلے اور بازار ہیں، معصوم بچے گندے ماحول، اپنے جیب خرچ اور والدین کی غربت کی وجہ سے خرانٹ بوڑھوں اور وحشی نوجوانوں کا تختہ

مشق بنتے ہیں۔

آپ کو یہ سن کر شاید حیرت ہوگی کہ اسلام کے نام پر حاصل کیے گئے اس قطعۂ ارضی میں بھی ہم جنسی پرستی کو رواج دینے کی سرتوڑ کوشش کی جا رہی ہے، حقوقِ نسواں (جو کہ درحقیقت حقوقِ زنا ہے) کے لیے مہم چلانے والے ٹی وی چینل نے اب ہم جنس پرستی کے موضوع پر مباحثے اور مذاکرے شروع کر دیے ہیں اور ان مباحثوں میں ایسے مادر پدر آزاد لڑکوں اور لڑکیوں کو شرکت کی دعوت دی جاتی ہے جو پرزور طریقے سے اس خلافِ فطرت عمل کے حامی ہیں۔

یہ ساری خرابیاں اس وقت پیدا ہوتی ہیں جب فطرت شریعت سے بغاوت کر جاتی ہے، شریعت نے مرد اور عورت کو ایک دوسرے کے لیے پیدا کیا ہے اور لڑکیاں، لڑکوں سے زیادہ پیدا کی ہیں، پیدا کرنے والا اللہ جانتا تھا کہ بعض مردوں کو ایک سے زائد بیویوں کی ضرورت پیش آسکتی ہے، چنانچہ اس نے ایک سے زائد کی اجازت بھی دی اور پیدا بھی زیادہ ہی کیں، اب دو ہی صورتیں ہیں یا تو معاذ اللہ ہندوؤں کی طرح اسقاط کا راستہ اختیار کیا جائے اور کائنات رنگ و بو کے گلشن میں چٹکنے والی کلیوں کو مہکنے سے پہلے ہی مسل دیا جائے اور یا پھر تعددِ نکاح کی اجازت دے کر ضرورتمند مردوں کے آنگن میں دو چار پھول مہکا کر معاشرے کو بدبودار ہونے سے بچالیا جائے۔

بدبودار معاشرہ:

اگر ہم تعدد پر پابندی لگائیں گے تو معاشرہ زنا کی سڑانڈ سے بدبودار ہو جائے گا۔ مردوں سے زیادہ پیدا ہونے والی عورتیں بھی آخر اپنے سینے میں دل رکھتی ہیں، وہ پہاڑ

جیسی لمبی زندگی نکاح کے بغیر کیسے گزار سکیں گے، اگر کسی بھی وجہ سے اکیلی بیوی کے طور پر انہیں کسی نے قبول نہ کیا اور دوسری بیوی کے طور پر ہم نے کسی کے عقد میں دینا گوارا نہ کیا، تو کیا اس کے بھائی اور بھاوجیں اسے اپنے اوپر بوجھ سمجھنا شروع نہیں کر دیں گے؟

آپ تسلیم کریں یا نہ کریں، حقیقت یہ ہے کہ ایسا ہو رہا ہے، لڑکی کا رشتہ نہیں آتا یا جسے لڑکے والے بار بار دیکھ کر ٹھکرا دیتے ہیں وہ خود بھی نفسیاتی مریضہ ہو جاتی ہے اور بعض بھاوجیں اسے بوجھ بلکہ منحوس سمجھنا شروع کر دیتی ہیں۔

بے نکاحی عورتوں کے علاوہ آپ ان مردوں کی حالت پر نظر ڈالیں جو طبعی طور پر ایک سے زیادہ بیویوں کی ضرورت محسوس کرتے ہیں یا جن کی بیوی کسی بیماری وغیرہ میں مبتلا ہونے کی وجہ سے ازدواجی عمل کا حق ادا نہیں کر پاتی تو وہ کیا کریں؟ اگر ہم انہیں دوسری شادی کی اجازت نہ دیں تو دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں یا تو وہ صبر کریں...... یہ تو آپ جانتے ہیں کہ ہمارے زمانے میں صبر کرنے والے کم ہی ہوتے ہیں، دوسری صورت یہ ہے کہ وہ بیوی سے ہٹ کر دوسری عورتوں سے ناجائز تعلق قائم کریں اور آج کل یہی ہو رہا ہے، حیرت کی بات ہے کہ جائز تعلق میں تو ایک سے زیادہ عورت کو برداشت نہیں کیا جاتا مگر ناجائز تعلق جتنی عورتوں سے کوئی چاہے قائم کر لے، اس پر کوئی بیخ پا نہیں ہوتا، غیر مسلم ممالک میں آپ دیکھیں، ایک ایک مرد کتنی عورتوں کو داشتہ بناتا ہے اور کہاں کہاں اپنی شہوت کی آگ سرد کرتا ہے؟ نہ جنس کو دیکھتا ہے، نہ غیر جنس کو، نہ انسان کو نہ حیوان کو، نہ محرم کو نہ غیر محرم کو، مگر کوئی نہیں جو اس غلاظت کے خلاف آواز اٹھائے لیکن اگر انہیں پتہ چل جائے کہ کوئی اللہ کا بندہ دوسری بیوی گھر میں لانا چاہتا ہے تو پوری حکومت حرکت میں آ جاتی ہے اور میڈیا آسمان سر پر اٹھا لیتا ہے۔

فرق یہ ہے:

آپ ٹھنڈے دل سے سوچیے کہ طائفہ اور رنڈی کا مستقبل کیا ہوتا ہے؟ جب اس کی جوانی اور حسن جوبن پر ہوتا ہے، اس پر مال اور جان قربان کرنے کی باتیں کرنے والے دسیوں ہوتے ہیں لیکن جب جوانی ڈھل جاتی ہے اور حسن کی چمک دمک ماند پڑ جاتی ہے کوئی اس پر تھوکنا بھی گوارا نہیں کرتا بلکہ عین جوانی میں بھی جب دل بھر جاتا ہے یا جب جھوٹے عاشق کے سامنے محبوبہ کی دوسری کمزوریاں آ جاتی ہیں تو وہ کنارہ کشی کر لیتا ہے، میں نے اخبارات میں ایسی خبریں پڑھی ہیں کہ گھر سے بھگا کر لے جانے والے دیوانے کے دماغ سے جب شہوت کا گرد وغبار نکل گیا اور جو محبوبہ اسے کل تک خوبیوں کا پیکر دکھائی دیتی تھی اس میں اب خرابیاں ہی خرابیاں نظر آنے لگیں تو اس نے اسی چہرے پر تیزاب ڈال کر اسے مسخ کر دیا جسے وہ چاند سے بھی زیادہ حسین کہتا تھا۔

اگر بالفرض غلط تعلقات کے نتیجے میں حمل ہو جائے تو بھی عورت کو بے یارو مددگار چھوڑ کر مرد راہِ فرار اختیار کر لیتا ہے۔

میں جب جنوبی افریقہ گیا تو پتہ چلا کہ یہاں کے جوڑوں کی اکثریت بے نکاحوں کی ہے، بچے پیدا ہو جاتے ہیں مگر نکاح نہیں کرتے، جاننے والے ایک مفتی صاحب نے بتایا کہ ہمارے قریب کوارٹر میں مرد اور عورت رہتے ہیں، ان کے چار بچے ہیں، میں مرد سے کہتا ہوں اب تو نکاح کر لو، وہ کہتا ہے مجھے اس عورت پر اعتماد نہیں کہ یہ حقوقِ زوجیت ادا کر سکتی ہے۔

نکاح کی صورت میں مرد پورا ذمہ دار ہوتا ہے وہ دکھ درد میں شریک ہوتا ہے اسے بیوی

بچوں کے سارے حقوق اور اخراجات برداشت کرنے پڑتے ہیں، مگر زنا کی صورت میں کسی چیز کا ذمہ دار نہیں ہوتا اس لیے اسلام کہتا ہے کہ نکاح کرو، زنا نہ کرو، ضرورت ہو تو ایک سے زائد نکاح کرلو مگر زنا کی کسی صورت بھی اسلام اجازت نہیں دیتا۔

جب تعدد عام تھا:

جب تعدد نکاح عام تھا، نہ تو اس پر خاندانی اور معاشرتی پابندیاں تھیں اور نہ ہی اسے ناقابل معافی جرم سمجھا جاتا تھا تو حقیقت یہ ہے کہ مرد طالب ہوتے تھے اور عورت مطلوب ہوتی تھی، خود اسلام کی تعلیم بھی یہی ہے کہ مرد رشتہ تلاش کرے نہ کہ عورت ماری ماری پھرتی رہے۔ سورۂ نساء کی آیت ۲۴ میں ہے:

﴿ وَأُحِلَّ لَكُم مَّا وَرَاءَ ذَٰلِكُمْ أَن تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُم ﴾

ترجمہ: ''اور تمہارے لیے محرمات کے سوا باقی عورتیں حلال کی گئی ہیں کہ تم انہیں اپنے اموال سے تلاش کرو۔''

اگر عورت مطلقہ یا بیوہ ہوتی تھی تو بھی اس کے کئی طلبگار پیدا ہو جاتے تھے اور اس کے لیے کئی کئی رشتے آتے تھے، یہاں تک کہ بعض وعدہ لینے کا ارادہ کرتے تھے کہ عدت ختم ہونے کے بعد ہم سے رشتہ کرنا، کہیں اور نہ کر لینا، اللہ تعالیٰ نے ایسا کرنے سے منع فرمایا، سورۂ بقرہ آیت ۲۳۷ میں ہے:

﴿ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ سَتَذْكُرُونَهُنَّ وَلَٰكِن لَّا تُوَاعِدُوهُنَّ سِرًّا إِلَّا أَن تَقُولُوا قَوْلًا مَّعْرُوفًا ۚ وَلَا تَعْزِمُوا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَجَلَهُ ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي أَنفُسِكُمْ فَاحْذَرُوهُ ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ ﴾

ترجمہ: ''اللہ جانتا ہے کہ تم بیوہ ہوجانے والی عورتوں کو ضرور یاد کروگے لیکن تم ان سے پوشیدہ وعدے نہ لے لو، ہاں یہ اور بات ہے کہ تم بھلی بات بولا کرو اور جب تک عدت ختم نہ ہوجائے، عقدِ نکاح پختہ نہ کرو، جان لو کہ اللہ جانتا ہے جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اور جان لو بیشک اللہ بخشنے والا اور بردبار ہے۔''

جس معاشرے میں تعدد عام تھا وہاں کئی کئی بار ہونے والی بیوہ کے بھی رشتے آتے تھے۔

حضرت فاطمہ بنت قیس ﷞ بیوہ ہوئیں تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت معاویہ اور حضرت ابوالجہم ﷜ جیسی نامور شخصیات نے رشتے کا پیغام بھیج دیا، حضرت فاطمہ ﷞ نے نبی کریم ﷺ سے مشورہ کیا، چونکہ جس سے مشورہ کیا جائے وہ امین ہوتا ہے اور اس پر لازم ہوتا ہے کہ وہ سچ بولے، ایسے موقع پر کسی کا عیب بیان کرنے کی بھی اجازت ہے اس لیے آپ ﷺ نے فرمایا معاویہ کی طبیعت میں کنجوسی اور ابوجہم کی فطرت میں سختی پائی جاتی ہے اس لیے تم ان کے بجائے اسامہ سے رشتہ کرلو۔

آپ نے دیکھا جس معاشرے میں تعدد کی اجازت تھی وہاں مطلقہ اور بیوہ کے بھی رشتے آتے تھے پھر اہم بات یہ کہ رشتے کے امیدوار جہیز کے طلبگار نہیں ہوتے تھے، رہائش کے لیے مکان اور ضروری سامان کا انتظام وہ خود کرتے تھے۔

سعودی عرب کے بارے میں آپ نے سنا ہوگا کہ وہاں شادی اور اس کے بعد کے تمام اخراجات لڑکے والوں کے ذمہ ہوتے ہیں، لڑکا اپنی فیملی کے لیے حسبِ استطاعت رہائش کا انتظام کرتا ہے، پھر اس میں ضروری برتن، بستر، فرنیچر وغیرہ مہیا کرتا ہے اور نکاح

کے بعد بیوی کو بیچ سجائے گھر میں لاتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اگر میں نے زیادہ نخرے کیے تو یہ لڑکی کسی شادی شدہ کی بیوی بننا بھی قبول کر سکتی ہے جو اسے وہ سب کچھ دے گا جو یہ مانگے گی۔

جہاں تعدد ممنوع ہے:

لیکن ہمارا معاشرہ جہاں تعدد کو عملی طور پر ممنوع سمجھ لیا گیا ہے وہاں کیا صورتحال ہے؟

- یہاں عورت مطلوب نہیں رہی طالب بن گئی ہے، لڑکی والے رشتوں کے لیے مارے مارے پھرتے ہیں، جوانیاں ڈھل رہی ہیں مگر نکاح کی کوئی صورت نہیں بنتی، لڑکے والے پورے گھرانے سمیت ایسے نکلتے ہیں جیسے تفریح کے لیے نکلے ہوں، کہا جاتا ہے کہ ہم لڑکی دیکھنے جارہے ہیں، ان کی خوب آؤ بھگت ہوتی ہے، لڑکی والے خود اگرچہ دال چاول ہی کھاتے ہوں مگر آنے والے مہمانوں کو خوش کرنے کے لیے دستر خوان پر ہر نعمت مہیا کرتے ہیں، کھانے سے فارغ ہو کر لڑکی کو جانچا پرکھا جاتا ہے، پسند آ گئی تو بہت اچھا ورنہ دوسرا گھر، تیسرا گھر...... ہر ہفتے خوب تفریح ہوتی ہے...... بعض لوگوں کو منہ پھاڑ پھاڑ کر کہتے ہوئے سنا ہے، کتنے ہی گھر دیکھ چکے ہیں کوئی لڑکی ہی پسند نہیں آرہی، کسی کو اماں پسند نہیں کرتی، کسی کو ابا پسند نہیں کرتے، کسی کو بہنیں رجیکٹ کر دیتی ہیں، کسی کی شکل اچھی نہیں ہوتی، کسی کا گھر تنگ علاقے میں ہوتا ہے، کسی کا ابا معمولی ملازم ہوتا ہے، کسی کے بھائی اَن پڑھ ہوتے ہیں، کسی کی والدہ سادہ ہوتی ہے، کسی کی بڑی بہن مطلقہ ہوتی ہے، غرضیکہ ہزار عیب نکال لیے جاتے ہیں۔

اگر سارے خاندان کو بہو پسند آ گئی تو اب جہیز کے بارے میں ڈھیٹ بن کر پوچھا جاتا

ہے کہ کیا کچھ دیا جائے گا، اگر جہیز اتنا ہو کہ اس سے ناک اونچی ہوسکتی ہو تو حامی بھر لی جاتی ہے اور اگر ناک کٹنے کا خطرہ ہو تو معذرت کر لی جاتی ہے، لوگ کیا کہیں گے، فقیروں کے ہاں رشتہ کر لیا ہے جو کچھ دے بھی نہیں سکتے۔

- جہاں تعدد کو ممنوع سمجھ لیا جائے گا وہاں بیوہ سے رشتے کے لیے کوئی بھی تیار نہیں ہوگا، بلکہ ہوسکتا ہے کہ اس کی ساری زندگی صدقہ خیرات پر گزر جائے، میں سب کی بات نہیں کرتا لیکن ہمارے ہاں عمومی طور پر ایسا ہی ہے کہ ہر بیوہ کو خیرات کا مصرف سمجھا جاتا ہے حالانکہ بعض بیوہ مالدار بھی ہوتی ہیں مگر ذہنوں میں یہ بات بیٹھی ہوئی ہے کہ بیوہ کو زکوۃ دی جاسکتی ہے، بعض بیوہ بھی ایسی ہیں کہ وہ گھر میں پچاس پچاس تولہ سونے کے زیورات ہونے کے باوجود خاموشی سے زکوۃ لیتی رہتی ہیں، ہم نے ایسی بیوہ بھی دیکھی ہیں جو چند ماہ بلکہ چند دن ہی نکاح میں رہیں، کسی حادثے میں شوہر کا انتقال ہوگیا، چونکہ ان کے خاندان میں بیوہ کے نکاح کو معیوب سمجھا جاتا ہے اس لیے انہوں نے باقی زندگی بیوگی ہی کی حالت میں گزار دی، جھوٹی رسموں کو اپنی معاشرت کا حصہ سمجھنے والے کبھی جوانی میں ہو جانے والی اس بیوہ کا حال تو پوچھیں جو نوکرانی بن کر رہنے اور بھاوجوں کی یا نندوں کی کڑوی کسیلی باتیں سننے پر مجبور ہو جاتی ہیں۔

- جہاں عملی طور پر تعدد کو حرام سمجھ لیا جائے وہاں لاکھوں جوانیاں نکاح کے بغیر ہی ڈھل جاتی ہیں۔

میں بار بار "عملی طور پر" کے الفاظ اس لیے استعمال کر رہا ہوں کیونکہ زبان سے تو کوئی مسلمان بھی تعدد کو حرام کہنے کی جرات نہیں کر سکتا، البتہ ان کے عمل اور ان کے رویے سے لگتا

ہے کہ وہ اسے جائز نہیں سمجھتے۔

ایک ساتھی نے بڑا عبرت آموز قصہ سنایا، انہیں ایک ایسے معمر بزرگ نے سنایا جن کی جوانی امریکہ میں گزری، خود بھی نیک سیرت تھے اور خاندان بھی بڑا نیک نام تھا، امریکہ میں وہ کسی بڑی فرم میں ملازم تھے ان کی سیکرٹری امریکن لڑکی تھی، یہ حسب ضابطہ اس سے دفتری کام تو لیتے تھے مگر اس سے کسی قسم کے مراسم نہیں رکھتے تھے، لڑکی کے لیے یہ صورت ناقابل برداشت تھی وہ جس ماحول میں پلی بڑھی تھی اس ماحول میں باس اپنی سیکرٹری سے خاصے بے تکلف ہوتے ہیں، اس کے پہلے باس بھی ایسے ہی تھے، آخر ایک دن تنگ آ کر وہ ان سے پوچھنے پر مجبور ہوگئی کہ تم نامرد ہو یا میں بدصورت ہوں، انہوں نے جواب دیا دونوں باتیں صحیح نہیں، اللہ نے مجھے مردانگی عطا کی ہے اور تمہیں حسن سے نوازا ہے، اس نے کہا پھر کیا وجہ ہے کہ تم میری جوانی سے فائدہ نہیں اٹھاتے، انہوں نے کہا میں مسلمان ہوں۔ اس نے کہا میں نے بہت مسلمان دیکھے ہیں، ان کا کردار بھی دیکھا ہے، وہ تو یہاں کے گوروں سے بھی زیادہ شہوت پرست ہوتے ہیں، عورتوں پر سب کچھ لٹاتے پھرتے ہیں، مال بھی اور جوانی بھی۔ انہوں نے جواب دیا کہ وہ گفتار کے مسلمان ہیں میں کردار کا مسلمان ہوں، وہ خاموش ہوگئی، اپنے نئے باس کے کردار کی مضبوطی نے اسے بڑا متاثر کیا، اس نے اسلام کے مطالعہ کی خواہش ظاہر کی، میں نے اسے بتایا کہ میں پہلے سے شادی شدہ ہوں اس نے اسے قرآن کریم اور چند دوسری کتابیں دیں، مطالعہ کے بعد اس نے اسلام قبول کر لیا اور اپنے باس سے کہا کہ مجھے اپنے عقدِ نکاح میں قبول کر لیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ قرآن تو چار تک کی اجازت دیتا ہے، یہ سوچ میں پڑ گئے، جانتے تھے کہ دوسری بیوی کا مطلب پہلی

بیوی اور پورے خاندان کو ناراض کرتا ہے اور انہیں ناراض کرنے کی یہ اپنے اندر ہمت نہیں پاتے تھے اس لیے اسے پوری صورتحال بتاتے ہوئے کھلے لفظوں میں کہہ دیا کہ میں سب کو ناراض نہیں کرسکتا، اس نے کہا کہ آپ تو کہتے تھے کہ میں کردار کا مسلمان ہوں، ظاہر ہے سوائے ندامت اور خجالت کے ان کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔

تو بھائی! زبانی کلامی تو ہر مسلمان ہی اسے جائز کہتا ہے مگر عملی طور پر اکثر مسلمان اسے انتہائی غلط عمل سمجھتے ہیں اور ایسا کرنے والے کے کردار کو بھی شک کی نظر سے دیکھتے ہیں۔

غلط تاویل:

اور بعض ایسے ہوشیار بھی ہیں جو قرآن کریم ہی سے تعدد کو غلط ثابت کرنا چاہتے ہیں اپنے استدلال کے لیے صغریٰ کبریٰ ملا کر نتیجہ نکالنے کی کوشش کرتے ہیں، ان کی گفتگو کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ دیکھو بھائی سورۂ نساء کی آیت ۳ میں اللہ کہتا ہے کہ اگر تمہیں ڈر ہو کہ تم عدل نہیں کرسکو گے تو پھر ایک بیوی پر ہی اکتفاء کرو اور دوسری طرف سورہ نساء ہی کی آیت ۱۲۹ میں اللہ فرماتا ہے "تم کبھی بھی اپنی بیویوں میں پوری طرح عدل نہیں کرسکتے اگرچہ تم اس کی کتنی ہی خواہش اور کوشش کرلو۔"

تو جب خواہش اور کوشش کے باوجود عدل ہو ہی نہیں سکتا تو ایک سے زیادہ شادی کی اجازت بھی نہیں دی جاسکتی، لیکن یہ استدلال انتہائی بودا اور کمزور ہے اس لیے کہ تمام مفسرین اور علماء نے لکھا ہے کہ سورۂ نساء کی آیت ۳ جس میں عدل کا ذکر ہے، اس سے مراد مادی اعتبار سے عدل ہے یعنی اضافی جیب خرچ، شب باشی اور بنیادی اخراجات میں عدل اور آیت ۱۲۹ میں جس عدل کی نفی ہے اس سے مراد قلبی میلان کے اعتبار سے عدل ہے

اور یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ دل پر اختیار نہ ہونے کی وجہ سے دلی محبت میں عدل ہو بھی نہیں سکتا اور اس پر کوئی مواخذہ بھی نہیں، اس لیے کہ مواخذہ صرف ایسے عمل پر ہوتا ہے جو انسان کے اختیار میں ہو، سورۂ بقرہ کی آیت ۲۸۶ میں ہے:

﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ انسان کو صرف ایسے عمل کا مکلف بناتا ہے جو اس کے اختیار میں ہو۔''

بدترین استہزاء:

وہ لوگ جو متعدد بیویوں میں عدل نہیں کر سکتے یا جن کا عدل کا ارادہ ہی نہیں ہوتا بلکہ پہلی بیوی کو تنگ کرنا یا اسے بلیک میل کرنا مقصد ہوتا ہے ان کے لیے دوسری شادی کرنا جائز نہیں ہے۔

گزشتہ دنوں اخبار میں ایک خاتون کا خط شائع ہوا جس میں اس نے مفتی صاحب سے مسئلہ پوچھا تھا، اس کا کہنا تھا کہ انٹرنیٹ پر بیہودہ پروگرام دیکھنے کی وجہ سے میرے شوہر کے دماغ میں خناس گھس گیا ہے اور وہ مجھ سے خلافِ فطرت طریقے سے اپنی خواہش پوری کرنا چاہتا ہے، میں اسے منع کرتی ہوں تو وہ مجھے دھمکی دیتا ہے کہ جانتی ہو شریعت نے مجھے چار شادیوں کی اجازت دی ہے، اگر تم بات نہیں مانو گی تو میں دوسری شادی کرلوں گا۔

اندازہ لگایئے! کیسے گھٹیا مقصد کے لیے وہ شریعت کا حوالہ دے رہا ہے، اس شخص جیسے جتنے بھی شوہر ہیں جو اپنی بیویوں کو خلافِ شریعت کاموں پر مجبور کرتے ہیں اور اگر وہ آمادہ نہ ہوں تو انہیں دوسری شادی کی دھمکی دیتے ہیں وہ شریعت کے ساتھ نہ صرف بدترین استہزاء کرتے ہیں بلکہ اسلام کے روشن احکام کو بدنام کرنے کا ذریعہ بھی بنتے ہیں، وہ نہیں جانتے

کہ ان کی غلط حرکتوں کی وجہ سے کتنے ذہنوں پر غلط اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

ضروری وضاحت:

یہاں میں یہ وضاحت کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ تعدد فرض یا واجب نہیں ہے بلکہ صرف جائز یا زیادہ سے زیادہ مستحب ہے، اگر کوئی شخص اپنے خاندانی اور گھریلو حالات کی وجہ سے سمجھتا ہے کہ دوسرا نکاح کرنے کی وجہ سے مجھے بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے یا گھر کی تنگی کی وجہ سے تو تکار اور جنگ و جدل کا سلسلہ شروع ہو سکتا ہے تو اسے اپنے بارے میں سوچ سمجھ کر مشورہ کرنا چاہیے ایسا نہ ہو کہ مخالفت اور مشکلات سے گھبرا کر پہلی یا دوسری بیوی کو طلاق دے دے۔ ہم نے ایسے واقعات بھی دیکھے ہیں کہ پہلے جوش میں آ کر دوسری شادی کر لی، عہد و پیمان بھی کر لیے لیکن جب حالات کا دباؤ دیکھا تو طلاق دیدی۔ پہلے خوب جائزہ لے لیجئے کہ میں اپنی بات پر قائم رہ سکتا ہوں یا نہیں رہ سکتا، اس کے بعد کوئی فیصلہ کیجئے، جلد بازی میں کوئی قدم نہ اٹھایئے۔

حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہٗ نے بھی دو شادیاں کی تھیں مگر وہ دوسروں کو ایک ہی پر اکتفاء کا مشورہ دیا کرتے تھے، یونہی ہم نے اپنے بعض احباب کو دوسری شادی کے بعد پچھتاتے ہوئے دیکھا ہے۔

ایک اہم سوال:

ایک سوال یہ بھی اٹھایا جاتا ہے کہ مرد کو تو زیادہ شادیوں کی اجازت ہے عورت کو اجازت کیوں نہیں اور یہ سوال تعدد کے منکرین کی طرف سے بھی اٹھایا جاتا ہے۔

اہل علم نے اس سوال کے مختلف جوابات دیئے ہیں:

- تجربات اور حقائق سے یہ بات پایۂ ثبوت تک پہنچ چکی ہے کہ عورت کے مقابلے میں مرد میں جنسی خواہش زیادہ ہوتی ہے۔
- زچگی کے دنوں میں بھی اور ہر مہینے بھی عورت کو مختلف مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے جس کی وجہ سے ایک ہی شوہر کی خواہش پورا کرنا اس کے لیے مشکل ہوتا ہے چہ جائیکہ وہ بیک وقت کئی مردوں کی خواہش پوری کر سکے، آپ سوچیے اگر اسے دو شوہروں میں سے ہر ایک اپنی طرف بلا رہا ہو تو وہ کس کی دعوت قبول کرے گی اور کس کی دعوت مسترد کرے گی۔
- اگر عورت کے ساتھ ایک سے زائد مرد تعلق رکھیں تو جدید میڈیکل کہتی ہے کہ عورت خود بھی بیمار ہو سکتی ہے اور بیماریاں پھیلانے کا ذریعہ بھی بن سکتی ہے، چنانچہ ایڈز جیسی مہلک بیماری کے پھیلنے کا سبب یہی بیان کیا جاتا ہے۔
- جو بچے پیدا ہوں گے ان کا نسب مجہول ہوگا جبکہ اسلام میں نسب کی حفاظت پر بڑا زور دیا جاتا ہے، وہ غیر مسلم ممالک جہاں زنا عام ہے وہاں کسی ملک میں ٪ ۳۰ کسی ملک میں ٪ ۵۰ اور کسی ملک میں ٪ ۸۰ بچے ایسے ہیں جن کے نسب کا کوئی پتہ نہیں ہوتا، ولدیت کے خانے میں باپ کے بجائے ماں کا نام لکھا جاتا ہے، یہ چیز ان کے ہاں معیوب نہیں ہے مگر اسلام میں سخت معیوب ہے۔
- سو باتوں کی ایک بات یہ ہے کہ ہمارا دین عورت کو اس کی اجازت نہیں دیتا اور بات یہ ہے کہ کسی حکم کی حکمت ہماری سمجھ میں آئے یا نہ آئے جب اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ منع کر دیں تو ہم اس کام کو حرام سمجھیں گے خواہ ساری دنیا حلال سمجھتی رہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں شریعت کے احکام سمجھنے اور انہیں عملی زندگی میں نافذ کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

وآخر دعوانا أن الحمد للّٰہ رب العالمین

رشتے کیوں ٹوٹتے ہیں؟

اَلحمدللہ وحدہ والصّلوۃ والسّلام علی من لا نبی بعدہ، أما بعد!

فأعوذ باللّٰہ من الشیطن الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ

(سورۃ الروم: ۲۱)

میرے بزرگو، دوستو اور قابل احترام بیٹیو اور بہنو! آج کے درس کا موضوع ہے:

''رشتے کیوں ٹوٹتے ہیں؟''

اللہ پاک کے انعامات میں سے ایک انعام یہ بھی ہے کہ اللہ پاک نے مختلف رشتے بنائے ہیں۔ باپ کا رشتہ، بھائی کا رشتہ، بہن کا رشتہ، پھوپھی کا رشتہ، ماموں کا رشتہ، خالہ کا رشتہ، پھر میاں بیوی کا رشتہ، یہ سارے رشتے اللہ پاک کی نعمت ہیں۔

ذرا تھوڑی دیر کے لئے سوچیں! اگر یہ رشتے نہ ہوتے تو کیا ہوتا؟ یا اگر کوئی شخص ان رشتوں سے محروم ہے تو اس کی زندگی کیسے گزرتی ہے؟ بیٹے اور بیٹیاں ہیں...... لیکن ماں، باپ نہیں ہیں...... شوہر اور بیوی ہیں...... اولاد نہیں ہے...... بہن ہے، بھائی نہیں ہے۔

تو رشتے نہ ہونے سے خلاء محسوس ہوتا ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں رشتوں کی نعمت کا خاص طور سے ذکر فرمایا ہے، سورۃ النساء میں ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ﴾

(سورة النساء: ۱)

ترجمہ: ''اے لوگو: ڈرو اس رب سے جس نے تمہیں پیدا کیا ایک نفس سے، پھر اسی نفس سے اس کے جوڑے کو پیدا کیا، اسی سے مردوں اور عورتوں کو پھیلا دیا اور اُس اللہ سے ڈرو جس کے نام پر تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو۔''

بعض اوقات رشتوں کے نام پر سوال کیا جاتا ہے:

انسان بعض اوقات رشتوں کے نام پر سوال کرتا ہے، آپ جانتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کی داڑھی غصہ میں پکڑ لی تھی اور داڑھی اس لئے پکڑی تھی کہ جب وہ کوہِ طور پر تورات لینے کے لئے گئے تو ان کے جانے کے بعد قوم بتوں کی پجاری ہوگئی، موسیٰ علیہ السلام توحید کے معاملہ میں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کے معاملہ میں بہت سخت تھے، دیکھا کہ قوم بچھڑے کی عبادت کر رہی ہے، خیال ہوا کہ میرے بھائی نے ان کو شرک سے روکنے اور توحید کی دعوت دینے میں کچھ کمزوری دکھائی ہے تو بھائی کی داڑھی پکڑ لی، اس پر حضرت ہارون نے جو کچھ کہا تھا، قرآن اس کو نقل کرتا ہے۔

﴿قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَأْخُذْ بِلِحْيَتِي وَلَا بِرَأْسِي﴾ (سورة طه: ٩٤)

اے میری ماں کے بیٹے! ماں کا رشتہ یاد دلا رہے ہیں، اے میری ماں کے بیٹے! میری داڑھی نہ پکڑو، میرا سر نہ پکڑو، میں نے کوئی کوتاہی نہیں کی، میں نے دعوت کا، سمجھانے کا حق ادا کیا ہے۔ اللہ کا نبی رشتے کی یاددہانی کرا رہا ہے، اے موسیٰ میں اسی ماں کا بیٹا ہوں جس

ماں کے بیٹے تم ہو، میرے ساتھ ایسی سختی نہ کرو۔

خود نبی اکرم ﷺ نے قریش کو بعض مواقع پر رشتے یاد دلائے۔ اس لئے کہ قریش دشمنی میں حد سے آگے بڑھ گئے تھے۔ کسی نے کہا ہے کہ "عقل مند دشمن بے وقوف دوست سے بہتر ہوتا ہے" دشمنی کے بھی کچھ اصول ہوتے ہیں، کچھ حدود ہوتی ہیں غیرت والا...... شرافت والا...... مروت والا...... انسانیت کی قدریں سمجھنے والا دشمن ان چیزوں کی رعایت رکھتا ہے، لیکن جو دشمن کمینہ ہو، جانوروں والی صفات رکھتا ہو، وہ ان چیزوں کی رعایت نہیں کرتا۔ قریش کچھ ایسے ہی دشمن بن گئے تھے، اس لیے نبی اکرم ﷺ نے ان سے فرمایا: اگر تم کسی چیز کا خیال نہیں کرتے تو کم از کم میری جو تمہارے ساتھ رشتہ داری ہے، اس کا ہی خیال کرو کیونکہ عربوں کے اندر یہ خصلت تھی کہ وہ رشتوں کا لحاظ رکھتے تھے۔

﴿قُل لَّآ أَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا ٱلْمَوَدَّةَ فِى ٱلْقُرْبَىٰ﴾

رشتہ داری غم کو ہلکا کر دیتی ہے:

تو بتا رہا ہوں کہ رشتے اللہ پاک کی نعمت ہیں۔

آپ خود محسوس کریں جس کے رشتے نہیں وہ جنگل میں خزاں زدہ پتا ہے، ہوا جدھر چاہے اڑا کر لے جائے۔

زخم لگ جائے تو کوئی مرہم رکھنے والا نہیں.....

بیمار ہو جائے تو کوئی عیادت کرنے والا نہیں.....

دل ٹوٹ جائے تو کوئی جوڑنے والا نہیں.....

مصیبت پہنچے تو کوئی راحت پہنچانے والا نہیں.....

غم آئے تو کوئی ہنسانے والا نہیں......

حادثہ ہو جائے تو کوئی ساتھ دینے والا نہیں......

لیکن جہاں رشتے ہوتے ہیں وہاں رشتہ دار ایک دوسرے کے غم کو بانٹ لیتے ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے رشتوں کے لحاظ کا حکم دیا ہے اور ہمارا خیال تو یہ ہے (ہوسکتا ہے کہ ہمارا علم کم ہو) رشتوں کی جتنی اہمیت قرآن نے اور ہمارے پیارے نبی ﷺ نے اپنی احادیث میں بیان کی ہے، شاید اس انداز میں کسی اور نبی نے، کسی لیڈر نے، کسی مصلح نے، کسی کتاب نے بیان نہ کی ہو۔

صلہ رحمی کی اہمیت:

عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن الله خلق الخلق حتى إذا فرغ منهم. قامت الرحم، فقالت: هذا مقام العائذ من القطيعة قال: نعم اما ترضين ان اصل من وصلك، واقطع من قطعك قالت: بلى، قال: فذاك لك، ثم قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: اقرؤا ان شئتم ﴿فهل عسيتم إن توليتم أن تفسدوا فى الأرض وتقطعوا أرحامكم O أولئك الذين لعنهم الله فأصمهم وأعمىٰ أبصٰرهم﴾

وفى روا ية عائشة رضي اللّٰه عنها: الرحم معلّقه بالعرش تقول: من وصلني وصله اللّٰه ومن قطعني قطعه اللّٰه.

(مسلم، باب صلة الرحمن وتحريم قطيعتها: ٣١٥/٢)

حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے

جب مخلوق کو پیدا کیا تو قرابت کھڑی ہوگئی، رشتہ کھڑا ہو گیا۔

اب کوئی یہ سوچے کہ قرابت کیسے کھڑی ہوئی؟ رشتہ کیسے کھڑا ہوا؟ یہ بات ایسی ہے کہ ہماری سمجھ میں آنے والی نہیں، ہوسکتا ہے اللہ کے نبی نے مثال کے طور پر ایک بات کو سمجھانے کی کوشش کی ہو۔

روایت میں آتا ہے کہ قرابت عرش کا پایہ پکڑ کر کھڑی ہوگئی اور عرض کیا کہ اے اللہ! میں اپنے حقوق کے پامال ہونے سے پناہ مانگتی ہوں، مجھے ڈر ہے کہ دنیا میں کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو میرے حقوق پامال کریں گے، رشتوں کا لحاظ نہیں کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ جو تمہارے حقوق ضائع کرے گا میں اسے ضائع کردوں گا؟ قرابت نے کہا کہ میں اس پر راضی ہوں۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں اعلان کرتا ہوں کہ جو شخص قرابت کے حقوق کا خیال کرے گا میں اس کے ساتھ اچھا سلوک کروں گا، جو قرابت کے حقوق کا خیال نہیں کرے گا تو اس کے ساتھ میرا سلوک بھی اچھا نہ ہوگا۔ نبی اکرم ﷺ نے یہ ارشاد فرمانے کے بعد سورۂ محمد کی یہ آیات پڑھیں۔

﴿فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِن تَوَلَّيْتُمْ أَن تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ﴾

(سورۂ محمد: ۲۲)

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہوسکتا ہے تم اعراض کرو اور زمین پر فساد پھیلاؤ اور رشتوں کو پامال کرو، اگر ایسا کیا تو یاد رکھو:

﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فَأَصَمَّهُمْ وَأَعْمَىٰ أَبْصَارَهُمْ﴾

(سورۂ محمد: ۲۳)

یہ لوگ جو رشتوں کو توڑتے ہیں......

یہ لوگ جو زمین میں فساد کرتے ہیں......

یہ لوگ جو اللہ کی تعلیمات سے اعراض کرتے ہیں......

ان پر اللہ کی لعنت ہے، اللہ نے ان کو بہرا کر دیا، ان کو اندھا کر دیا۔

بتلایئے! اس سے بڑھ کر رشتوں کی اہمیت بیان کرنے کا کوئی پیرایہ بیان یا اسلوب ہو سکتا ہے؟ اللہ کے نبی نے فرمایا کہ اللہ نے قرابت اور رشتہ داری کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ جو تمہیں ملائے گا میں اس سے اپنا تعلق جوڑوں گا اور جو تمہیں توڑے گا میں اس سے اپنا تعلق توڑ لوں گا۔

صلہ رحمی، رزق اور عمر میں برکت کا سبب ہے:

صلہ رحمی اور رشتہ داروں سے تعلق جوڑنے کی اہمیت بیان کرتے ہوئے سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

" من احب ان يبسط له في رزقه و ينسأله في اثره فليصل رحمه. "

(صحيح بخاري باب من بسط له في الرزق لصلة الرحم: ٢/ ٨٨٠)

جو شخص یہ چاہتا ہو، جس کو یہ بات پسند ہو کہ اس کے رزق میں وسعت ہو اور اس کی عمر لمبی ہو اس میں برکت ہو، اس کو چاہیے کہ وہ صلہ رحمی کرے، رشتہ داروں کے حقوق ادا کرے، قرابت کا پاس کرے اور میں یہ حقیقت بتلاتا ہوں کہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ جو صلہ رحمی کرنے والے ہیں، غریب رشتہ داروں کا خیال رکھنے والے ہیں، خواہ وہ افراد ہوں یا قومیں اور خاندان، اللہ نے ان کی روزی میں وسعت دی اور انکی عمر میں برکت

دی۔

صلہ رحمی پر جلدی اجر و ثواب ملنا:

ایک دوسری حدیث میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

" اسرع الخير ثواباً البر وصلة الرحم. "

(ابن ماجه، باب البغي: صـ ۳۱۰)

یعنی وہ اچھا عمل اور نیکی جس پر اللہ تعالیٰ جلدی اجر و ثواب عطا فرماتے ہیں وہ صلہ رحمی ہے......رشتوں کا لحاظ کرنا ہے......قرابت کا خیال کرنا ہے......رشتہ داروں کے حقوق ادا کرنا ہے۔

یوں تو ہر نیک اور اچھے عمل پر اللہ کی طرف سے اجر و ثواب کا وعدہ ہے لیکن صلہ رحمی اور رشتہ داری کا خیال رکھنا اور اس کے حقوق ادا کرنا، یہ ایسا نیک عمل ہے جس کا بدلہ اللہ تعالیٰ دنیا ہی میں عطا فرما دیتے ہیں۔

صلہ رحمی کرنا نفلی عبادت سے افضل ہے:

رشتوں کو باقی رکھنے کی اہمیت بیان کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

" الا اخبركم بافضل من درجة الصيام والصلوة والصدقة ؟ قالوا بلىٰ يا رسول الله ! قال: اصلاح ذات البين وفساد ذات البين الحالقة. "

(رواه ابو داؤد، باب إصلاح ذات البين: ۲/۳۲۵)

کیا میں تمہیں ایسی چیز نہ بتاؤں جو نماز سے بھی افضل ہے، روزے سے بھی افضل ہے اور صدقے سے بھی افضل ہے؟

یہ حضور ﷺ کا انداز تھا بات سمجھانے کے لئے تاکہ لوگ متوجہ ہو جائیں اور بات کو غور سے سنیں، حضور ﷺ کو سمجھانے کا سلیقہ آتا تھا، سیدھی سادھی بات ہوتی تھی لیکن دل میں اتر جاتی تھی۔

تو حضور ﷺ نے سوال کیا کہ کیا میں تمہیں ایسی چیز نہ بتاؤں جو نماز سے بھی افضل ہے، روزے سے بھی افضل ہے، صدقے سے بھی افضل ہے؟

ایک وضاحت:

یہاں یہ بات بھی جان لیجئے کہ جہاں بھی اس طرح کی بات آتی ہے کہ فلاں عمل نماز سے بھی افضل ہے، روزے سے بھی افضل ہے، صدقے سے بھی افضل ہے، اس سے نفلی نماز، نفلی روزہ، نفلی صدقہ مراد ہوتا ہے۔ وگرنہ فرض تو بہر حال سب سے بہتر ہے۔ تو یہاں بھی یہی مقصد تھا کہ میں تمہیں ایسی عبادت نہ بتلاؤں؟

جو نفلی نماز سے بھی افضل ہے؟

نفلی روزے سے بھی افضل ہے؟

نفلی صدقے سے بھی افضل ہے؟

صحابہ کرام ﷡ نے عرض کیا یا رسول اللہ! ضرور بتلایئے ...... صحابہ کرام ﷡ تو حریص تھے......

نیکی کے حریص......

جنت کے حریص......

اللہ تعالیٰ کی رضا کے حریص......

مغفرت کے حریص......

نجات کے حریص......

جیسے ہم دنیا کے حریص ہیں، صحابہ کرام ﷺ دین کے حریص تھے، جیسے ہم روپے پیسے کے حریص ہیں، وہ جنت کے حریص تھے، وہ سمجھدار تھے، عقلمند تھے۔

عرض کیا یارسول اللہ ضرور بتلایئے، حضور ﷺ نے فرمایا:

" اصلاح ذات البين."

یعنی آپس کے تعلقات اور رشتوں کو درست رکھنا، یہ نفلی نماز سے بھی افضل ہے...... یہ نفلی روزے سے بھی افضل ہے...... یہ نفلی صدقے سے بھی افضل ہے......

رسول اللہ ﷺ نے اس کے مقابلہ میں فرمایا:

" وفساد ذات البين الحالقة." (صحيح ابن حبان : ٤٩٩٥)

اور آپس کے تعلقات کو خراب کرنا یہ مونڈ دینے والی چیز ہے۔ یہ سر کو مونڈ دینے والی نہیں بلکہ دین کو مونڈ دینے والی چیز ہے۔

میرے دیندار بھائیو اور بہنو، نمازیو، حاجیو اور صدقہ کرنے والو! اللہ پاک آپ کو اور زیادہ عبادت کرنے کی توفیق عطا فرمائے، لیکن آقائے نامدار ﷺ فرمارہے ہیں کہ آپس کے رشتوں کو درست رکھنا، ایک دوسرے کے حقوق ادا کرنا، آپس کے تعلقات کو باقی رکھنا، نفلی نمازوں، نفلی روزوں اور نفلی صدقہ وخیرات سے بھی زیادہ افضل ہے اور تعلقات کو توڑنا دین کو مونڈ دینے والی چیز ہے۔ آج ہم شراب کو گناہ سمجھتے ہیں، ہم زنا کو گناہ سمجھتے ہیں، بدنظری کو گناہ سمجھتے ہیں اور گناہ سمجھنا بھی چاہیے کیونکہ یہ بہت بڑے گناہ ہیں لیکن آپس کے

لڑائی جھگڑوں اور تعلقات کے توڑنے کو گناہ نہیں سمجھتے۔

کیا دینداری صرف یہی ہے؟

جب ہم یہ کہتے ہیں کہ فلاں بڑا دیندار ہے، بڑا نیک ہے، تو مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ نماز بہت پڑھتا ہے، لہٰذا دیندار ہے، چہرہ پر سنت رسول ہے...... دیندار ہے...... ہاتھ میں تسبیح ہے...... دیندار ہے...... سہ روزہ لگاتا ہے...... دیندار ہے، عشرہ، چلہ لگاتا ہے، دینی اور جہادی جماعت کے ساتھ اس کا تعلق ہے...... لہٰذا دیندار ہے۔

لیکن کیا رشتہ داروں کے حقوق ادا کرتا ہے؟ اس کے اخلاق بھی اچھے ہیں؟ وہ تعلقات کو توڑنے والا تو نہیں ہے؟ وہ فساد اور لڑائی جھگڑے کرنے والا تو نہیں ہے؟ اس کی طرف ہماری توجہ نہیں جاتی۔

جنت کے وسط میں محل کی ضمانت:

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

"انا زعيم ببيت في ربض الجنة لمن ترك المراء وهو محق."

(مجمع الزوائد رقم الحديث: ١/ ٧٠٨_ ٣٩٠، سنن ابی داوٗد: ٢/ ٣١٣ باب في حسن الخلق)

یعنی میں جنت کے درمیان میں محل کی ضمانت دیتا ہوں...... آپ دیکھیں اگر کوئی کہے کہ کراچی شہر کے وسط میں بنگلہ کی ضمانت دیتا ہوں...... ایک تو ہے کہ دور دراز گوٹھ میں مکان کی ضمانت دی، یہ کوئی بڑی بات نہیں۔ لیکن شہر کے وسط میں ہو تو اس کی زیادہ وقعت ہو گی۔ لیکن جنت کے مقابلہ میں کراچی کی کیا حیثیت ہے؟ لندن کی کیا حیثیت ہے؟

نیویارک کی کیا حیثیت ہے؟ رب کعبہ کی قسم! کروڑوں لندن اور نیویارک ایک طرف اور جنت کے ایک گوشہ کی جگہ ایک طرف۔

جنت کا ایک قطعہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہے:

اللہ کے نبی ﷺ نے ایک جگہ فرمایا:

" موضع سوط في الجنة خير من الدنيا و ما فيها. "

(بخاري: كتاب الرقاق، باب مثل الدنيا في الآخرة: ٩٤٩/٢)

جنت کا ایک ٹکڑا دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ ساری دنیا اور دنیا کی نعمتیں ایک طرف اور جنت میں ایک گوشہ کی جگہ ایک طرف۔

اللہ! ہم تو بڑے گنہگار ہیں، واللہ میرا جذبہ ہے کہ اے اللہ! بس مجھے تو جہنم کی آگ سے بچالینا اور جنت میں نیکوں کی جوتیوں میں جگہ دے دینا اگر ایسا ہو گیا تو میں سمجھوں گا کہ میں کامیاب ہو گیا۔

لیکن اللہ کے نبی ﷺ فرما رہے ہیں کہ میں جنت کے وسط میں جگہ کی ضمانت دیتا ہوں اس شخص کو جو حق پر ہوتے ہوئے لڑائی جھگڑے کو چھوڑ دیتا ہے۔

رشتہ داروں میں لڑائی جھگڑے ہو جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے مزاج مختلف بنائے ہیں، ہر ایک کا مزاج کا مختلف ہے......

شوہر کا مزاج مختلف......

بیوی کا مزاج مختلف......

بیٹوں کا مزاج مختلف......

بیٹیوں کا مزاج مختلف......

لہٰذا نا اتفاقی ہو سکتی ہے، لڑائی ہو سکتی ہے، اختلاف ہو سکتا ہے۔ لیکن آپ ﷺ نے فرمایا کہ حق پر ہوتے ہوئے جو شخص لڑائی جھگڑے کو چھوڑ دے گا، میں اس کو جنت کے وسط میں محل کی ضمانت دیتا ہوں۔

جھوٹ بہت بڑی لعنت ہے:

کون نہیں جانتا کہ جھوٹ بولنا کتنی بڑی لعنت ہے، ایک حدیث میں ہے۔

فقیل له ای رسول الله صلی الله علیه وسلم: " ایکون المومن کذاباً؟

قال: لا: " (مشکوة باب حفظ اللسان والغیبة والشتم: ۲/٤١٤)

یعنی آپ ﷺ نے فرمایا کہ مسلمان سب کچھ ہو سکتا لیکن جھوٹا نہیں ہو سکتا۔

ہائے اللہ! ایک وقت تھا جب یہ کہا جا سکتا تھا کہ مسلمان سب کچھ ہو سکتا ہے مگر جھوٹا نہیں ہو سکتا، آج وہ وقت نہیں، آج تو مسلمانوں نے جھوٹ بولنا شعار بنالیا ہے۔ دکان پر جھوٹ...... گھر پر جھوٹ...... فیکٹری میں جھوٹ...... سیاست میں جھوٹ...... محلوں میں جھوٹ...... سرکاری محفلوں میں جھوٹ...... جھوٹ ہی جھوٹ ہے۔

صلح کے وقت ذو معنی لفظ بولنا جائز ہے:

اتنا بڑا گناہ ہونے کے باوجود صلح کروانے کے لئے جھوٹ بولنے کی اجازت دی گئی ہے۔

حدیث میں ہے:

" لیس الکذاب الذی یصلح بین الناس ویقول خیراً وینمی خیراً. "

(رواه مسلم باب تحریم الکذب وبیان ما یباح منه: ۲/ ۳۲۵)

یعنی جو شخص میاں بیوی کے درمیان صلح کرانے کے لئے جھوٹ بولتا ہے تو اللہ کے ہاں اسے جھوٹا نہیں لکھا جائے گا۔

علماء کہتے ہیں کہ اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ ایسے الفاظ بولے جو ذو معنی ہوں، سننے والے مطلب کچھ اور سمجھیں اور بولنے والے کے دل میں مطلب کچھ اور ہو۔

(شرح نووی علی مسلم: ۲/ ۳۲۵)

آپ کو یاد ہوگا کہ جب نبی اکرم ﷺ مکہ سے مدینہ ہجرت فرما رہے تھے اور آپ کا تعاقب ہو رہا تھا اور آپ کو گرفتار کرنے والے کے لئے سو اونٹوں کا اعلان کر دیا گیا تھا، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ساتھ تھے راستے میں کچھ لوگ مل گئے جو شاید حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو تو جانتے تھے لیکن حضور اکرم ﷺ کو نہیں پہچانتے تھے انہوں نے حضرت ابوبکر سے پوچھا کہ یہ شخص جو تمہارے ساتھ ہے یہ کون ہے؟ تو آپ نے فرمایا:

" هذا الرجل يهديني الطريق۔ " (بخاری: ۱/ ۵۵۶)

ترجمہ: "یہ ایک آدمی ہے جو مجھے راستہ دکھاتا ہے۔"

اللہ اکبر! یہ ایک شخص ہے جو مجھے راستہ دکھاتا ہے، سننے والوں نے سمجھا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو راستہ معلوم نہیں اور یہ کوئی رہبر ہے جو انہیں راستہ دکھا رہا ہے جبکہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دل میں تھا کہ یہ وہ شخص ہے:

جو مجھے جنت کا راستہ دکھاتا ہے......

جو مجھے اللہ کی رضا کا راستہ دکھاتا ہے......

جو مجھے نجات کا راستہ دکھاتا ہے......

لہٰذا ذو معنی الفاظ بولے جائیں، بیوی کو جاکر کہہ دیا کہ اری اللہ کی بندی! تم روٹھی ہوئی ہو حالانکہ تمہارا شوہر تمہیں یاد کر رہا تھا اور واقعی یاد کر رہا تھا لیکن یاد کر رہا تھا گالی گلوچ سے، مگر ایسے الفاظ بولے جن سے وہ یہ سمجھی کہ شاید وہ میری محبت میں آہیں بھر رہا ہے۔ یہ نہیں کہا کہ وہ تمہیں گالی گلوچ دے رہا ہے۔ بس یہ کہ وہ تمہارا ذکر کر رہا تھا، تمہیں یاد کر رہا تھا یا اس طرح کے الفاظ اور جملے بولے جن سے دو ٹوٹے دل جڑ گئے، فرمایا کہ یہ اللہ کے ہاں جھوٹا نہیں لکھا جائے گا۔ یہ بہت بڑی نیکی ہے۔

خاوند بیوی کو لڑانا شیطانی عمل ہے:

حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ شیطان کو جو سب سے زیادہ خوشی ہوتی ہے وہ آپس کے تعلقات کو بگاڑنے والے سے ہوتی ہے۔ اس کے کارندے شام کو آکر رپورٹ دیتے ہیں، کوئی کہتا ہے کہ میں فلاں کے پیچھے پڑا رہا اور اسے کھیل کود میں مشغول کر دیا۔ یہاں تک کہ میں نے اس کو نماز سے محروم کر دیا، شیطان کہتا ہے بہت اچھا کیا۔

کوئی کہتا ہے کہ میں فلاں کے پیچھے پڑا رہا یہاں تک کہ میں نے اس کو بدکاری میں مبتلا کر دیا، وہ کہتا ہے، بہت اچھا کیا، شاباش کے حقدار ہو۔

کوئی کہتا ہے کہ میں نے فلاں کو نشہ میں مبتلا کر دیا۔ اسے بھی شاباش دی جاتی ہے۔

پھر ایک آتا ہے جو کہتا ہے کہ میں ایک خاندان میں گھس گیا اور میاں بیوی کے درمیان آ گیا اور ان کے درمیان آپس میں ایسی غلط فہمیاں پیدا کر دیں کہ میں نے ان دونوں کو آپس میں لڑا دیا۔ شیطان اٹھ کر اس کا استقبال کرتا ہے کہ اصل کارنامہ تو تم نے سرانجام دیا ہے۔

(مسلم باب تحریش الشیطان وبعثه سرایاه لفتنة الناس: ۲/۳۷٦)

توصلح کرانے والے کی اتنی فضیلت ہے اور تعلقات کو خراب کرنے والے کی اتنی مذمت کہ شیطان کو سب سے زیادہ خوشی اس سے ہوتی ہے۔

صلہ رحمی کیا ہے؟

اور یہ بھی سن لیجئے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

"لیس الواصل بالمکافیٔ، ولکن الواصل الذی إذا قطعت رحمه وصلها."

(رواه البخاری فی الأدب باب لیس الواصل بالمکافیٔ: ۲/۸۸٦)

یعنی صلہ رحمی کرنے والا وہ نہیں جو بدلہ دیتا ہے۔ آپ نے کسی رشتہ دار کے ساتھ اچھا سلوک کیا، اس نے آپ کے ساتھ اچھا سلوک کر دیا، شادی بیاہ کے موقع پر تعاون کر دیا، آپ نے بھی تعاون کر دیا، اس نے آپ کو ھدیہ دیا، آپ نے اس کو ھدیہ دیا۔

یہ محبت ہے یا سوداگری؟

آج تو حال یہ ہے کہ لوگ ہدیوں کو باقاعدہ لکھ لیتے ہیں، ہمارے دیہاتوں میں رجسٹر لیکر بیٹھتے ہیں، ایک سو روپیہ دیا لکھ لیا، دو سو روپیہ دیا لکھ لیا، جوڑے اور کپڑے دیئے جاتے ہیں ان کی کوالٹی تک لکھی جاتی ہے اور جو کچھ اس نے دیا ہوتا ہے اس کی خوشی کے موقع پر وہ واپس کر دیتے ہیں، یہ محبت نہ ہوئی یہ تو سوداگری ہوئی، اپنے غریب رشتہ دار کے ساتھ تعاون نہ ہوا، یہ جو کچھ لکھنے کے لئے دیا ہے، اللہ کی رضا پیش نظر نہیں، اللہ کی رضا پیش نظر ہوتی تو ہدیہ دے کر بھول جاتا۔

ہدیہ دو محبت بڑھاؤ:

ٹھیک ہے، انسانیت کا، اخلاق کا تقاضا ہے کہ ہمیں کسی نے ہدیہ دیا ہے ہم بھی اسے ہدیہ دیں یہ اخلاق کا تقاضا ہے اور ہمارے نبی کریم ﷺ کی تعلیم ہے آپ نے فرمایا:

" تهادوا تحابوا." رواه مالك مرسلاً

(مشكوة باب المصافحه: ٢/٤٠٣)

ایک دوسرے کو ہدیہ دیا کرو، اس سے باہمی محبت بڑھے گی اور حضور ﷺ سے بڑھ کر ہدیہ دینے والا کون ہوگا؟ قربان جاؤں اپنے آقا کے قدموں کی خاک پر!

حدیث میں ہے:

ایک صاحب نے حضور کی خدمت میں ہدیہ کے طور پر ککڑیاں پلیٹ میں ڈال کر بھیجیں، حضور ﷺ کے پاس کچھ سونے اور چاندی کے زیوارات آئے ہوئے تھے۔ حضور ﷺ نے جب وہ پلیٹ واپس بھیجی تو سونا اور چاندی اس میں ڈالدیا...... دینے والے نے ککڑیاں دیں، آپ نے بدلہ میں سونا اور چاندی دیا۔ جو ہوتا تھا وہ دے دیتے تھے۔ ایسا بھی ہوا کہ آپ کے پاس کچھ نہ تھا لیکن جب ہوتا تو آپ اچھا بدلہ دیتے، مگر سوداگری نہیں فرماتے تھے اندازہ کرتے جائے ککڑیوں کی کتنی قیمت ہوگی؟ کہ دو روپے کی ہوں گی تو ہم بھی کوئی ایسا ہدیہ دیں جو دو روپے کا ہو...... ایک ڈیڑھ روپے کا دیں تو بھی گزارہ چل جائے گا۔ اس کو کیا پتہ ہے، مگر حضور نے ایسا نہیں کیا۔

حضور ﷺ نے فرمایا کہ صلہ رحمی یہ نہیں کہ تم بدلہ دیدو، بلکہ فرمایا صلہ رحمی تو یہ ہے کہ رشتہ دار تعلق کو توڑتے ہیں لیکن تم تعلق کو جوڑو، ایک دوسری حدیث میں ہے:

عن أبي هريرة رضي الله عنه ان رجلاً قال: يا رسول الله: ان لي قرابة اصلهم و يقطعونّي، و احسن اليهم و يسيئونَ اليّ، واحلم عنهم، ويجهلون عليّ، فقال: لان كنت كما قلت، فكأنما تسفّهم الملّ، و لا يزال معك من الله ظهير عليهم ما دمت على ذلك.

(رواه مسلم في البر، باب صلة الرحم وتحريم قطعيتها: ۲/۳۱۵)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص حضور کی خدمت میں آیا، آ کر کہنے لگا یا رسول اللہ! میرے کچھ رشتہ دار ہیں، میں ان سے صلہ رحمی والا معاملہ کرتا ہوں لیکن وہ قطع رحمی والا معاملہ کرتے ہیں (وہ رشتہ کو توڑتے ہیں) اور میں ان کے ساتھ حسن سلوک والا معاملہ کرتا ہوں، میں اچھے تعلقات کا خواہشمند ہوں لیکن وہ بدسلوکی اور ظلم وزیادتی والا معاملہ کرتے ہیں۔ میں معافی اور درگزر والا معاملہ کرتا ہوں، ان کی طرف سے پہنچائی جانے والی تکالیف کو برداشت کرتا ہوں لیکن وہ بدزبانی، گالم گلوچ اور غصہ والا معاملہ کرتے ہیں۔ یا رسول اللہ ان حالات میں میرے لئے کیا حکم ہے؟ میں کیا کروں؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! اگر تم اپنی بات میں حق بجانب ہو اور واقعی ویسے ہی ہے جیسا کہ تم کہہ رہے ہو تو پھر سن لو! اس ردعمل کا اظہار کر کے گویا کہ تم ان کے چہروں پر گرم راکھ ڈال رہے ہو تا کہ ان کے چہرے جھلس جائیں یعنی تم جو ان کے ساتھ حسن سلوک کر رہے ہو اس حسن سلوک اور صلہ رحمی کا تمہیں تو اجر مل رہا ہے لیکن ان پر یہ وبال بن رہا ہے ان کے غلط رویے کی وجہ سے۔ یاد رکھو! جب تک تم اس صلہ رحمی اور حسن سلوک پر قائم رہو گے، اللہ تعالی کی طرف سے تمہارے لئے ایک معین و مددگار مقرر ہو گا جو ان کے شرور اور ان کی طرف

سے پہنچائی جانے والی تکلیفوں سے تمہیں محفوظ رکھے گا۔

اس سے بھی معلوم ہوا کہ حقیقت میں صلہ رحمی یہ ہے کہ اگر بالفرض رشتہ دار تعلق توڑیں تو بھی ہم جوڑنے کی کوشش کریں۔

صلہ رحمی سے حساب آسان ہو جاتا ہے:

حضور ﷺ نے فرمایا:

" ثلث من کن فیه، حاسبه الله حساباً یسیراً، وادخله الجنة برحمة، قالوا: ما هی یا رسول الله بابی انت وامی ؟ قال: تعطی من حرمك وتصل من قطعك وتعفو عمن ظلمك، فاذا فعلت ذلك یدخلك الله الجنة."

(رواه البزاز والحاکم، الترغیب والترهیب: ۲۳۱/۳)

اس حدیث میں بھی ارشاد فرمایا کہ اصل صلہ رحمی یہی ہے کہ دوسرے رشتوں کو توڑنا چاہیں اور یہ ان کو جوڑنے کے درپے ہو، جب ایسا کرے گا تو اللہ تعالیٰ حساب آسان کردیں گے اور اپنی رحمت سے اس کو جنت میں داخل کردیں گے۔

اور توڑنے والوں کے ساتھ جوڑنا یہ ہمارے آقا کی سنت ہے اور ہمارے آقا تو......

گالیاں دینے والوں کو دُعائیں دیتے تھے.....

کانٹے بکھیرنے والوں کو اچھا صلہ دیتے تھے .....

زیادتی کرنے والوں کو معاف کردیتے تھے.....

بھوک سے تڑپانے والوں کو کھلاتے تھے.....

جان کے دشمنوں کی جان کی حفاظت کرتے تھے.....

رشتہ توڑنے والوں کے ساتھ رشتہ جوڑتے تھے......

آپ کی سیرت اٹھا کر دیکھ لیں آپ نے حتی الامکان جوڑنے کی کوشش کی، توڑنے کی کوشش نہیں کی۔

آپ نے صلہ رحمی کی اہمیت تو سن لی اب قطع رحمی کی مذمت بھی سن لیں۔

قطع رحمی کرنے والا جنت میں نہیں جائے گا:

ان جبير بن معطم اخبره انّه سمع النبي صلى اللّٰه عليه و سلم يقول: "لا يدخل الجنة قاطع." (رواه البخارى فى الأدب باب اثم القاطع: ۸۸۵/۲)

حضرت جبیر بن مطعم ﷺ نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ قطع رحمی کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

دوسری حدیث میں فرمایا:

" واسرع الشر عقوبة البغى و قطيعة الرحم. "

(رواه ابن ماجه فى الزهد، باب البغى: صـ ۳۱۰)

یعنی وہ برائی، وہ گناہ جس پر اللہ تعالی جلدی سزا دیتے ہیں وہ ہے رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی نہ کرنا، ان سے تعلق کو توڑنا۔ قطع رحمی کرنے والے اور رشتوں کو توڑنے والے کو سزا دینے میں تاخیر نہیں کی جاتی۔

حضرت عبداللہ بن اوفی ﷺ فرماتے ہیں:

كنا جلوساً عند النبي صلى اللّٰه عليه و سلم فقال: لا يجالسنا اليوم قاطع رحم، فقام فتىً من الحلقة فاتى خالةً له قد كان بينهما بعض الشيء،

فاستغفر لها واستغفرت له،ثم دعا الی المجلس: فقال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم: ان الرحمة لا تنزل علی قوم فیھم قاطع رحم۔ رواہ الاصبھانی۔

(الترغیب والترھیب: ۳/۲۳٤)

ہم حضور اکرم ﷺ کی مجلس میں بیٹھے تھے آپ نے فرمایا: آج کے دن ہمارے ساتھ ہماری اس مجلس میں قطع رحمی کرنے والا، رشتوں کو توڑنے والا نہ بیٹھے، وہ یہاں سے اٹھ کر چلا جائے۔آپ کے اس فرمان پر ایک نوجوان اٹھا، جس کے اپنی خالہ کے ساتھ تعلقات صحیح نہ تھے، اس کی طرف سے ناراضگی تھی، اس نے فوراً جا کر معافی مانگی اور دوبارہ مجلس میں آ کر بیٹھا۔اس موقع پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس قوم میں قطع رحمی کرنے والا اور رشتوں کو پامال کرنے والا ہوگا اللہ کی رحمت اس قوم پر نہیں اترے گی وہ قوم اللہ کی رحمت سے محروم رہے گی۔

قطع رحمی سے رزق میں بے برکتی ہوتی ہے:

میں نے اپنی آنکھوں سے یہ بات دیکھی ہے کہ جو لوگ رشتہ داروں سے کٹ کر رہنے والے ہیں اور رشتوں کو توڑنے والے ہیں اور چند پیسے آنے کے بعد ان کا دماغ خراب ہو جاتا ہے اور غریب رشتہ داروں سے آنکھیں پھیر لیتے ہیں ان کی عمر میں، ان کے رزق میں برکت نہیں ہوتی...... بڑا بنگلہ، بڑی کوٹھی، بڑا بینک بیلنس...... لیکن ان کے گھروں میں سکون نہیں دیکھا اس لئے کہ صلہ رحمی نہیں کرتے، غریب رشتہ داروں کا خیال نہیں رکھتے، اللہ کے نبی کی تعلیمات سے صرف نظر کرتے ہیں، صلہ رحمی کی اہمیت دلوں میں نہیں ہے۔

جان لیجئے! بعض لوگ ایسے ہیں جو رات بھر قیام کرتے ہیں، عبادت کرتے ہیں لیکن

رشتہ داروں کے حقوق پامال کرتے ہیں، اللہ کے ہاں ان کے رات بھر کے قیام کی کوئی قدر و قیمت نہیں اور بعض لوگ ان کے مقابلہ میں اتنے نوافل ادا نہیں کرتے، صرف فرائض ادا کرتے ہیں لیکن صلہ رحمی کرتے ہیں، رشتہ داروں کے حقوق کا خیال رکھتے ہیں، ان کے اخلاق اچھے ہوتے ہیں، وہ رات بھر قیام کرنے والوں سے بڑھ جاتے ہیں۔

حضور اقدس ﷺ نے فرمایا:

”ما شئی ثقل یو ضع فی میزان المؤمن یوم القیامة من خلق حسن.“

(رواہ الترمذی، باب ما جاء حسن الخلق: ۲/۲۰)

یعنی اللہ تعالیٰ نے انسان کے اعمال کے لئے جو میزان مقرر کی ہے اس کے اندر اچھے اخلاق سے زیادہ بھاری کوئی چیز نہیں ہوگی۔

معاف کیجئے گا! کسی پر تنقید کرنا مقصود نہیں، میں دلوں میں اہمیت بٹھانا چاہتا ہوں اور اپنے دل میں اس کی اہمیت اتارنا چاہتا ہوں۔ اس لئے عرض کر رہا ہوں کہ جب دیندار، نمازی، حاجی، تبلیغی، صوفی، مولوی، دین سے تعلق رکھنے والا، رشتوں کو پامال کرے گا، تعلقات کو توڑے گا، بھائی بہنوں سے خواہ مخواہ لڑنے کی کوشش کرے گا، ان سے کٹے گا......

تو وہ دین کو بدنام کرے گا......

وہ مولویت کو بدنام کرے گا......

وہ صوفیت کو بدنام کرے گا......

وہ تبلیغ کو بدنام کرے گا......

لوگ کہیں گے کہ یہ ہوتے ہی ایسے ہیں۔ اس لئے جسے اللہ پاک نے دین کی نسبت

عطاء کی ہے، اس کے چہرہ پر داڑھی ہے، اس کے سر پر عمامہ اور ٹوپی ہے، اس کی نسبت مسجد اور مدرسہ کے ساتھ ہے، اسے اللہ حج وعمرہ کی سعادت نصیب فرماتے ہیں تو اسے چاہیے کہ وہ رشتوں کا اور زیادہ خیال کرے۔

رِشتے ٹوٹنے کے اسباب

اصل وجہ شریعت کی تعلیمات سے دوری ہے:

آج گھر گھر میں لڑائیاں اور جھگڑے ہیں، طلاقوں تک نوبت پہنچ رہی ہے، رشتے ٹوٹ رہے ہیں، گھر اجڑ رہے ہیں، آخر ایسا کیوں ہو رہا ہے؟ اگر کوئی مجھ سے کہے کہ اس سوال کا صرف ایک جواب دیں تو میں عرض کروں گا کہ اس کی اصل وجہ شریعت کی حقیقی تعلیمات سے دوری ہے۔

جان لیجئے! ہماری جو شریعت ہے...... یہ صرف نماز تک محدود نہیں...... یہ صرف حج تک محدود نہیں...... یہ صرف روزہ تک محدود نہیں...... یہ صدقہ وخیرات تک محدود نہیں...... صرف مسجد تک محدود نہیں......

ارے ہم تو اس شریعت کے ماننے والے ہیں جس شریعت کی تعلیمات عبادت کے بارے میں بھی ہیں...... معیشت کے بارے میں بھی ہیں...... معاشرت کے بارے میں بھی ہیں...... نکاح وطلاق کے بارے میں بھی ہیں...... سیاست کے بارے میں بھی ہیں...... گھر اور دکان کے بارے میں بھی ہیں......

جو شخص شریعت کی ساری تعلیمات کو سامنے رکھ کر زندگی گزارے گا، اللہ کی ذات سے

امید ہے کہ اس کے گھر میں سکون ہوگا اور وہ رشتے توڑنے سے بچ جائے گا۔

آیئے! اب ان چیزوں پر نظر ڈالیں جو رشتوں کے ٹوٹنے کا سبب بنتی ہیں۔

(۱) دوسروں کے حقوق کی عدم ادائیگی:

اگر کوئی تفصیل میں جائے تو اس سوال کا جواب یوں دیا جا سکتا ہے کہ رشتے ٹوٹنے کا پہلا سبب تو یہ ہے کہ ہم میں سے ہر ایک اپنے حقوق تو مانگتا ہے لیکن دوسرے کے حقوق ماننے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔

شوہر اپنے حقوق مانگتا ہے...... بیوی اپنے حقوق مانگتی ہے...... باپ اپنے حقوق مانگتا ہے...... اولاد اپنے حقوق مانگتی ہے......

بھائیوں میں بھی یہی ہے کہ ہر ایک اپنے حقوق تو مانگتا ہے لیکن دوسرے کے حقوق ادا کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔

اسلام ایثار کی تعلیم دیتا ہے:

جبکہ اسلام کی تعلیمات تو ایثار کی ہیں، ایثار کیا ہے؟ ایثار یہ ہے کہ اپنا حق دبا کر دوسرے کا حق ادا کرنا اور ہم ایثار تو کیا کریں گے، عدل بھی نہیں کرتے۔ ہمارے تبلیغی ساتھی جب جماعت میں نکلتے ہیں تو یہ بتاتے ہیں کہ کھانا تین قسم کا ہوتا ہے:

(۱) ایک ہوتا ہے ظلم کا کھانا

(۲) دوسرا ہوتا ہے عدل کا کھانا

(۳) تیسرا ہوتا ہے ایثار کا کھانا

ظلم کا کھانا کیا ہے؟ ظلم کا کھانا یہ ہے کہ دو ساتھی کھانا کھا رہے ہیں، دو بوٹیاں ہیں ان میں

سے ایک شخص آنکھ بچا کر دونوں بوٹیاں کھا گیا، دوسرے کو باتوں میں لگا دیا اور خود دونوں بوٹیاں کھا گیا، یہ تو ہے ظلم کا کھانا اور عدل کا کھانا یہ ہے کہ ایک بوٹی اس کی طرف، ایک اپنی طرف اور ایثار کا کھانا یہ ہے کہ دونوں بوٹیاں اس کی طرف کردیں اور خود شوربہ پر اکتفاء کرلیا۔

صحابیٔ رسول ﷺ کا مثالی ایثار:

آپ کو یاد ہوگا کہ جب حضور ﷺ کا مہمان آیا تھا تو حضور نے اپنی تمام ازواج کے گھر سے پوچھا کہ کچھ کھانے کو ہے تاکہ میں مہمان نوازی کرسکوں؟ سب گھروں سے جواب آیا کہ آج تو کچھ نہیں۔ حضور ﷺ نے صحابہ سے پوچھا کہ کوئی ہے جو آج میرے مہمان کا میزبان بن جائے؟ ایک صحابی نے اپنے آپ کو پیش کیا کہ یارسول اللہ ﷺ میں میزبانی کرتا ہوں، گھر لے گئے، اہلیہ سے پوچھا کچھ کھانے کو ہے؟ رسول اللہ ﷺ کے مہمان کو لایا ہوں، عرض کیا بچوں کے لئے تھوڑا سا کھانا رکھا ہے اور تو کچھ بھی نہیں۔ فرمایا کہ ان کو تو بہلا پھسلا کر سلادو، جب دسترخوان پر بیٹھیں تو ایسا کرنا کہ کسی بہانے سے اٹھ کر چراغ بجھا دینا، (اس کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت مہمانوں کا حال یہ تھا کہ میزبان کے بغیر نہیں کھاتے تھے، کھانا تھوڑا ہوتا تو بھی مہمان اصرار کرتا کہ تم بھی شریک ہوجاؤ) تو اس نے چراغ بجھا دیا اور دونوں میاں بیوی منہ ہلاتے رہے تاکہ مہمان کو پتہ چل جائے کہ دونوں کھا رہے ہیں، رسول اللہ ﷺ کے مہمان نے پیٹ بھر کر کھالیا اور خود بھوکے رہ گئے اور بچے بھی بھوکے رہ گئے، لیکن اللہ تعالیٰ نے قرآن میں قیامت تک کے لئے ان کا ذکر فرما دیا:

﴿وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾

(سورۃ الحشر: ۹)

''یعنی خود بھوکے رہتے ہیں، ایثار کرتے ہیں اور کھانا دوسروں کو کھلا دیتے ہیں۔''

(تفسیر مظهری، سورة حشر: ۲٤٣/۹)

ان صحابی کا نام تھا ثابت بن قیس بن شماس ﷺ اس سے معلوم ہوا کہ اسلام کی اصل تعلیم تو ایثار کی ہے۔

ایک عجیب واقعہ:

میں نے ایک جگہ واقعہ پڑھا کہ کچھ اللہ والوں نے تھوڑا سا کھانا تیار کیا ہوا تھا، عین کھانے کے وقت بہت سارے مہمان آگئے، انہوں نے کہا آج ہم بھی حضور کے صحابہ ﷺ کی اس سنت کی یاد تازہ کریں، تو دستر خوان پر بیٹھتے وقت انہوں نے چراغ بجھا دیا تاکہ مہمان کھالیں ہم بھوکے رہ جائیں۔

اللہ اکبر! جیسے میزبان تھے ویسے ہی مہمان تھے، میزبانوں نے سوچا کہ ہم منہ ہلاتے رہیں گے اور مہمان کھالیں گے اور مہمانوں نے سوچا کہ ہم منہ ہلاتے رہیں گے اور میزبان کھالیں گے، یہ نہ بھوکے رہیں، کافی دیر سارے منہ ہلاتے رہے، جب چراغ جلایا گیا تو پتہ چلا کہ سارا کھانا ویسے ہی رکھا ہوا ہے، کسی نے کچھ بھی نہیں کھایا۔

جان لیجئے! ایثار اسلام کی اصل تعلیم ہے۔

ایثار دلوں میں محبت پیدا کرتا ہے۔۔۔۔

ایثار بڑے بڑے لڑائی جھگڑوں کو ختم کر دیتا ہے۔۔۔۔۔

ایثار کی وجہ سے تنازعات ختم ہو جاتے ہیں۔۔۔۔۔

ایثار کی وجہ سے رشتے ٹوٹنے سے بچ جاتے ہیں۔۔۔۔

لیکن جب ہر کوئی یہ کہے کہ میرے حقوق ادا ہوں، شوہر کہے کہ میرے حقوق ادا ہوں، بیوی کہے کہ میرے حقوق ادا ہوں، نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جھگڑے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

اسلام نے ہر ایک کے حقوق کی رعایت کی:

اسلام کی تعلیمات کو دیکھیں تو ایک طرف اسلام نے شوہر کے حقوق بیان کیے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" لو كنت امر احداً ان يسجد لا حد لامرت المرأة ان تسجد لزوجها. "

(رواه الترمذی، باب ماجاء فی حق الزوج علی المرأة: ۲۱۹/۱)

یعنی اگر میں کسی کو سجدہ کی اجازت دیتا تو بیوی کو اجازت دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے اور فرمایا!

" ايما امرأة ماتت وزوجها عنها راض دخلت الجنة. "

(رواه الترمذی، باب ماجاء فی حق الزوج علی المرأة: ۲۱۹/۱)

جس عورت کا اس حال میں انتقال ہوا کہ اس کا شوہر اس سے راضی تھا تو وہ عورت جنت میں داخل ہوگی۔

ایک طرف شوہر کے حقوق بیان کیے تو دوسری طرف بیوی کے حقوق بیان کیے.....فرمایا:

" خيركم خيركم لاهله وانا خيركم لأهلي. "

(رواه ابن ماجه، باب حسن معاشرة النساء: ص ۱۴۲)

تم میں سے بہترین وہ آدمی ہے جو اپنے گھر والوں کے حق میں بہتر ہے اور فرمایا کہ میں

اپنے گھر والوں کے لئے تم سب سے زیادہ بہتر ہوں۔

حضور اکرم ﷺ کا مثالی کردار:

حضور ﷺ کا دعویٰ مبالغہ پر مبنی نہ تھا بلکہ حقیقت پر مبنی تھا، قربان جاؤں اپنے آقا کے قدموں کی خاک پر! نو بیویاں تھیں، ہزاروں ماننے والے شاگرد صحابہ، پھر بیوائیں، مساکین، مظلوم، پھر کافروں کو اسلام کی طرف دعوت، پھر جہادی لشکر کی روانگی، پھر شریعت کا نفاذ، وحی کا نزول، اصحاب صفہ......

اللہ اکبر! اتنی مصروفیات کے باوجود درس کے حلقے بھی چل رہے ہیں......

خطبے بھی ہو رہے ہیں......

نمازیں بھی پڑھا رہے ہیں......

بیواؤں کے سر پر ہاتھ بھی رکھ رہے ہیں......

یتیموں کے حقوق بھی ادا کر رہے ہیں......

کافروں کے خلاف لشکر بھی روانہ کر رہے ہیں......

مظلوموں کے درمیان انصاف بھی کر رہے ہیں......

آنے والوں کو اسلام کی دعوت بھی دے رہے ہیں......

اور بیویوں کے حقوق بھی ادا کر رہے ہیں......

یہاں تک حقوق ادا کرتے کہ احادیث سے ثابت ہے کہ رات کو بیویوں کے ساتھ بیٹھتے اور ان سے کہتے کہ کوئی قصہ کہانی سناؤ نہیں تو میں سناتا ہوں، کتنا بڑا آدمی اور بظاہر کتنا چھوٹا سا عمل ہے، کہانیاں سنانا اور سننا۔ لیکن سن رہے ہیں اور سنا رہے ہیں، کیونکہ امت کے

سامنے ایک نمونہ رکھنا تھا کہ اگر تم شوہر بنو تو پھر میرے جیسے شوہر بننا تم باپ بنو تو میرے جیسے باپ بننا، جیسے میں نے اپنی بیٹیوں کا خیال رکھا تم بھی اپنی اولاد کا اسی طرح خیال رکھنا۔

تو لڑائی جھگڑوں اور رشتے ٹوٹنے کا پہلا سبب یہ ہے کہ ہم میں سے ہر ایک اپنے حقوق لینا چاہتا ہے، دوسرے کے حقوق ادا کرنا نہیں چاہتا۔

اگر بات کو پھیلاؤں تو یقین جانیے کہ یہ جو کارخانوں، فیکٹریوں میں جھگڑے ہوتے ہیں اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ مالک کہتا ہے کہ میرے حقوق تو ادا ہوں مگر میں مزدوروں کے حقوق ادا نہ کروں، مزدور کہتے ہیں ہمارے حقوق ہوں مگر ہم مالک کے حقوق ادا نہ کریں، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ لڑائیاں ہوتی ہیں، ہڑتالیں ہوتی ہیں، فیکٹریاں بند ہو جاتی ہیں۔

(۲) سرپرست کا سب گھر والوں کو اپنے مزاج کے تابع بنانا:

رشتے ٹوٹنے کا دوسرا سبب یہ ہے کہ گھر کا سرپرست چاہتا ہے کہ گھر کا پورا نظام میرے مزاج کے مطابق چلے، خصوصاً شوہروں میں یہ بیماری زیادہ پائی جاتی ہے، حالانکہ میں نے پہلے بھی اشارۃً عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ کائنات ایسی بنائی ہے کہ یہ رنگارنگ ہے،

اس میں تنوع ہے...... اس میں تعدد ہے...... اس میں اختلاف ہے......

اللہ نے انسان بھی ایسے بنائے ہیں کہ ان میں بھی اختلاف ہے۔

صورت کا اختلاف ہے......

سیرت کا اختلاف ہے......

عادت کا اختلاف ہے......

مزاج کا اختلاف ہے......

اللہ تعالیٰ کی بناوٹ پر قربان جایئے کہ کیا بناوٹ ہے جو اللہ نے انسان کی بنائی ہے، کروڑوں انسانوں میں چلنے کا انداز مختلف ہے......

آوازیں مختلف ہیں......

لہجے مختلف ہیں......

طبیعتیں مختلف ہیں......

مزاج مختلف ہیں......

آپ جانتے ہیں کہ دنیا میں سب سے زیادہ مستند جو دستخط ہیں وہ انگوٹھا ہے، اس انگوٹھے میں اللہ نے لکیریں بنائی ہیں، کروڑوں بلکہ اربوں انسانوں کی لکیریں آپس میں مختلف ہیں، غرضیکہ ہر چیز اور ہر عضو مختلف ہے۔

مزاج کا اختلاف فطری ہے:

مزاج کا مختلف ہونا کوئی بری بات نہیں، انبیاء کے مزاج مختلف تھے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مزاج ایسا جلالی ہے کہ قبطی کو ایک مکا مارا اور چلتا کر دیا، اپنے بھائی کی داڑھی پکڑ لی کہ قوم شرک کرتی رہی اور تم نے روکا ہی نہیں؟

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مزاج ایسا جمالی ہے کہ فرمایا: اگر کوئی میرے دائیں ہاتھ پر تھپڑ مار دے تو میں بایاں پیش کر دوں گا کہ اس پر بھی مار دو۔

اسی طرح صحابہ کرام ﷡ کے مزاج بھی مختلف تھے، حضرت ابوبکر صدیق ﷜ کا مزاج اور حضرت عمر ﷜ کا مزاج مختلف تھا۔ چنانچہ جب بدر کے قیدی آئے تو حضرت ابوبکر ﷜ کہتے ہیں کہ یا رسول اللہ ﷺ! معاف کر دیجئے، حضرت عمر ﷜ کہتے ہیں کہ یا رسول اللہ

ﷺ! نہیں، ان کو قتل کر دیا جائے اور قتل بھی یوں کریں کہ جو آپ کا رشتہ دار ہو اس کو آپ خود قتل کریں اور جو میرا رشتہ دار ہے وہ میرے حوالے کریں اس کی گردن میں اڑاتا ہوں۔

جب اللہ تعالیٰ نے مزاج مختلف بنائے ہیں تو یہ سوچنا کہ سارا گھر میرے مزاج کے مطابق چلے، یہ گھر میں نفرت پیدا کرنے کا سبب بنتا ہے، اگر کوئی بات مزاج کے خلاف ہو تو اس پر صبر کیا جائے صبر کرنے والا محروم نہیں رہتا، یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے اور ہمارا یقین ہے کہ اللہ کا ہر وعدہ سچا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿إِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُم بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾

(سورة الزمر: ١٠)

یعنی جو صبر کرتے ہیں ان کو میں اتنا اجر دیتا ہوں کہ اس اجر کا کوئی حساب نہیں، بغیر حساب کے اجر دیتا ہوں۔ تو صبر کرے کہ صبر کرنے والے کو اللہ کے ہاں سے بڑا نوازا جاتا ہے۔ ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اللہ سے زیادہ صبر کرنے والا کوئی نہیں، اللہ سنتا ہے، جانتا ہے کہ لوگ میرے لئے اولاد تجویز کرتے ہیں اور آپ جانتے ہیں کہ اللہ کے لئے اولاد تجویز کرنا کتنا بڑا گناہ ہے؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَٰنُ وَلَدًا ۝ لَّقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا إِدًّا ۝ تَكَادُ السَّمَاوَاتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنشَقُّ الْأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ۝ أَن دَعَوْا لِلرَّحْمَٰنِ وَلَدًا﴾

(سورة المريم: ٨٨ تا ٩١)

یہ کہتے ہیں کہ رحمٰن کے لئے اولاد ہے، اللہ کہتا ہے کہ ان لوگوں نے اتنی بڑی بات کہہ

دی کہ اگر ان پر آسمان پھٹ جائے، زمین شق ہو جائے، پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں تو مناسب ہے۔اتنی بڑی بات کہی ہے ان لوگوں نے۔وہ سنتا ہے کہ یہ لوگ میرے لئے اولاد تجویز کرتے ہیں لیکن اس کے باوجود وہ اولاد تجویز کرنے والوں کو روزی بھی دیتا ہے، اولاد بھی دیتا ہے، زندگی بھی دیتا ہے۔

سوچئے! اگر روزی دینے کا، زندگی دینے کا، پانی دینے کا ہمیں اختیار ہوتا تو ہم اپنے مخالفین سے کیا سلوک کرتے؟ ان کا جینا دوبھر کر دیتے، ان سے زندگی کا حق چھین لیتے۔ بعض اوقات ہم اتنے جذباتی ہوتے ہیں کہ جس سے ہمیں تکلیف پہنچتی ہے، ہم سوچتے ہیں کہ وہ مر کیوں نہیں جاتا۔ زندہ کیوں ہے؟ لیکن اس کو مارنا ہمارے اختیار میں نہیں، اگر اختیار میں ہوتا تو ہم اس کو زمین پر چلتا پھرتا نہ دیکھ سکتے لیکن وہ جو اختیار والا ہے، وہ اپنے دشمنوں کو، گالیاں دینے والوں کو، مخالفوں کو، اولاد کی نسبت کرنے والوں کو دیکھتا ہے، ان کی غلط باتیں سنتا ہے پھر بھی کچھ نہیں کہتا، بلکہ انتظار کرتا ہے، میرے اس بندے کو شاید کبھی توفیق مل جائے، ممکن ہے کبھی واپس پلٹ کر آ جائے۔جب کوئی آ جائے چاہے وہ ساری زندگی کفر و شرک کرتا رہا ہو، گالیاں دیتا رہا ہو، بت پرستی کرتا رہا ہو، تو اللہ اس کو طعنہ بھی نہیں دیتا، اللہ کہتا ہے کہ میں نے تجھے معاف کر دیا اگر قدرت والا صبر کرتا ہے تو ہم جیسے عاجزوں کو تو اور زیادہ صبر کرنا چاہیے۔لہذا صبر کیا جائے، صبر کرنے سے گھر کا نظام درست رہے گا۔

دوسرے کی خوبی پر نظر رکھو:

اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا:

انسانوں کی صرف کمزوریوں پر نظر نہ رکھو بلکہ اچھائیوں پر بھی نظر رکھو۔ کیونکہ ہر شخص

کے اندر کچھ خوبیاں ہوتی ہیں اور کچھ کمزوریاں ہوتی ہیں، ہم اپنی خوبیوں پر نظر رکھتے ہیں اور دوسروں کی کمزوریوں پر نظر رکھتے ہیں۔ جبکہ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ اپنی کمزوریوں پر نظر رکھو اور دوسروں کی خوبیوں پر نظر رکھو۔

نصیحت آموز واقعہ:

حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ کا واقعہ آپ نے سنا ہوگا۔ انہوں نے دیکھا کہ ایک چور کو پھانسی دی جارہی ہے، ہاتھ، پاؤں کٹے ہوئے۔ پوچھا! کیوں پھانسی دی جارہی ہے؟ تو بتایا گیا! حضرت اس نے پہلی مرتبہ چوری کی تو ایک ہاتھ کاٹ دیا گیا، دوسری مرتبہ چوری کی تو ایک پاؤں کاٹ دیا گیا، تیسری مرتبہ چوری کی تو دوسرا ہاتھ کاٹ دیا گیا، چوتھی مرتبہ چوری کی تو دوسرا پاؤں کاٹ دیا گیا۔ لیکن پھر بھی یہ باز نہ آیا لہٰذا اب اس کو پھانسی دی جارہی ہے۔ حضرت جنید آگے بڑھے اور اس کے کٹے ہوئے پاؤں کو چوم لیا، دیکھیں! اس عادی چور میں بھی خوبی تلاش کرلی۔ فرمایا کہ شیطان کی اطاعت میں اس شخص کے اندر جتنی استقامت پائی جاتی ہے میرے اندر رحمٰن کی اطاعت میں اتنی استقامت نہیں پائی جاتی۔ اتنا استقامت والا کہ سب کچھ کٹوا دیا لیکن جو شیطانی راستہ اختیار کیا اس پر چلتا رہا اور مجھے رحمٰن کے لئے تکلیف ہوتی ہے تو سیدھے راستہ سے پیچھے ہٹ جاتا ہوں۔

اس لئے اگر ہم خوبی تلاش کرنا چاہیں تو تلاش کرسکتے ہیں، اگر ہم اس حدیث پر عمل [illegible] مارا گھر اجڑنے سے بچ جائے گا، رشتہ ٹوٹنے سے بچ جائے گا۔

برداشت کا مادہ ختم ہوگیا ہے:

تیسرا سبب یہ ہے کہ برداشت کا مادہ ختم ہوگیا، غضب غالب آگیا اس زمانہ میں تو اب

نظر آتا ہے کہ ہر شخص غصہ سے بھرا ہوا ہے۔ راستہ میں دیکھتا ہوں، ٹریفک میں چھوٹی چھوٹی باتوں پر لڑنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ ایک دن میں ایک ڈرائیور کے ساتھ بیٹھ گیا وہ مدرسہ کی گاڑی چلا رہا تھا، میرے خیال میں وہ جس گاڑی کے پاس سے بھی گزرا اس کو اس نے لعنت دی ہر ایک کے پاس سے گزرتے وقت اس نے سمجھا کہ اس کی غلطی ہے۔ مسلسل بڑ بڑاتا ہی رہا۔ حالانکہ مدرسہ کی گاڑی چلا رہا تھا۔ تو برداشت کا مادہ ختم ہو چکا ہے۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر لڑنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں، چھوٹی چھوٹی باتوں پر طلاقیں، چھوٹی چھوٹی باتوں پر زندگی بھر کے تعلقات ختم کر لیتے ہیں۔ وہ جو کسی نے کہا کہ ؎

اک چھوٹی سی بات پر برسوں کے یارانے گئے
مگر اتنا تو ہوا کہ کچھ لوگ پہچانے گئے

بس چھوٹی سی بات پر برسوں کے تعلقات خراب کر لیتے ہیں۔ میاں، بیوی بوڑھے ہو گئے، ساری زندگی تو ایک ساتھ گزار دی اور اب طلاق دے رہے ہیں۔ ارے وہ بیچاری کہاں جائے گی؟

سورۂ مجادلہ کے شانِ نزول کے بارے میں علماء نے لکھا ہے کہ:

شوہر نے اپنی بیوی کو کہہ دیا کہ تم میری ماں جیسی ہو، (اس کو ''ظہار'' کہتے ہیں) وہ حضور ﷺ کے پاس آئی، یارسول اللہ ﷺ، کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا کہ طلاق ہو گئی، جدائی ہو گئی، پہلے حکم یہی تھا، اس نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول کیسے جدائی ہو گئی؟ میں کہاں جاؤں گی؟ اے اللہ کے رسول! میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں، میں جب تک جوان تھی اس کی محبوبہ بنی ہوئی تھی، آج بوڑھی ہو گئی ہوں تو مجھے ماں کہہ کر گھر سے نکالتا

ہے۔ان کے الفاظ یہ تھے:

"ان اوسا تزوجني وأنا شابة مرغوب في فلما فلا سني ونشرت بطني جعلني عليه كامه."

اللہ کے نبی! میرے بچے مجھ سے محروم ہو گئے تو ضائع ہو جائیں گے اور باپ سے محروم ہو گئے تو بھوکے مرجائیں گے۔ یوں بات کرتی رہی اور اللہ نے جب ذکر کیا تو بڑے محبت کے انداز میں فرمایا:

﴿قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُكَ فِیْ زَوْجِهَا وَ تَشْتَكِیْۤ اِلَى اللّٰهِ﴾

(سورة المجادلة: ١)

اللہ تعالیٰ نے عورت کی بات سن لی جو آپ کے ساتھ جھگڑا کر رہی تھی۔ جھگڑا نہیں کر رہی تھی، محبت کی بات کر رہی تھی، لیکن اللہ نے اس کو یوں تعبیر کیا کہ جھگڑا کر رہی تھی، اللہ کہتا ہے کہ میں نے بات سن لی اور حضرت عائشہ ﷺ نے عجیب بات ارشاد فرمائی کہ "وہ عورت میرے حجرہ میں میرے آقا کے ساتھ باتیں کر رہی تھی، لیکن اس کی ساری باتیں میں نہیں سن رہی تھی لیکن سات آسمانوں پر میرے اللہ نے اس کی ساری باتیں سن لیں۔"

یہ واقعہ حضرت اوس بن صامت اور ان کی زوجہ حضرت خولہ بنت ثعلبہ ﷺ کا ہے۔

تو عرض کر رہا تھا کہ رشتہ ٹوٹنے کا تیسرا سبب یہ ہے کہ برداشت کا مادّہ ختم ہو گیا، غصہ غالب آ گیا۔

(٤) زبان کی حفاظت نہیں:

آخری بات کہہ کر گفتگو کو ختم کرنا چاہتا ہوں۔

میری نظر میں رشتے ٹوٹنے کا...... لڑائی جھگڑوں کا...... طلاقوں کا......

سب سے اہم سبب زبان کا غلط استعمال بھی ہے۔ زبان پر کنٹرول نہیں رہا۔

معاف کریں میری مائیں، بہنیں، بیٹیاں! زبان کے معاملہ میں زیادہ بے احتیاطی کرتی ہیں۔ بعض اوقات اولاد کو گالیاں اور بد دعائیں دیتی ہیں اور تو تکار کرتی ہیں، عورت یوں سمجھتی ہے کہ شوہر ایک سنائے گا تو میں دس سناؤں گی اور اس کو کمال سمجھتی ہے اور گھر اجاڑ کر بیٹھ جاتی ہے۔ یہ زبان کا غلط استعمال ہے۔ بعض اوقات شوہر صاحب بیوی کے رشتہ داروں کو، اس کی ماں کو، بہن کو، بھائیوں کو گالیاں دیتے ہیں اور بعض اوقات عورت ایسا کرتی ہے۔ یوں تعلقات خراب ہوتے ہیں، رشتے ٹوٹتے ہیں، طلاقیں ہوتی ہیں اور بچے والدین کے زندہ ہوتے ہوئے بھی یتیم ہو جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہم سب کو قرآن و سنت کی ساری تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمیں رشتوں کو صحیح نہج پر استوار کرنے اور باہمی تعلقات کا لحاظ رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العلمین

اِسلام اور زیبائش و آرائش

الحمدللّٰہ وحدہ والصّلوۃ والسّلام علی من لا نبی بعدہ، أما بعد!

فأعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا
وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا
اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (سورة الحشر: ۱۰، پ ۲۸)

میری بہنو اور بیٹیو!

اس آیت کے اندر اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کی ایک خاص دعا کا ذکر کیا ہے۔ فرمایا! وہ لوگ جو بعد میں آئے وہ بارگاہِ رب العالمین میں دعا کرتے ہیں اے ہمارے رب! ہمیں معاف فرمادے اور ہمارے ان بھائیوں کو معاف فرمادے جو ایمان میں ہم سے سبقت لے گئے اور ان ایمان والوں کا ہمارے دل میں کینہ اور بغض و عداوت نہ رہے، ہمارے دلوں کو اس قسم کی گندگیوں سے پاک و صاف کر دینا۔ ان کے متعلق کسی قسم کی بدگمانی سے ہمیں بچائے رکھنا۔ خلاصہ یہ کہ ایمان والے اللہ تعالیٰ سے اپنے دلوں کی صفائی کی دعا کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ''سورۂ شمس'' میں کم و بیش سات قسمیں کھا کر فرمایا!

﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا﴾ (سورة الشمس: ۹، پ ۳۰)

ترجمہ: ''یقیناً فلاح پا گیا وہ جس نے پاک کیا (اپنے) نفس کو۔''

اسی طرح ''سورۂ اعلیٰ'' میں فرمایا!

﴿قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّىٰ﴾ (سورة الاعلیٰ، پ ۳۰)

ترجمہ: ''یقیناً فلاح پا گیا جو پاک ہوگیا۔''

بعثت نبوی کا ایک مقصد دلوں کی صفائی بھی ہے:

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے مختلف مقامات پر حضور ﷺ کی بعثت کے جو مقاصد ذکر کیے ہیں ان میں سے ایک مقصد تزکیہ قلوب یعنی دلوں کو پاک کرنا بھی ہے۔ چنانچہ فرمایا!

﴿ هو الذي بعث في الأميين رسولا منهم يتلوا عليهم ايته ويزكيهم ويعلمهم الكتب والحكمة وإن كانوا من قبل لفي ضلل مبين ﴾

(سورة الجمعة: ۲، پ ۲۸)

ترجمہ: ''وہی ہے جس نے اٹھایا اَن پڑھوں میں ایک رسول انہی میں سے، پڑھ کر سناتا ہے ان کو اس کی آیتیں اور ان کو سنوارتا ہے اور سکھلاتا ہے ان کو کتاب اور عقلمندی اگر چہ اس سے پہلے وہ کھلی ہوئی گمراہی میں تھے۔''

نبی اکرم ﷺ نے اپنی امت کو جو دعائیں سکھائی ہیں ان میں سے ایک دعا یہ بھی ہے۔

" اللّٰهم اتِ نفسي تقواها وزكها انت خير من زكها."

(مسلم: ۲/ ۳۵۰)

ترجمہ: ''اے اللہ! دے میرے نفس کو اس کی پرہیزگاری اور پاک کر دے اسے، تو ہی سب سے بہتر اس کو پاک کرنے والا ہے۔''

آپس میں بغض وحسد نہ رکھو:

آنحضرت ﷺ نے اپنی امت کو یہ تاکید بھی فرمائی:

" ولا تحاسدوا ولا تباغضوا ولا تدابروا وكونوا عباد الله اخواناً."

(بخاري، باب ما ينهى عن التحاسد الخ: ۸۹٦/۲)

ترجمہ:'' آپس میں حسد نہ کرو، (اپنے دلوں کو حسد اور کینہ سے گندا نہ کرو) ایک دوسرے کے ساتھ بغض وکینہ نہ رکھو اور نہ ایک دوسرے سے منہ پھیرو۔ (بلکہ) اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن جاؤ۔''

اسلام میں باطنی طہارت اور پاکیزگی پر زور دیا گیا ہے کہ اپنے باطن کو پاک رکھو، اپنے اندر کو صاف ستھرا رکھو۔ کیوں کہ قیامت کے دن دلوں کی صفائی ہی انسان کی فلاح اور کامیابی کی ضمانت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿إِلَّا مَنْ أَتَى اللَّهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ﴾ (سورة الشعراء: ۸۹)

ترجمہ:'' مگر (قیامت کے دن وہ کامیاب ہوگا) جو اللہ کے پاس پاک دل لیکر آئے گا۔'' (ایسا دل جو کینہ سے پاک ہو، بغض وعداوت سے پاک ہو، حسد سے پاک ہو، تکبر سے پاک ہو)

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

" إن الله لا ينظر إلى صوركم وأموالكم ولكن ينظر إلى قلوبكم وأعمالكم."

(صحيح مسلم، كتاب البر، باب تحريم الظلم وخذله الخ: ۳۱۷/۲)

یعنی اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں کو، تمہارے اموال کو، تمہاری دولت کونہیں دیکھتے، اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں اوراعمال کودیکھتے ہیں۔

اسلام اورجسمانی طہارت:

تو عرض یہ کررہاتھا کہ اسلام نے ظاہری طہارت پر بھی زور دیا ہے لیکن ظاہری طہارت سے زیادہ باطنی طہارت پر زور دیا ہے، جسم کی زیبائش وآرائش کی اسلام نے اجازت دی بلکہ تاکید بھی فرمائی، لیکن زیادہ تاکید جوفرمائی وہ دل کی زیبائش وآرائش اوراس کی طہارت وصفائی کے متعلق فرمائی ہے۔

ظاہری صفائی اور پاکیزگی کے اعتبار سے دیکھیں تواسلام میں غسل جنابت بھی ہے، غسل جمعہ بھی ہے، اچھے کپڑے پہننے کاحکم بھی ہے، بغلوں اورزیرناف بالوں کی صفائی کاحکم بھی دیا گیا، مسواک کاحکم بھی دیا گیا، حتیٰ کہ بندہ جب دنیا سے رخصت ہوتا ہے اس وقت بھی حکم ہے کہ اس کوغسل دے کراورصاف ستھرالباس پہنا کر رخصت کیاجائے۔

جسمانی طہارت اوردیگر مذاہب:

اگر طہارت اورزیبائش وآرائش کے اعتبار سے اسلام کادوسرے مذاہب سے موازنہ کریں توپتہ چلتا ہے کہ کسی مذہب میں بھی طہارت، پاکی، صفائی اورستھرائی پراتنازورنہیں دیا گیا جتنازوراسلام میں دیا گیا ہے بلکہ بعض مذاہب توایسے بھی ہیں جن میں انسان کو یہ تصوردیا گیا کہ تم جتنے زیادہ گندے رہوگے اتنے ہی تمہارے دیوتا تم سے خوش ہوں گے، چنانچہ بعض مذاہب کے ماننے والے انتہائی گندے رہتے ہیں اورسمجھتے ہیں کہ ہمارے دیوتا ہم سے خوش ہونگے، مہینوں غسل نہیں کرتے، بال گندگی کی وجہ سے جڑ جاتے ہیں، ان

مذاہب میں بتوں کے سامنے تعظیم کیلئے، انکی عبادت کیلئے وضوء اور غسل جیسی کوئی شرط نہیں۔

آپ جانتے ہیں کہ سکھ مذہب کی تعلیم یہ ہے کہ پورے جسم سے ایک بال بھی نہ کاٹا جائے، سکھ مذہب میں حقیقی سکھ اسے تسلیم کیا جاتا ہے جو اپنے پورے جسم سے ایک بال بھی نہ کاٹے۔ چنانچہ بڑھے ہوئے بالوں کی وجہ سے بعض اوقات ان کی مضحکہ خیز صورت ہو جاتی ہے، منہ بھی دکھائی نہیں دیتا، داڑھی اور مونچھوں کے بال آپس میں ایسے مل جاتے ہیں کہ منہ تک چھپ جاتا ہے، اور کھاتے وقت، پیتے وقت بال شامل ہو جاتے ہیں۔

لیکن اسلام میں طہارت اور صفائی ایمان کا حصہ ہے، چنانچہ حدیث میں ہے:

" الطهور شهر الإيمان."

(صحيح مسلم، كتاب الطهارة، باب فضل الوضوء: ١/١١٨)

ترجمہ:''صفائی ستھرائی ایمان کا حصہ ہے۔''

ہمارے آقا ﷺ بہت زیادہ صاف ستھرے رہتے تھے، آپ کا لباس سستا تو ہوتا تھا، پیوند تو لگے ہوتے لیکن میلا کچیلا کبھی نہیں ہوتا تھا۔

قیمتی لباس سادگی کے منافی نہیں:

اور یہ خیال بھی دل سے نکال دیں کہ حضور اکرم ﷺ ہمیشہ سستا لباس ہی پہنتے تھے، آپ نے قیمتی لباس بھی زیب تن فرمایا، بعض اوقات بازار میں کوئی نیا کپڑا آیا، حضور ﷺ کو اطلاع ملی تو آپ ﷺ نے خرید لیا، حضور زندگی بھر دھوتی پہنتے رہے، کیونکہ عرب چادر اور دھوتی پہنتے تھے وہ پاجامے اور شلوار سے آشنا نہیں تھے، لیکن جب آپ کو پتہ چلا کہ شلوار اور پاجامہ مارکیٹ میں فروخت ہونے کیلئے آیا ہے اور آپ نے محسوس فرمایا کہ اس میں پردہ

زیادہ ہے تو حضور اکرم ﷺ نے اسے خرید لیا، اگر چہ پہننے کی نوبت نہیں آئی مگر آپ نے خرید تو لیا۔ (تو پیوند لگانا الگ بات ہے لیکن اس سے یہ نتیجہ اخذ کر لینا کہ آپ ہمیشہ پھٹے پرانے کپڑے پہنتے تھے، یہ غلط ہے)

آج کل ہمارے نعت خواں اپنی نعتوں میں ''کالی کملی والا'' اتنی کثرت سے استعمال کرتے ہیں کہ لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات بیٹھ گئی ہے کہ شاید حضور بھی اسی طرح کالا کمبل اوڑھ کر رکھتے ہوں گے جیسے یہ ملنگ اور درویش کالا کمبل اوڑھ کر رکھتے ہیں اور بعض لنگوٹیوں میں رہتے ہیں ان کا خیال ہے کہ جو لنگوٹی میں رہتا ہے وہ بہت پہنچا ہوا ہوتا ہے۔ جو جتنا گندا رہتا ہے وہ اتنا ہی مقرب ہوتا ہے لیکن ہمارے آقا ایسے نہیں تھے۔ صاف ستھرا لباس زیب تن فرماتے تھے بلکہ عرب میں اسوقت جو سب سے قیمتی اور اچھی خوشبو ہوتی تھی آپ ﷺ استعمال فرماتے تھے، گھٹیا قسم کی خوشبو استعمال نہیں فرماتے تھے۔

گھٹیا قسم کی خوشبو لگا کر مسجد میں جانا:

ضمناً عرض کرتا ہوں بعض لوگ اتباع سنت میں خوشبو استعمال کرتے ہیں، لیکن گھٹیا قسم کی خوشبو استعمال کرتے ہیں، اور خوشبو جتنی زیادہ گھٹیا ہوگی اتنی زیادہ تیز ہوگی۔ ایسی خوشبو کپڑوں اور جسم پر لگا کر مسجد میں چلے جاتے ہیں، اس کی وجہ سے کتنے ہی نمازی ہوتے ہیں جن کو درد سر ہو جاتا ہے، بعض کی طبیعت میں حساسیت ہوتی ہے جس کی وجہ سے نزلہ وزکام ہو جاتا ہے۔

تو میں کبھی کبھی عرض کرنے کی جسارت کیا کرتا ہوں کہ جیسے کچا پیاز اور لہسن، مولی کھا کر مسجد میں جانا جائز نہیں ان کی وجہ سے فرشتوں اور نمازیوں کو تکلیف ہوتی ہے، اسی طرح گھٹیا

قسم کی خوشبو لگا کر مسجد میں جانا مناسب نہیں کیونکہ اس کی وجہ سے بھی نمازیوں کو تکلیف ہوتی ہے، آپ اچھی خوشبو نہیں خرید سکتے تو نہ لگائیں، خوشبو کا لگانا فرض تو نہیں ہے سنت یا مستحب ہی تو ہے۔

حضور قیمتی اور نفیس خوشبو استعمال فرماتے تھے، اور اپنی ظاہری وضع قطع کا خوب خیال رکھتے تھے، شیشہ میں اپنا چہرۂ انور دیکھتے، جلدی ہوتی تو پانی میں ہی اپنا عکس دیکھ لیا کرتے تھے اور شیشہ دیکھتے وقت دعا پڑھا کرتے تھے:

" اللّٰهم أحسنت خلقي فأحسن خلقي." رواه احمد و رجاله رجال الصحيح. (رقم الحديث: ١٧٣٦٤، مجمع الزوائد، كتاب الادعيه: ٢٧٣٣/١٠)

یعنی اے اللہ تو نے میری صورت تو اچھی بنائی ہے میری سیرت کو بھی اچھا بنا دے۔ یہ دعا گویا ہمیں سکھائی گئی ہے۔

"اے میری امت کے لوگو! جب اپنی صورت کو دیکھو تو یہ دعا مانگا کرو، کہ اے اللہ تو نے میری صورت تو اچھی بنائی، میری سیرت بھی اچھی بنا، میرے اخلاق بھی اچھے بنا۔"

لباس کے دو بڑے مقاصد:

اور آپ ﷺ اچھا لباس کیوں نہ پہنتے، اچھا لباس پہننے کا خود اللہ نے حکم دیا ہے، فرمایا:

﴿ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ﴾

(سورة الاعراف: ٢٦، پ ٨)

ترجمہ: "اے اولادِ آدم کی! ہم نے اتاری تم پر پوشاک جو ڈھانکے تمہاری شرمگاہیں

اور اتارے آرائش کے کپڑے۔"

اس آیت کے اندر اللہ تعالیٰ نے لباس کے دو بڑے مقاصد ذکر کئے ہیں، ایک مقصد ستر پوشی، دوسرا مقصد سردی گرمی سے حفاظت اور زیبائش وآرائش بدن، اللہ نے صرف یہ نہیں فرمایا کہ لباس کا مقصد ستر پوشی اور جسم کو ڈھانپنا ہے بلکہ زیبائش وآرائش کو بھی مقصد قرار دیا ہے۔

نماز کے لئے اچھا لباس:

ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾

(سورة الأعراف: ۳۱، پ ۸)

ترجمہ: "اے اولاد آدم کی! لے لو اپنی آرائش ہر نماز کے وقت۔"

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے لباس کو زینت سے تعبیر فرمایا، یہ نہیں فرمایا کہ اے بنی آدم اپنا لباس لے لیا کرو، بلکہ فرمایا کہ اپنی زینت اور آرائش لے لیا کرو، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں افضل واولیٰ یہ ہے کہ صرف ستر پوشی پر اکتفاء نہ کیا جائے بلکہ اپنی وسعت کے مطابق ایسا لباس لیا جائے جو باعث زینت ہو، اور اللہ کے گھر جائیں تو اپنی وسعت کے مطابق خوبصورت اور صاف ستھرا لباس پہن کر جائیں۔

حضرت حسن ﷺ کی عادت تھی کہ نماز کے وقت اپنا سب سے بہتر لباس پہنتے تھے اور فرماتے تھے:

" إن الله جميل يحب الجمال فاتجمل لربي۔"

یعنی اللہ تعالیٰ جمیل ہیں اور جمال کو پسند کرتے ہیں۔

اسلئے میں اپنے رب کیلئے زینت و جمال اختیار کرتا ہوں کیونکہ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿خُذُوا زِينَتَكُمْ عِندَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾ (روح المعانی: ۱۶۲/۵)

بہت سے لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ کسی دفتر میں جائیں، کسی سے ملنے جائیں تو صاف ستھرا لباس پہن کر جاتے ہیں لیکن اللہ کے گھر میں جاتے ہیں تو گندا، میلا کچیلا لباس پہن کر چلے جاتے ہیں۔ ٹوپیوں کو دیکھیں، بعض مساجد میں تنکوں سے بنی ہوئی ٹوپیاں رکھی ہوئی ہوتی ہیں۔ آج کل تو کپڑے کی ٹوپیاں بھی رکھنی شروع کردیں، لیکن کثرت استعمال کی وجہ سے میل کچیل ان پر جمی ہوئی ہوتی ہے، میل کچیل میں اٹی ہوتی ہیں، تیل لگا ہوتا ہے، نمازی آتے ہیں اور اسی گندی ٹوپی کو سر پر رکھ کر نماز پڑھنا شروع کر دیتے ہیں، میں نے تنکوں والی ایسی ٹوپیاں بھی دیکھی ہیں کہ آدھی ٹوپی اُڑ چکی ہوتی ہے، ضائع ہو چکی ہوتی ہے اور آدھی ٹوپی باقی ہوتی ہے اور اسی آدھی ٹوپی کو آدھے سر پر اٹکا کر نماز پڑھ لیتے ہیں۔ سنا ہے کہ چند ایسی مساجد بھی ہیں جہاں دھوتی پہن کر نماز پڑھنے کا انتظام کیا گیا ہے۔ کہ پتلون اتارو اور دھوتی پہن کر نماز پڑھو، اب ایک ہی دھوتی میں سارے نمازی نماز پڑھ رہے ہیں حالانکہ ایسا کرنا نظافت پسند انسان کی فطرت کے خلاف ہے، لیکن پہن رہے ہیں،

جنوبی افریقہ میں میں نے دیکھا کہ مسجد میں داخل ہوتے ہی لمبے جبے لٹکے ہوتے ہیں لوگ پینٹ پتلون کے اوپر پہن کر نماز پڑھ لیتے ہیں...... اللہ کا حکم بہرحال بندوں کے لیے یہی ہے کہ میرے دربار میں آؤ تو دل بھی صاف لے کر آؤ لباس بھی صاف لے کر آؤ۔ یہ شاہوں کے شاہ کا دربار ہے۔ میلے کچیلے ہو کر نہ آؤ، دل بھی صاف لیکر آؤ اور لباس بھی صاف لے کر آؤ۔

اچھا لباس بزرگی کے خلاف نہیں:

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں!

﴿قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ﴾

(سورة الاعراف: ۳۲، پ ۸)

ترجمہ: ''اے نبی! آپ ان سے پوچھئے! کہ زینت کو کس نے حرام کیا حالانکہ اللہ نے تو اس کو اپنے بندوں کیلئے پیدا کیا ہے، اور رزق کی پاکیزہ چیزوں کو کس نے حرام کیا ہے؟'' (ان سے کہو کہ کوئی دلیل تو لائیں)

ان لوگوں کی تردید فرمادی جو یہ کہتے تھے کہ جو اللہ والا ہوتا ہے......

وہ مرغن غذا نہیں کھاتا......

اچھا لباس نہیں پہنتا......

صاف ستھرے مکان میں نہیں رہتا......

آرام دہ بستر پر نہیں سوتا......

اللہ نے فرمایا کہ ان سے پوچھئے تو سہی کہ کس نے حرام کیا ہے اللہ کی زینت کو جو اللہ نے اپنے بندوں کیلئے نکالی ہے؟ اور کس نے حرام کیا کھانے والی پاکیزہ چیزوں کو؟

اللہ کی نعمت کا اظہار کرنا چاہیے:

ایک حدیث میں حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

" ان اللّٰہ یحب ان یری اثر نعمتہ علی عبدہ۔"

(مشکوٰۃ: کتاب اللباس: صـ ۳۷۵)

یعنی اللہ تعالیٰ یہ پسند کرتے ہیں کہ میں نے اپنے بندے کو جو انعامات دیئے ہیں وہ ان کا اظہار بھی کرے، ان نعمتوں کا اثر اس کے جسم پر بھی ظاہر ہونا چاہیے۔ مثلاً اچھا اور قیمتی لباس پہنے جبکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو مال و دولت سے نوازا ہو، رہائش اچھی ہو، وضع قطع اچھی ہو، تو اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں دی ہیں ان کو اپنی ذات پر ظاہر بھی کرنا چاہئے اس سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتے ہیں، لیکن شرط یہ ہے کہ یہ اظہار شرعی حدود کے اندر ہو، شرعی حدود سے تجاوز نہ کرے ورنہ اس کی اجازت نہیں ہوگی۔

آج کل لوگ افراط و تفریط کا شکار ہیں، اعتدال اور میانہ روی کو چھوڑ چکے ہیں جبکہ اسلام کی تعلیم اعتدال پسندی اور میانہ روی کی ہے۔ اسلام نہ یہ کہتا ہے کہ گندا، میلا کچیلا، بدبودار لباس پہن کر رکھو اور نہ یہ کہتا ہے کہ شرعی حدود و قیود کے حصار کو پھاند کر فیشن والا جدید فیشن اور عریانیت والا یا انتہائی قیمتی لباس استعمال کرو بلکہ اسلام یہ کہتا ہے کہ اچھا اور صاف ستھرا لباس پہنو اگرچہ وہ عمدہ اور قیمتی ہی کیوں نہ ہو لیکن ان حدود و قیود کی رعایت ضرور رکھو۔

زیبائش و آرائش کی حدود و قیود:

اسلام نے زیبائش و آرائش کی مردوں کو بھی اجازت دی ہے اور عورتوں کو بھی اجازت دی ہے، اجازت ہی نہیں حکم دیا ہے۔ لیکن اس کے لئے حدود و قیود اور شرائط بھی ہیں، جن میں سے بعض کا لحاظ کرنا مردوں کے لئے ضروری ہے اور بعض کا لحاظ کرنا عورتوں کے لئے ضروری ہے اور کچھ ایسی ہیں جن میں مرد اور عورت دونوں برابر ہیں چنانچہ وہ شرائط جن کے ساتھ ہر قسم کی زیبائش و آرائش، بناؤ سنگھار، زیب و زینت عورت کیلئے جائز ہے، وہ یہ ہیں:

(۱) نامحرم کیلئے نہ ہو، اسلام نے عورت کو زیبائش وآرائش کی اجازت تو دی لیکن حکم دیا کہ ہر ایک کے سامنے اپنی زینت ظاہر نہ کرے، اولاً تو ایمان والی عورتوں کو حکم دیا:

﴿وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ﴾ (سورة الأحزاب: ۳۳، پ ۲۲)

ترجمہ: ''تم اپنے گھروں میں رہو''

شدید مجبوری کے بغیر گھروں سے نہ نکلیں۔ تمہارا گھر تمہاری جنت بھی ہے...... تمہارا مکتب بھی ہے...... تمہارا مدرسہ بھی ہے...... تمہاری مسجد بھی ہے...... مردوں کو مسجد میں جا کر نماز پڑھنے کا جو ثواب ملتا ہے، عورت کو گھر میں نماز پڑھنے سے اللہ تعالیٰ وہی ثواب عطا فرما دیتے ہیں۔۔ عورت محروم نہیں رہتی، عورت مت سمجھے کہ گھر میں نماز پڑھنے سے وہ اس ثواب سے محروم رہتی ہے، جو مردوں کو مسجد میں نماز پڑھنے سے ملتا ہے۔

اور فرمایا:

﴿وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ﴾ (سورة الأحزاب: ۳۳، پ ۲۲)

اور جاہلیت اولیٰ کی طرح بن سنور کر زیب وزینت اختیار کر کے باہر نہ نکلا کرو۔ دوسروں کے سامنے اپنی زینت ظاہر نہ کرو۔

لوگ سمجھتے ہیں کہ آج ہم تعلیم یافتہ اور ترقی یافتہ دور میں داخل ہو چکے ہیں اس لیے دور حاضر کے جدید تقاضوں سے ہم آہنگ زندگی گزارنی چاہیے، اس کے تقاضوں کو پورا کرنا چاہیے، لیکن اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ جو تم کر رہے ہو یہ تو جاہلیت کے دور میں ہوا کرتا تھا، زمانہ جاہلیت میں عورت بن سنور کر اور بے پردہ ہو کر باہر نکلتی تھی، مرد اور عورت کے اختلاط کو معیوب نہیں سمجھا جاتا تھا۔ جنسی تعلقات کوئی مذموم چیز نہ تھے، طوائفوں اور رنڈیوں کے

بازار لگتے تھے۔ خود مکہ اور مدینہ میں ایسی عورتوں کے گھروں پر جھنڈے لگے ہوتے تھے جن سے پتہ چلتا تھا کہ یہ کس قسم کی عورت ہے؟

اسی طرح فرمایا:

﴿وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ (سورة النور: ٣١، پ ١٨)

عورتیں اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں سوائے اس کے جو اس میں سے خود بخود ظاہر ہو جاتا ہے۔

بلکہ یہاں تک فرمایا کہ غیر مردوں کے سامنے اپنی زینت کو ظاہر کرنا تو دور کی بات ہے دوسری عورت کے سامنے بھی ان اعضاء کا کھولنا جائز نہیں، جن کو شریعت نے چھپانے کا حکم دیا ہے۔

ایک حدیث میں حضور ﷺ نے فرمایا:

" لا ينظر الرجل الى عورة الرجل ولا المرأة الى عورة المرأة."

(صحيح مسلم، كتاب الحيض، باب تحريم النظر الى العورات: ١/١٥٤)

ترجمہ: ''مرد دوسرے مرد کے ستر کی طرف نہ دیکھے اور نہ ہی عورت دوسری عورت کے ستر کی طرف دیکھے۔''

مزید فرمایا کہ مرد دوسرے مرد کے ساتھ ایک کپڑے میں نہ لیٹے اور نہ عورت دوسری عورت کے ساتھ ایک کپڑے میں لیٹے۔

چنانچہ حدیث میں ہے:

" قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا ينظر الرجل الى عورة الرجل

ولا المرأة الی عورۃ المرأۃ ولا یفضی الرّجل الی الرجل فی ثوب واحد ولا تفضی المرأۃ الی المرأۃ فی ثواب واحد۔"

(مشکوٰۃ: باب النظر الی المخطوبہ وبیان العورات: صـ ۲٦۸)

ترجمہ:"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کوئی مرد دوسرے مرد کے ستر کی طرف نہ دیکھے اور کوئی عورت کسی دوسری عورت کے ستر کی طرف نہ دیکھے، دو مرد ایک کپڑے میں جمع نہ ہوں اور دو عورتیں ایک کپڑے میں جمع نہ ہوں۔"

اللہ اکبر! قربان جائیے اس مکی، مدنی اور امی آقا ﷺ کی ذہانت پر، نفسیات دانی اور دور اندیشی پر کہ آپ منع فرمارہے ہیں کہ مرد دوسرے مرد کے ساتھ ایک چادر میں نہ لیٹے اور نہ عورت دوسری عورت کے ساتھ ایک چادر میں لیٹے۔ خطرہ ہے کہ شیطان دل میں برائی کا وسوسہ پیدا نہ کردے۔ کیا آج ایسا نہیں ہورہا؟ مرد کے مرد کے ساتھ غلط تعلقات ہیں، عورت کے عورت کے ساتھ غلط تعلقات ہیں، جن چیزوں کا کبھی تصور بھی نہیں ہوتا تھا آج وہ چیزیں سامنے آرہی ہیں۔ مغربی ممالک میں ہم جنس پرستی کو قانونی جواز بھی فراہم کردیا گیا ہے۔

(۲) دوسری شرط یہ لگائی کہ عورت اگر زیب وزینت کرے تو اس کا مقصد اپنے شوہر کو خوش کرنا اور اس کا دل لبھانا ہو اجنبی مردوں کو اپنی طرف متوجہ کرنا مقصود نہ ہو۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِن زِينَتِهِنَّ ﴾

(سورۃ النور: ۳۱، پـ ۱۸)

یعنی عورتیں بازار میں چلیں تو اپنا پاؤں زمین پر زور سے نہ ماریں جس سے مقصد اپنی زینت کو ظاہر کرنا اور اجنبی مردوں کو اپنی طرف متوجہ کرنا ہو۔

پاؤں مار کر مردوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی ایک صورت تو یہ ہے کہ پیروں میں پازیب پہنی ہو یا بجنے والی اور کوئی چیز پہنی ہو اور ایک صورت یہ بھی ہے کہ جان بوجھ کر پاؤں اس طریقہ سے مارے جائیں کہ لوگ متوجہ ہو جائیں۔

اللہ اکبر! اللہ تعالیٰ کا کلام بھی بڑا عجیب ہے کہ کسی بھی طریقہ سے عورت کا مردوں کو اپنی طرف متوجہ کرنا اس کے اندر آ گیا۔ صرف وہی عورتیں اس میں نہیں آئیں جو پازیب پہن کر پاؤں زمین پر مارتی ہیں بلکہ وہ عورتیں بھی اس میں آ گئیں جو ایڑھی والے جوتے پہن کر پاؤں زمین پر مارتی ہیں، جس سے مردوں کو اپنی طرف متوجہ کرنا مقصود ہوتا ہے۔ اپنی زینت کا اظہار اور اپنے حسن کی نمائش پیش نظر ہوتی ہے۔

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

" المرأة إذا استعطرت فمرت بالمجلس فهي كذا و كذا يعني زانية. "

(سنن ترمذی: ابواب الاستيذان، باب ما جاء في كراهية خروج المرأة متعطرة: ۲/۱۰۶)

یعنی جب کوئی عورت عطر، خوشبو وغیرہ لگا کر مردوں کی مجلس سے گزرتی ہے تو وہ عورت ایسی ہے ویسی ہے، پھر وضاحت کر دی کہ وہ عورت زانیہ (جیسی گناہگار) ہے۔ زنا صرف شرمگاہ سے نہیں ہوتا، بلکہ زنا نظروں سے بھی ہوتا ہے، زبان سے بھی ہوتا ہے، ہاتھوں سے بھی ہوتا ہے، پیروں سے بھی ہوتا ہے۔

حدیث میں ہے:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

غلط نظروں سے دیکھنا آنکھوں کا زنا ہے، فحش باتیں کرنا زبان کا زنا ہے، ہاتھوں سے چھونا ہاتھوں کا زنا ہے اور پیروں سے برائی اور بدکاری کی طرف چل کر جانا پاؤں کا زنا ہے۔

(أبو داود: ۱/ ۲۹۹ باب ما یؤمر به من غضّ البصر)

لہٰذا زیب وزینت سے مقصد اگر اپنے شوہر کو خوش کرنا اور اسے اپنی طرف متوجہ کرنا ہو تو ہر زینت جائز ہے، لیکن اگر اجنبی مردوں کو متوجہ کرنا مقصد ہو تو حرام ہے۔

ایک افسوس ناک صورتحال دیکھنے میں آتی ہے کہ عورت گھر میں رہتی ہے تو ماسی بن کر، میلی کچیلی، گندے لباس میں رہتی ہے، لیکن مارکیٹ میں، بازار میں اور دوسروں کے گھروں میں جاتی ہے تو خوب بن سنور کر، حالانکہ اس کے برعکس ہونا چاہیے تھا باہر تو سادگی کے ساتھ جاتی اور گھر میں بن سنور کر رہتی۔

مردوں کے ساتھ مشابہت نہ ہو:

(۳) تیسری شرط یہ ہے کہ مردوں کے ساتھ مشابہت نہ ہو، یعنی ایسی زیب و زینت اختیار نہ کی جائے جس میں مردوں کے ساتھ مشابہت اختیار کرنا مقصود ہو۔ اسلام نے جس طرح مردوں کو منع کیا ہے کہ وہ عورتوں کے ساتھ مشابہت اختیار نہ کریں، اسی طرح عورتوں کو بھی روکا ہے کہ وہ مردوں کے ساتھ مشابہت اختیار نہ کریں، شریعت میں ایسی مشابہت اختیار کرنے پر سخت وعید بیان کی گئی ہے۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے:

" لعن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه و سلم المتشبهات بالرجال من النساء والمتشبهین بالنساء من الرجال."

(ترمذی: باب ما جاء فی المتشبهات بالرجال الخ: ۱۰۶/۲)

ترجمہ: ''رسول اللہ ﷺ نے ان عورتوں پر لعنت کی ہے جو مردوں کے ساتھ مشابہت کرتی ہیں اور ان مردوں پر بھی لعنت کی جو عورتوں کے ساتھ مشابہت کرتے ہیں۔''

اللہ تعالیٰ نے ہر دو صنف (مرد و عورت) کی حدود الگ الگ اور ہر ایک کے اغراض و مقاصد کو جدا جدا بنایا ہے۔ مرد اور عورت میں سے جو بھی ایک دوسرے کے ساتھ شکل و صورت میں، لباس میں، چال چلن میں، بولی ٹھولی وغیرہ میں مشابہت اختیار کرے گا تو اس سے وہ فطری اغراض ومقاصد فوت ہو جائیں گے جن کے لیے مرد و عورت کی تخلیق ہوئی تھی۔ دیکھیں آج مغربی تہذیب وتمدن میں عورت اس تشبہ کی وجہ سے ہی اپنے فطری مقاصد کھو چکی ہے۔ مغرب کی عورت بھی دوسری عورتوں کی طرح نوع انسانی کی تکثیر و تربیت کے لیے تھی، دل کے سکون کے لیے تھی، ایک سلیقہ شعار ماں اور ایک عفیفہ بیوی بننے کے لیے اور اس لیے پیدا کی گئی تھی کہ گھر کی چار دیواری کو اس سے زینت ہو اور گھریلو نظام اس کے دست و بازو کی حرکت پر قائم رہے۔

آج وہ گھر کا میدان چھوڑ کر مردانہ لباس میں کارخانوں میں، تجارت گاہوں میں اور ٹکٹ گھروں میں مزدوری تلاش کرنے لگی، سڑکوں اور تفریح گاہوں کے لئے رونق بننے لگی، اسکولوں اور کالجوں میں مردوں کے ساتھ کھڑی ہوگئی۔ ایسی صورتحال میں آپ انصاف سے بتلاؤ کہ کیا یہ وہی عورت ہے جس کو نسوانیت کیلئے پیدا کیا گیا تھا؟ اور جب ایسا ہوا تو وہ نہ

خالص عورت رہی اور نہ بالکل مرد ہی بن سکی بلکہ وہ ایک تیسری جنس ہوگئی جس کو خدا کی فطرت نے نہیں بلکہ انسان کی گمراہی نے اس جگہ لا کھڑا کیا۔ چنانچہ دیکھ لو آج اس تیسری قسم کی عورت کے نہ وہ جذبات رہے جو عورتوں کیلئے قدرت خداوندی نے عورت ہونے کی حیثیت سے رکھے تھے، نہ اس کے وہ فرائض ہی رہے جن کے لئے اس کو پیدا کیا گیا تھا اس کے احساسات بدل گئے، خیالات میں عظیم انقلاب پیدا ہو گیا، اب نہ اس کی عورتوں جیسی شکل وصورت رہی، نہ عورتوں جیسا لباس، نہ عورتوں جیسا دل حتی کہ اب تو رفتہ رفتہ آواز بھی تبدیل ہوگئی، پچھلے دنوں اخبار میں فیچر پڑھا، اس میں لکھا تھا کہ اب بہت سی عورتوں کی آواز سے نسوانیت نکل گئی ہے، ان کی آواز مردوں جیسی ہوگئی، ایسی عورتوں پر جناب رسول اللہ ﷺ نے نہایت سخت انداز میں لعنت فرمائی۔ چنانچہ حدیث شریف میں ارشاد ہے:

" لعن رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم الرجل يلبس لبسة المرأة والمرأة تلبس لبسة الرّجل (وفي رواية) ليس منامن تشبة بالرّجال من النساء ولا من تشبه بالنساء من الرجال."

(أبو داؤد، باب في لباس النساء: ۲/۲۱۰)

ترجمہ! رسول اللہ ﷺ کی لعنت ہو اس مرد پر جو عورتوں جیسا لباس پہنے اور اس عورت پر جو مردوں جیسا لباس پہنے۔ (اور ایک روایت میں ہے) وہ مرد ہم میں سے نہیں ہے جو عورتوں سے تشبہ کرے اور وہ عورت ہم میں سے نہیں ہے جو مردوں سے تشبہ اختیار کرے۔

آج عورت یہ سمجھتی ہے کہ مردوں جیسا لباس پہنوں گی تو اچھی لگوں گی، مردوں جیسی چال چلوں گی، مردوں جیسے بال بناؤں گی تو اچھی لگوں گی، حالانکہ ایسا نہیں۔ اللہ نے عورت

کاحسن عورت ہونے میں رکھا ہے،اس کی نسوانیت میں اس کا حسن پوشیدہ ہے۔

کفار وفساق سے تشبہ نہ ہو:

(٤) چوتھی شرط یہ ہے کہ کفار وفساق کے ساتھ تشبہ نہ ہو۔ اسلام نے زیبائش وآرائش کی آجازت تو دی لیکن اس میں کفار وفساق کے ساتھ تشبہ کی اجازت نہیں دی۔

تشبہ اور مشابہت میں فرق:

یادرکھیں! ''تشبہ'' اور ''مشابہت'' میں فرق ہے اس کو سمجھ لینا ضروری ہے۔ ''تشبہ'' اسے کہتے ہیں کہ کوئی شخص قصد واختیار سے دوسری ملت والوں جیسا بننے کی کوشش کرے اور ''مشابہت'' یہ ہے کہ ان جیسا بننے کا قصد وارادہ تو نہیں تھا لیکن بلاقصد اتفاقاً ان کے ساتھ مشابہت ہوگئی۔ مثال کے طور پر جیسا لباس ہم پہنتے ہیں ویسا لباس ہندو میں پہنتے ہیں تو ایسا تھوڑا ہے کہ ہم ہر اس لباس کو ترک کریں جو ہندو پہنتے ہیں وہ قمیص پہنتے ہیں ہم قمیص پہننا چھوڑ دیں۔ وہ شلوار پہنتے ہیں ہم شلوار پہننا چھوڑ دیں...... اسلام ہم سے اس کا مطالبہ ہرگز نہیں کرتا، لیکن احساس کمتری کا شکار ہو کر غیروں کی مشابہت اختیار کرنا اور بات ہے۔ ان سے تشبہ اس لئے کرتا ہے کہ اسے مسلمانوں کی تہذیب اچھی نہیں لگتی۔ مسلمانوں کی ثقافت اچھی نہیں لگتی، انگریزوں کی تہذیب وثقافت انگریزوں کا لباس انگریزوں کی معاشرت انگریزوں کی شکل وصورت اسے اچھی لگتی ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کا حکم یہ ہے کہ مسلمان، کفار جیسے نہ بن جائیں:

﴿ وَلَا يَكُونُوا كَالَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْأَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوبُهُمْ ۖ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ فَاسِقُونَ ﴾

(سورة الحديد: ١٦، پ ٢٧)

ترجمہ: ''اور وہ (مؤمنین) ان لوگوں کی طرح نہ ہوجائیں جن کو ان سے پہلے کتاب ملی تھی پھر ان پر ایک لمبا زمانہ گزرا، پھر ان کے دل سخت ہوگئے، اور بہت سے آدمی ان میں سے کافر ہیں۔''

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى ﴾

(سورۃ الاحزاب: ٦٩، پ ٢٢)

ترجمہ: ''اے ایمان والو! تم ان لوگوں کی طرح مت ہونا جنھوں نے موسیٰ (علیہ السلام) کو ایذا دی تھی۔''

ایک اور جگہ فرمایا:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا ﴾

(سورۃ آل عمران: ١٥٦، پ ٤)

ترجمہ: ''اے ایمان والو! ان لوگوں کی طرح مت ہوجانا جو منکر ہوگئے۔''

پہلی آیت میں تمام اہل کتاب، دوسری میں یہود اور تیسری میں تمام کفار کی طرح ہوجانے، ان کی موافقت اور ان کی اتباع سے روکا گیا ہے۔ اس سے مقصود کفار کے ساتھ تشبہ کرنے سے روکنا ہے، ورنہ مطلقاً کفر سے روکنا ان الفاظ میں بھی ممکن تھا کہ کفر نہ کرو یا کافر نہ بنو، کافر ہوجانا اور چیز ہے اور کافروں کی مشابہت اختیار کرنا اور چیز ہے، ایک کھلم کھلا غیر مسلم اور کافر اسلام اور اس کی مخصوص تہذیب وثقافت کو اتنا نقصان نہیں پہنچ سکتا جتنا کہ وہ مسلمان نقصان پہنچاتا ہے جو کافر نما بن کر اسلام کا دعویٰ کرتا ہے کیونکہ پہلی صورت میں

اسلام اور کفر الگ الگ نمایاں رہتے ہیں اور اس دوسری صورت میں اسلام اور کفر میں التباس اور اختلاط ہو جاتا ہے اس لیے کفار کے ساتھ تشبہ سے منع کیا گیا ہے تاکہ یہ التباس ختم ہو جائے اور اسلام اور کفر دونوں الگ نظر آئیں۔

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

"لیس منا من تشبه بغیرنا، لا تشبهوا بالیهود ولا بالنصاری."

(ترمذی، باب ما جاء فی کراهیة اشارة الید فی السلام: ۹۹/۲)

ترجمہ: ''جس نے غیروں کے ساتھ تشبہ اختیار کی وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ یہود و نصاریٰ کے ساتھ تشبہ اختیار مت کرو۔''

ایک دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا:

"من تشبه بقوم فهو منهم."

(أبو داؤد، باب فی لبس الشهرة، ۲۰۳/۲)

یعنی جو بھی احساسِ کمتری کا شکار ہو کر، جان بوجھ کر غیروں سے مشابہت اختیار کرتا ہے وہ انہی میں سے ہے۔ زنار ایک ہار ہی تو ہے، مسلمان بھی ہار پہنتے ہیں اور ہندو بھی پہنتے ہیں، لیکن اگر کوئی عورت یا مرد زنار اس لیے گلے میں ڈالتا ہے کہ ہندوؤں کے ساتھ میری مشابہت ہو جائے تو یہ ناجائز اور حرام ہے۔

آج ٹی وی، وی سی آر، کیبل، سی ڈیز اور ان پر دکھائی جانے والی فلموں کی نحوست کی وجہ سے ہماری بیٹیاں

ہندوؤں کی تہذیب سے...... انگریزوں کی ثقافت سے...... ان کے رہن سہن سے

......ان کی شکل وصورت سے......ان کے لباس سے......

مرعوب ہو رہی ہیں......احساسِ کمتری کا شکار ہیں۔

اللہ کی بندیو! مسلمان کی سیرت تو ہمارے پاس رہی نہیں، صورت تو رہنے دو......اصل تو رہی نہیں نقل تو رہنے دو، اس سے کیوں محروم ہوتی ہو؟ شاید حضور جیسی صورت پر ہی اللہ تعالیٰ کو پیار آجائے۔ حضور ﷺ کی ازواجِ مطہرات، حضور ﷺ کی بیٹیوں اور صحابیات جیسے لباس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ہماری مغفرت فرمادے۔

خواجہ عزیز الحسن مجذوب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ترے محبوب کی یارب! شباہت لے کر آیا ہوں
حقیقت اس کو تو کر دے میں صورت لے کر آیا ہوں

فخر ومباہات اور شہرت مقصود نہ ہو:

پانچویں شرط یہ ہے کہ اس زیبائش اور آرائش کے اندر فخر ومباہات اور شہرت مقصود نہ ہو، لہٰذا ایسا لباس کہ دل میں نیت یہ ہے کہ محفل اور تقریب میں پہن کر جاؤں گی تو دوسری دیکھ کر جل جائے گی اور میری واہ واہ ہوجائے گی تو یہ ناجائز ہے۔

زیور دکھانے کا مرض عورتوں میں بہت ہوتا ہے اور اگر کسی کو پتہ چلے تو مختلف ترکیبوں اور تدبیروں سے بتاتی ہیں کہ ہم زیور پہنے ہوئے ہیں، مثلاً بیٹھے بیٹھے گرمی کا بہانہ کر کے ایک دم کان اور گلا کھول دیں گی؟

جنابِ رسول اللہ ﷺ نے سخت لہجہ میں شہرت والا لباس پہننے کی مذمت بیان کی، فرمایا:

" من لبس ثوب شهرة في الدنيا البسه الله ثوب مذلة يوم القيامة ثم الهب فيه ناراً." (سنن ابن ماجه: كتاب اللباس، باب من لبس شهرة من الثياب: صـ ٢٥٧)

یعنی جس نے دنیا میں شہرت والا لباس پہنا اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن ذلت والا لباس پہنائیں گے اور پھر اس میں آگ بھڑکا دی جائے گی۔

ایک اور حدیث میں ارشاد ہے:

" كلوا و شربوا و تصدقوا و البسوا ما لم يخالطه إسراف او مخيلة."

(حوالۂ بالا، باب البس ماشئت الخ)

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کھاؤ، پیو اور صدقہ کرو اور لباس پہنو بشرطیکہ اس کے اندر اسراف اور فضول خرچی نہ ہو یا اس کے اندر تکبر اور فخر و مباہات اور شہرت مقصود نہ ہو۔

یہ حکم اور یہ وعید صرف عورتوں کے لیے نہیں بلکہ ان مردوں کے لیے بھی ہے جو لباس اس لیے پہنتے ہیں کہ ان کی دولت کی، ان کی لباس پوشی کی شہرت ہو جائے اور دوسرے لوگ انہیں دیکھ کر اپنے آپ کو کمتر سمجھنے لگیں۔ ایسا لباس پہننے والے مرد اور عورت کو قیامت کے دن ذلت والا لباس پہنایا جائے گا۔

میری بہنو اور بیٹیو! اچھے سے اچھا لباس اور، قیمتی سے قیمتی لباس پہنو، لیکن کسی کا دل جلانا مقصود نہ ہو...... کسی کو مرعوب کرنا مقصود نہ ہو...... کسی کو احساسِ کمتری میں مبتلا کرنا مقصود نہ ہو۔ بلکہ دل میں نیت یہ ہو کہ اے اللہ! یہ تیری دی ہوئی نعمت ہے اور تیرے نبی (ﷺ) کا حکم ہے۔

"ان اللّٰہ یحب ان یری اثر نعمتہ علی عبدہ۔"

(مشکوٰۃ، کتاب اللباس: ۲/۳۷۵)

یعنی جو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتیں ہیں، اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ وہ بندے کے جسم پر بھی نظر آئیں،

اور میں اس لیے یہ لباس پہنتی ہوں کہ میرا شوہر خوش ہو جائے جب یہ نیت ہوگی تو وہ لباس ثواب کا باعث ہوگا، لیکن اگر شہرت مقصود ہوگی تو وہ لباس قیامت کے دن ذلت کا باعث ہوگا۔

فضول خرچی نہ ہو:

زیب وزینت کیجیے اور ضرور کیجیے لیکن اس میں اعتدال کو ملحوظ رکھیے، فضول خرچی نہ کی جائے۔

چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا﴾

(سورۃ الفرقان: ٦٧، پ ١٩)

ترجمہ: ''اور جب خرچ کرنے لگتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ تنگی کرتے ہیں اور ان کا خرچ اس کے درمیان اعتدال پر ہوتا ہے۔''

ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ﴾ (سورۃ الانعام: ١٤١، پ ٨)

ترجمہ: ''اور بے جا خرچ نہ کرو، اس (اللہ) کو خوش نہیں آتے بے جا خرچ کرنے

والے۔"

آج کل یہ جو رواج ہو چکا ہے کہ سو سو جوڑے جمع کر لینا، ایک ایک جوڑے پر دس، دس ہزار خرچ کر دینا، ایک جوڑا ایک دفعہ پہن کر چھوڑ دینا، چار دفعہ پہن کر پھینک دینا، کیا یہ اسراف اور فضول خرچی نہیں؟ اللہ تعالیٰ نے مال اسی لیے دیا کہ محض لباس کی تراش خراش پر...... بالوں کے بنانے سنوارنے پر...... میک اپ پر...... سرخی، پاؤڈر پر خرچ کر دیا جائے؟ کیا یہ مال اسی لیے دیا گیا ہے؟ کتنے ہی مسلمان ہیں جو بھوکے سوتے ہیں، کیا آپ کے مال میں ان کے لیے بھی کچھ حصہ ہے یا نہیں؟ کیا اسلام کی اشاعت کے لیے......

دین کی حفاظت کے لیے......

قرآن کی تعلیم کے لیے......

حدیث کے درس کے لیے......

آپ کے مال میں کچھ حصہ ہے؟ کیا دلوں کو بنانے کے لیے بھی کچھ حصہ ہے؟ یا صرف اپنے جسم کو بنانے کے لیے سب کچھ ہے؟؟؟

افسوس! آج انسان کی نظر باطن کو بنانے سے زیادہ ظاہر کے بنانے پر لگی ہوئی ہے۔ دل کو بنانے سے زیادہ صورت کو بنانے پر توجہ ہے۔ دل کے داغ کسی کو نظر نہیں آتے، چہرے کے داغ ہر ایک کو دکھائی دیتے ہیں۔

خدارا! جہاں شرعی حدود میں رہتے ہوئے اپنے ظاہر کو بنانے کی کوشش کرتے ہو اسی طرح اپنے دل کو بھی بنانے کی کوشش کرو۔

میری بہنیں اور بیٹیاں صورت بنانے کی بجائے سیرت پر زیادہ توجہ دیں۔ میرے

سامنے ایسی مثالیں ہیں کہ بڑی اچھی صورت والی لڑکیوں کے گھر اجڑ گئے لیکن وہ جو سیرت والی تھیں اگر چہ صورت والی نہ تھیں، اللہ تعالیٰ نے ان کے گھر کو آباد کر دیا، اس لیے اپنی سیرت و کردار پر اور اعمال واخلاق پر زیادہ توجہ دیں۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔

وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العلمین

حدود وتعزیرات کا اسلامی تصور

الحمدلله وحده والصلوة والسلام علی من لا نبی بعده، أما بعد!

فأعوذ بالله من الشیطن الرجیم

بسم الله الرحمن الرحیم

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّةً ۖ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَکُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ

صدق الله العظیم۔

(سورۂ بقرة: ۲۰۸، پ ۲)

اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے، یہ صرف عقائد اور چند عبادات کا مجموعہ نہیں بلکہ اس میں معاملات اور اخلاق کے بارے میں اور جرائم کے ارتکاب کی صورت میں سزاؤں کے بارے میں بھی تعلیمات دی گئی ہیں۔

سزا کا تصور ہر انسانی معاشرہ میں پایا جاتا ہے۔ اس لیے کہ جہاں انسان ہوگا وہاں گناہ اور جرم بھی ہوسکتا ہے۔ معصوم صرف انبیائے کرام علیہم السلام ہیں۔ انبیائے کرام علیہم السلام کے علاوہ جتنے بھی انسان ہیں خواہ وہ کتنے ہی نیک کیوں نہ ہوں ان سے جرم اور گناہ کا ارتکاب ممکن ہے۔ جب جرم ہوگا تو سزا بھی دی جائے گی۔ لیکن خود یہ بات کہ جرم کیا ہے اور کیا نہیں؟ کون سا عمل گناہ ہے اور کون سا عمل گناہ نہیں؟ اس کے بارے میں ہر معاشرے کا اپنا اپنا پیمانہ ہے، اپنا اپنا معیار ہے، سوچنے کا اپنا اپنا انداز ہے۔ مثال کے طور پر غیر مسلم معاشرے میں زنا بالرضا کوئی گناہ نہیں، البتہ زنا بالجبر کو وہ گناہ شمار کرتے ہیں لیکن اسلام کے

اندر زنا کسی بھی صورت میں کیوں نہ ہو، خواہ رضا کے ساتھ ہو یا جبر کے ساتھ ہو، یہ گناہ ہے۔
پھر یہ کہ کون سے جرم پر کیا سزا دی جائے گی؟ اسلام نے جرائم اور اُن کی سزاؤں کو تین صورتوں میں تقسیم کیا ہے:

جرائم کی پہلی قسم:

پہلی قسم ان جرائم کی ہے جن کی سزائیں اللہ اور اللہ کے رسول نے ہمیشہ کے لیے متعین فرمادی ہیں اور اُن سزاؤں میں کسی بھی حاکم، کسی بھی قاضی، کسی بھی جماعت اور کسی بھی معاشرے کو کسی قسم کی تبدیلی کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ ایسے جرائم جن کی سزا اللہ اور اس کے رسول نے ہمیشہ کے لیے متعین فرمادی ہے وہ صرف چھ ہیں اور ان سزاؤں کو ''حدود'' کہا جاتا ہے۔ گویا حدود صرف چھ ہیں۔ بہت سے لوگ یہ نہیں جانتے کہ حدود کتنی ہیں؟ جہالت کے باوجود اس بارے میں بحث کرنا شروع کر دیتے ہیں۔

حدود کی تعداد:

کافی عرصہ پہلے کی بات ہے میں بھی اُس وقت نیا نیا پڑھ کر فارغ ہوا تھا۔ بحث و مناظرہ کا آج بھی مزاج نہیں ہے۔ اس وقت بھی مزاج نہیں تھا۔ ایک صاحب سے بات چیت ہوئی وہ نہ صرف یہ کہ موجودہ علماء کو ہدفِ تنقید بنا رہے تھے بلکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ پر بھی تنقید کر رہے تھے...... بڑے دھڑلے کے ساتھ، بڑی بے باکی کے ساتھ...... بات چیت ہوتی رہی۔ اچانک میں نے اُن سے یہ سوال کر لیا کہ حدود کتنی ہیں؟ کہنے لگے کہ بہت ساری ہیں۔ میں نے کہا چند ایک بتا دیں۔ کہنے لگے ایک مجلس میں تھوڑی بتائی جا سکتی ہیں۔ حدود تو بے شمار ہیں۔ میں نے اُن کی خدمت میں عرض کیا کہ اللہ کے بندے! حدود تو اتنی

ہیں کہ ہاتھ کی انگلیوں پر گنی جا سکتی ہیں۔ آپ کو حدود اللہ کا تو پتا نہیں ہے اور آپ تنقید کر رہے ہیں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر!...... کسی آزاد خیال کا، کسی مخالفِ علماء کا لیکچر، بیان یا تقریر سن کر آ گئے اور تنقید شروع کر دی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر، جن کے ماننے والے اور جن کی فقہ پر چلنے والے اس وقت دنیا میں سب سے زیادہ ہیں اور کروڑوں کی تعداد میں ہیں۔

جن جرائم کی سزائیں ہمیشہ کے لیے متعین کر دی گئی ہیں وہ چھ ہیں:

(۱) چوری

(۲) ڈاکہ زنی

(۳) قذف (یعنی تہمت لگانا)

(۴) شراب نوشی

(۵) ارتداد (یعنی اسلام قبول کرنے کے بعد اسلام سے پھر جانا)

(۶) زنا

انہیں حدود اللہ کہا جاتا ہے اور ان کی مقدار اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کتاب وسنت میں ہمیشہ کے لیے متعین کر دی ہے۔ اس لیے کہ یہ گناہ ایسے تھے کہ اگر ان کی سزا متعین نہ کی جاتی تو اندیشہ تھا کہ مجرم جری ہو جاتے اور ان کی دیکھا دیکھی مجرموں کی ایک بڑی کھیپ اور بڑی جماعت تیار ہو جاتی۔

کیا آپ نہیں دیکھ رہے آج جب زنا کے مجرموں کو سزا نہیں دی جاتی تو اُن کے حوصلے اتنے بڑھ جاتے ہیں اور ان کے اندر بُرائی کے جراثیم ایسے سرایت کر جاتے ہیں کہ وہ صرف

زنا بالاختیار اور زنا بالرضا پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ زنا بالجبر کی صورتیں ڈھونڈتے ہیں۔ ان میں ایسے بھی ہیں جو حیوانوں تک کے ساتھ بدکاری کرتے ہیں۔ ایسے بھی ہیں جو معصوم بچیوں اور بچوں کو اپنی ہوس کا نشانہ بناتے ہیں۔ جب چوروں اور مجرموں کو سزا کا خوف نہیں رہتا تو اُن کا حال یہ ہو جاتا ہے کہ وہ چوری اور جرم کو ایک پیشے کے طور پر، ایک ذریعۂ معاش کے طور پر اختیار کر لیتے ہیں اور پھر کتنے ہی بے روزگار آوارہ نوجوان ہیں جو چوروں اور ڈاکوؤں کی عیش و عشرت اور اُن کے معیارِ زندگی کی بلندی اور دولت کی ریل پیل کو جب دیکھتے ہیں تو اُن کے دل میں بھی چور اور ڈاکو بننے کے عزائم انگڑائیاں لینے لگتے ہیں۔ اچھے اچھے گھرانوں اور بظاہر نیک پس منظر رکھنے والے نوجوان بھی دوسروں کی دیکھا دیکھی چوری اور ڈکیتی کو اپنا ذریعۂ معاش بنا لیتے ہیں۔ اللہ نہ کرے آپ کو کسی چور اچکے سے واسطہ پڑے اگر ایسا ہو جائے تو آپ دیکھیں گے کہ وہ اسے اپنا بزنس سمجھتے ہیں اور چھینا جھپٹی کو اپنا حق سمجھتے ہیں، جو شخص ان کے حکم کی تعمیل میں ذرا سی تاخیر کرے اسے مجرم اور قابل گردن زدنی سمجھتے ہیں، لہٰذا سوسائٹی میں ان جرائم کے جراثیم کی روک تھام کے لیے اسلام نے ان چھ جرائم کی سزا متعین کر دی ہے اور انہیں حدود کہا جاتا ہے۔

جرائم کی دوسری قسم:

دوسری قسم ان جرائم کی ہے جن کی سزا تو اللہ نے متعین فرمائی ہے لیکن متاثرہ پارٹی اور متاثرہ فرد کو اُس میں تبدیلی کا اختیار بھی دیا ہے۔ جیسے قتلِ عمد یا کسی کو زخمی کر دینا، کسی کی آنکھ پھوڑ دینا، کسی کا دانت توڑ دینا، کسی کی ناک توڑ دینا اور کسی کے چہرے پر زخم لگا دینا۔ یہ جرائم ایسے ہیں کہ ان کی سزا اللہ نے خود متعین فرمائی ہے۔

قتل کے بارے میں فرمایا:

﴿ یٰٓأیھا الذین امنوا کتب علیکم القصص فی القتلیٰ الحر بالحر والعبد والعبد والأنثی بالأنثی ﴾ (سورة البقرة: ۱۷۸، پ ۲)

ترجمہ: ''اے ایمان والو! مقتولوں کے بارے میں تم پر قصاص فرض کردیا گیا، آزاد کے بدلے آزاد، غلام کے بدلے غلام، عورت کے بدلے عورت۔'' (سورۂ بقرہ)

زخموں کے بارے میں فرمایا:

﴿وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنفَ بِالْأَنفِ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ﴾

(سورة المائدة: ٤٥، پ ٦)

ترجمہ: ''ہم نے ان پر فرض کردیا تھا، جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ، ناک کے بدلے ناک، کان کے بدلے کان اور زخموں میں مساوات۔''

اب یہ سزا تو متعین کردی، لیکن حق دیا مقتول کے ورثاء کو کہ اگر تم چاہو تو قتل کے بدلے قتل نہ کرو بلکہ دیت لے لو۔ اور اگر دیت بھی نہیں لیتے، معاف ہی کردو تو یہ بہت ہی اچھا ہے۔ فرمایا کہ

﴿ذَٰلِكَ تَخْفِيفٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ﴾ (سورة البقرة: ۱۷۸، پ ۲)

ترجمہ: ''یہ تمہارے رب کی طرف سے تخفیف، آسانی، رحمت اور مہربانی ہے۔''

اللہ نے یہ نہیں کہا کہ ہر صورت میں جان کے بدلے جان ہی ضروری ہے بلکہ اگر جان کے بدلے دیت لینا چاہیں، لے سکتے ہیں۔ اگر معاف کرنا چاہیں تو معاف کرسکتے ہیں۔

بعض اوقات قتل کی ایسی صورتیں وقوع پذیر ہو جاتی ہیں کہ تحقیق کرنے سے پتا چلتا ہے کہ واقعی یہ قاتل کی طرف سے ایک ہنگامی اور جذباتی قسم کا عمل تھا سوچا سمجھا قتل کرنے کا فیصلہ نہ تھا۔ بعض اوقات ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ قاتل کے بچے یتیم ہونے کا خطرہ ہو جبکہ بچے ہوں بھی چھوٹے!

اس کے والدین کے بے سہارا ہونے کا خطرہ......

گھر میں کوئی اور ہے نہیں کمانے والا......

اس لیے ترغیب دی گئی کہ اگر تم معاف کر دو اپنے بھائی کو تو یہ زیادہ بہتر ہے۔

تو جرائم کی یہ دوسری قسم ہے جس میں اللہ نے سزا تو متعین کی ہے مگر اس میں متاثرہ فریق کو رد و بدل کا اختیار دیا ہے۔

جرائم کی تیسری قسم:

جرائم کی تیسری صورت یہ ہے کہ اللہ نے جرم کی کوئی سزا متعین نہیں فرمائی، بلکہ وقت کے حاکم، وقت کے قاضی اور وقت کے جج کی صوابدید پر چھوڑ دیا کہ زمان اور مکان دیکھ کر، حالات اور اسباب دیکھ کر، منظر اور پس منظر دیکھ کر، جرم اور جرم کی نوعیت کو دیکھ کر تم جو چاہو سزا تجویز کر سکتے ہو۔ ان سزاؤں کو تعزیرات کہا جاتا ہے۔ کتب فقہ میں لکھا ہے کہ تعزیر یہ بھی ہو سکتی ہے کہ قاضی کسی کو برسر مجلس ڈانٹ دے، یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اُس کے کان کھینچ لے، یہ بھی ہو سکتی ہے اُس کو تھپڑ مار دے، یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اسے برسر عام چند کوڑے لگوا دے اور یہ بھی ہو سکتی ہے کہ قاضی مجرم کو قتل کرنے کا حکم دیدے۔

تعزیرات کا باب بڑا وسیع ہے۔ اور آپ نے دیکھا کہ حدود کے جو چھ جرائم ہیں ان کی

سزا متعین ہوئی قتل کی سزا متعین ہوئی اور ان چھ جرائم کے علاوہ جتنے بھی جرائم ہیں ظاہر ہے کہ سینکڑوں اور ہزاروں قسم کے جرائم ہو سکتے ہیں۔ ازدواجی زندگی کے بارے میں جرائم ہو سکتے ہیں، طلاق کے بارے میں جرائم ہو سکتے ہیں، مالی معاملات کے جرائم ہو سکتے ہیں، خرید وفروخت کے جرائم ہو سکتے ہیں، دوکان اور مارکیٹ کے جرائم ہو سکتے ہیں، ٹریفک کے جرائم ہو سکتے ہیں۔ سینکڑوں اور ہزاروں قسم کے جرائم وہ ہیں جن کی سزا شریعت نے متعین نہیں کی ہے بلکہ قاضی، جج اور حاکم کی صوابدید پر چھوڑ دیا۔

البتہ علماء فرماتے ہیں چوں کہ اس زر پرستی، دولت پرستی اور سفارش کے چلن کے دور میں ممکن ہے کہ جج کسی کی چمک دمک سے متاثر ہو جائے۔ بگڑی سفارش سے متاثر ہو جائے، بڑی کرسی سے متاثر ہو جائے، مشہور خاندان سے متاثر ہو جائے لہٰذا حکومت یہ کرسکتی ہے کہ مختلف جرائم کی سزاؤں کا تعین قاضی کی صوابدید پر چھوڑنے کی بجائے خود اُن کے لیے قانون سازی کر دے۔ جیسا کہ آج کل ایسا ہی ہوتا ہے۔ مختلف جرائم کے لیے قانون سازی کر دی گئی ہے یا بوقتِ ضرورت کر دی جاتی ہے۔ تو یہ تین قسم کے جرائم ہیں اور ان پر تین قسم کی سزائیں ہیں، یعنی:

(۱) حدود (۲) قصاص اور دیت (۳) تعزیرات

چور کی سزا قرآن کی نظر میں:

سورۂ مائدہ کی آیت نمبر ۳۸ میں ہے:

﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾ (پ ۶)

ترجمہ: ''چوری کرنے والا مرد اور چوری کرنے والی عورت ان کے ہاتھ کاٹ دو۔ یہ سزا ہے اُس جرم کی جو انہوں نے کیا اور اللہ کی طرف سے لوگوں کے لیے اس میں عبرت کا سامان ہے اور اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔''

عام طور پر قرآن کا انداز یہ ہے کہ قرآن کوئی حکم یا کوئی قانون مردوں کے لیے بیان کرتا ہے اور عورتیں اس میں خود بخود شامل ہو جاتی ہیں۔ لیکن جب اللہ نے چوری اور زنا ان دو جرموں کی سزا بیان فرمائی تو مرد کا ذکر الگ کیا اور عورت کا ذکر الگ کیا تاکہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ شاید مرد کو تو چوری اور زنا کی سزا دی جائے گی لیکن عورت کو کمزور ہونے کی وجہ سے سزا نہیں دی جائے گی۔ اللہ نے صراحۃً فرمایا چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت دونوں کے ہاتھ کاٹے جائیں۔ البتہ یہ امر ملحوظ رکھا کہ جہاں چوری کی سزا ذکر فرمائی تو مرد کا ذکر پہلے اور عورت کا ذکر بعد میں فرمایا اور جہاں زنا کی سزا ذکر فرمائی (سورۂ نور میں الزانیۃ والزانی) تو وہاں عورت کا ذکر پہلے کیا اور مرد کا ذکر بعد میں کیا۔ اس لیے کہ چوری چکاری میں عام طور پر مرد ملوث ہوتے تھے۔ عورتیں شاذ و نادر چوری کا ارتکاب کیا کرتی تھیں۔ ہمارے آقا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں، آپ کی حیاتِ طیبہ میں ایک عورت چوری کرتے ہوئے پکڑی گئی اور اتفاق سے اُس عورت کا نام بھی فاطمہ تھا۔ آپ نے فیصلہ فرمایا کہ اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے۔ بڑے قبیلہ کی وہ خاتون تھیں۔ لوگوں نے کہا کہ کسی طریقہ سے سفارش کرائی جائے۔ کیوں کہ اگر ہمارے قبیلہ کی اس خاتون کا ہاتھ کٹ گیا تو اور معاشرہ میں ہماری ناک کٹ جائے گی۔ اب سفارش کون کرے؟ نگاہیں دوڑائیں تو جا کر نظر ٹھہری حضرتِ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ پر۔ حضور اکرم صلی

اللہ علیہ وسلم کے منہ بولے بیٹے حضرت زید کے بیٹے حضرت اسامہ! اس سے آپ یہ بھی اندازہ لگائیں کہ اسلام نے غلاموں کو کیا مقام دیا تھا۔ حضرت زید آزاد کردہ غلام تھے۔ ایک طرف تو آپ نے اُن کو عزت دی۔ منہ بولا بیٹا بنا کر اور پھر جیسے زید سے محبت تھی زید کے بیٹے اسامہ سے بھی بے پناہ محبت تھی۔ یہاں تک کہ جب بنومخزوم کے لوگوں نے کوئی سفارشی تلاش کرنا چاہا تو نظر ٹھہری حضرت زید کے بیٹے حضرت اسامہ پر۔

یہ سفارش کرے تو بات بن سکتی ہے۔

جانتے تھے اُن کے ساتھ حضور کی محبت کو۔ اللہ اکبر!

حضرت اسامہ کو تیار کیا سفارش کے لیے۔ ڈرتے جھجکتے اُن کے اصرار پر دربار رسالت میں حاضر ہو گئے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسامہ کی زبان سے سفارش کے الفاظ سنے تو آپ کے چہرۂ انور کا رنگ متغیر ہو گیا۔ غصہ کی سرخی چھا گئی اور آپ نے فرمایا:

" اتشفع فی حد من حدود اللّٰہ."

کیا اللہ کی حدوں میں سے ایک حد کے بارے میں تم سفارش کر رہے ہو؟ حدود اللہ کے بارے میں سفارش؟

''تم سے پہلے جو قومیں تھیں وہ اسی لیے تباہ ہو گئیں کہ جب اُن کا کوئی کمزور اور ضعیف جرم کرتا تھا تو اُسے سزا دی جاتی تھی اور جب بڑا اور طاقتور جرم کرتا تھا تو سفارش کے زور پر بچ جاتا تھا۔''

''اللہ کی قسم! اگر محمد کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں اُس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا۔''

(صحیح مسلم: صـ ٦٤، کتاب الحدود، باب حد السرقة و نصابها)

یہ تھا اسلام کا وہ قانونِ عدل اور نظامِ مساوات اور اُس کا عملی نفاذ جس کی وجہ سے بڑے بڑے خاندانوں سے تعلق رکھنے والے مجرم بھی یہ جانتے تھے کہ اگر ہم نے جرم کیا تو ہم پر بھی اسلام کا قانون جاری ہوگا۔

پھر ایک زمانہ تھا جب عورتوں سے چوری کا جرم شاذ و نادر صادر ہوتا تھا۔ مگر آج ہمارے ماڈرن، ترقی یافتہ اور تعلیم یافتہ دور میں جہاں عورت ہر میدان میں مرد کے ساتھ کندھا ملا کر چل رہی ہے۔ آپ اخبارات دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے چوری اور ڈکیتی میں بھی عورت مرد کے ساتھ کندھا ملا کر چل رہی ہے، کئی گھروں میں وارداتیں عورتوں کے ذریعے ہوتی ہیں، گزشتہ سال ایک نوجوان کار چھینتے ہوئے پکڑا گیا، گرفتاری کے بعد پتہ چلا کہ وہ تو لڑکی ہے جس نے چہرے پر سیفٹی ریزر چلا چلا کر کچھ بال نکال لیے تھے۔

دوسری حد:

دوسری حد ڈکیتی اور راہزنی کی ہے۔

سورۂ مائدہ کی آیت نمبر ۳۳ میں اللہ نے اس کی سزا ذکر فرمائی:

﴿إِنَّمَا جَزَٰٓؤُا۟ ٱلَّذِينَ يُحَارِبُونَ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ وَيَسْعَوْنَ فِى ٱلْأَرْضِ فَسَادًا أَن يُقَتَّلُوٓا۟ أَوْ يُصَلَّبُوٓا۟ أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُم مِّنْ خِلَٰفٍ أَوْ يُنفَوْا۟ مِنَ ٱلْأَرْضِ ۚ ذَٰلِكَ لَهُمْ خِزْىٌ فِى ٱلدُّنْيَا ۖ وَلَهُمْ فِى ٱلْءَاخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾

(سورة المائدة: ٣٣، پ ٦)

اُن لوگوں کی سزا جو اللہ اور اُس کے رسول کے ساتھ جنگ کرتے ہیں اور زمین میں فساد مچاتے ہیں اُن کی سزا یہ ہے کہ اُنہیں قتل کیا جائے یا سولی چڑھایا جائے یا اُلٹی جانب سے ہاتھ

پاؤں کاٹ دیئے جائیں یا زمین سے اُن کو نکال دیا جائے یہ تو دنیا کی زندگی میں ذلت اور رسوائی ہے لیکن یہ مت سمجھیں کہ اگر دنیا کی سزا ان پر جاری کردی گئی تو وہ آخرت کی سزا سے بچ جائیں گے۔ اُن کے لئے آخرت میں بڑا عذاب ہے۔ سوائے اُن کے جو توبہ کرلیں، ان پر قابو پائے جانے سے پہلے پس جان لو کہ اللہ بڑا بخشنے والا انتہائی مہربان ہے۔

رہزنی اور چوری میں فرق کیا ہے؟ چوری میں یہ ہوتا ہے کہ کوئی شخص کسی کا مال خفیہ طریقے سے اڑا لیتا ہے اور رہزنی میں یہ ہوتا ہے کہ طاقت کے زور پر، اسلحہ کی نمائش کرکے، دوسرے کو دبا کر، سینہ زوری کے ساتھ اُس کا مال ہتھیا لیا جاتا ہے۔ قرآن وسنت کی روشنی میں اس کی چار صورتیں مقرر ہیں جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

(۱) پہلی صورت یہ کہ ڈاکوؤں کے کسی گروہ نے طاقت کے زور پر دہشت پھیلائی، کسی کو دبا لیا، لیکن نہ مال لوٹ سکے نہ کسی کو قتل کر سکے تو اُن کی سزا یہ ہے کہ اُن کو جیل میں رکھا جائے جب تک کہ وہ توبہ نہ کرلیں۔

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ ڈاکوؤں نے مال لوٹا مگر کسی کو قتل نہیں کیا، اس کی سزا یہ ہے کہ ایک طرف کا ہاتھ اور دوسری طرف کا پاؤں کاٹ دیا جائے۔

(۳) تیسری صورت یہ ہے کہ ڈاکوؤں نے کسی کو قتل کیا مگر مال نہیں لوٹا۔ اس صورت میں سارے ڈاکوؤں کو چاہے وہ ایک ہوں یا دس ہوں اور قتل ہونے والا ایک ہو یا دو ہوں، سارے ڈاکوؤں کو اس قتل کے بدلے میں قتل کیا جائے۔

(۴) چوتھی صورت یہ ہے کہ انہوں نے مال بھی لوٹا اور کسی کو قتل بھی کیا تو اب قاضی اور جج کو اختیار ہے وہ چاہے تو پہلے اُلٹی جانب سے ان کے ہاتھ پاؤں کاٹے۔ اُس کے بعد

ان کو قتل کردے یا سولی چڑھادے یا ہاتھ پاؤں کاٹے بغیر ہی انہیں سولی چڑھادیا جائے۔ دونوں باتوں کا اختیار ہے۔

تیسری حد:

تیسری حد جسے قرآن میں بیان کیا گیا، سورۂ نور کی آیت نمبر ۵ میں حد قذف، (تہمت لگانے کی حد) ہے۔ کسی مرد پر یا کسی عورت پر جھوٹی تہمت لگادی جائے تو اسلام نے اس کی بھی حد مقرر کی ہے۔

﴿وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا﴾

(سورة النور: ٤، پ ۱۸)

ترجمہ: ''جو لوگ کسی پاکدامن عورت پر بدکاری کی تہمت لگائیں اور اُن کے پاس چار گواہ نہ ہوں تو اُن کو اسی کوڑے لگائے جائیں اور پھر اُن کی کسی بھی معاملے میں کبھی گواہی قبول نہ کی جائے۔''

تہمت لگانے والوں کے لئے دو سزائیں ہیں ایک تو اسی کوڑے اور دوسرے کسی بھی معاملے میں اُن کی گواہی کو قبول نہ کیا جائے۔ یہاں یہ بات بھی یاد رکھیں کہ اگر بالفرض کسی ایک نے یا دو مردوں نے کسی مرد اور عورت کو خلوت میں، تنہائی میں اکٹھے دیکھا تب بھی انہیں اُن پر زنا کی تہمت لگانے کا حق نہیں ہے۔ اگر وہ یہ تہمت لگائیں گے تو اُن پر حدِ قذف جاری ہوگی۔ اس لیے کہ زنا ثابت ہوتا ہے چار گواہوں سے۔ جب تک چار گواہ نہ ہوں اُس وقت تک زنا کا جرم ثابت نہیں ہوتا۔

چوتھی حد

چوتھی حد شراب نوشی کی ہے۔قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اِس کی حرمت کا ذکر تو کیا لیکن اِس کی سزا کا ذکر نہیں کیا۔البتہ صحابہ کرام ﷺ کا اِجماع ہوگیا کہ شراب نوش کو اسّی (۸۰) کوڑے لگائے جائیں گے۔

پانچویں حد:

پانچویں حد ارتداد ہے کہ کوئی شخص دینِ اسلام سے پھر جائے تو وہ کس سزا کا مستحق ہوگا؟ دیکھئے! اسلام اِس کی اجازت نہیں دیتا کہ کسی بھی شخص کو ایمان قبول کرنے پر مجبور کیا جائے۔

﴿لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ﴾ (سورة البقرة: ٢٥٦، پ ٣)

لیکن اسلام یہ بھی اجازت نہیں دیتا کہ کوئی شخص ایمان قبول کرنے کے بعد ایمان سے پھر جائے۔

•ترمذی میں حضرت ابن عباس ﷺ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

" من بدل دينه فاقتلوه۔" (ترمذی: ۱/۲۷۰، باب ما جآء في المرتد)

ترجمہ:''جو اپنے دین کو تبدیل کرلے اُس کو قتل کردو۔''

چھٹی حد:

چھٹی حد زنا کی ہے۔سورۂ نساء کی آیت نمبر ۱۵ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَالّٰتِيْ يَاْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ

فَإِنْ شَهِدُوا فَأَمْسِكُوهُنَّ فِي الْبُيُوتِ حَتَّى يَتَوَفَّاهُنَّ الْمَوْتُ أَوْ يَجْعَلَ اللَّهُ لَهُنَّ سَبِيلًا﴾

(سورة النساء: ١٥، پ ٤)

ترجمہ: ''جو عورتیں بدکاری کا ارتکاب کریں اپنے میں سے چار گواہ اُن پر بنالیں۔ اگر وہ گواہی دیں تو پھر اُن کو گھر میں بند کر دیں یہاں تک کہ اُنہیں وہیں موت آ جائے یا اللہ اُن کے لیے کوئی راستہ نکال دے۔''

چنانچہ صحیح مسلم کی روایت ہے حضرت عُبادہ بن صامت ﷺ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام پر ایک دفعہ نزولِ وحی کی کیفیت ظاہر ہونا شروع ہوئی، چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا، سردی میں بھی جبینِ اطہر پر پسینے کی بوندیں اور جسم پر خوبصورت سی کپکپی طاری ہو گئی اور جسم کا وزن بہت زیادہ ہونے لگا۔ جب یہ کیفیت ختم ہوئی تو آپ نے فرمایا: مجھ سے لے لو، لے لو۔ اللہ نے جو وعدہ کیا تھا کہ میں بدکاری کرنے والوں کے لیے کوئی راستہ نکالوں گا تو اللہ نے وہ راستہ نکال دیا۔ وہ راستہ یہ ہے کہ اگر غیر شادی شدہ بدکاری کرے تو اُس کی سزا سو (١٠٠) کوڑے اور اگر شادی شدہ زنا کرے تو اُس کی سزا رجم ہے یعنی اُسے سنگسار کیا جائے۔

(صحیح مسلم: صـ ٦٥، باب حد الزنا)

اِسلام کا ناصحانہ انداز

کڑی شرائط:

یاد رکھئے! اسلام صرف سزاؤں کے اجراء پر ہی زور نہیں دیتا سزا تو آخری حد ہے، سزا

نافذ کرنے اور سزا تک پہنچنے سے پہلے، اسلام ایسے احکام اور کڑی شرائط لگاتا ہے جو خیر کے دروازے کھولتی ہیں اور شر کے دروازے بند کرتی ہیں۔ مثلاً آپ زنا کی سزا کو لے لیجیے۔

اسلام نے سب سے پہلے عورت کو حکم دیا پردے کا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ﴾

(سورة الأحزاب: ٥٩، پ ٢٢)

ترجمہ: ''اے نبی! حکم فرما دیجیے اپنی بیویوں، بیٹیوں اور مومنوں کی عورتوں کو کہ اپنے اوپر چادر لٹکا لیا کریں۔''

پردہ عورت کی عزت اور ناموس کا محافظ ہے۔ پردہ اللہ اور اس کے رسول کا حکم ہے۔

دوسرا حکم دیا پہلے مردوں کو اور پھر عورتوں کو:

﴿وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ﴾

(سورة النور: ٣١، پ ١٨)

ترجمہ: ''ایمان والی عورتوں سے کہہ دیں وہ اپنی نظریں جھکا کر رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں۔''

تیسرا حکم دیا:

﴿وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ﴾ (سورة الأحزاب: ٣٣، پ ٢٢)

ترجمہ: ''اپنے گھروں میں رہا کرو۔'' (بلاضرورت گھر سے باہر نہ نکلا کرو)

بلاضرورت، بلا مجبوری محض پارٹیوں میں شرکت کے لیے، محض محفلیں اٹینڈ کرنے کے لیے، محض شاپنگ کا شوق پورا کرنے کے لیے اور محض بازاروں میں گھومنے پھرنے کے لیے

گھروں سے نہ نکلا کرو۔ تمہارے لیے سب سے محفوظ پناہ گاہ تمہارا گھر ہے۔

چوتھا حکم دیا:

﴿وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ﴾

(سورة الأحزاب: ۳۳، پ ۲۲)

ترجمہ: ''زمانہ جاہلیت کی طرح بن سنور کر گھر سے نہ نکلا کرو۔''

زمانہ جاہلیت کی طرح بن سنور کر مردوں کو متوجہ کرنے کے لیے گھر سے باہر مت نکلو۔ میں یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ جہاں عورت کو بننا سنورنا چاہئے وہاں تو میلی کچیلی رہتی ہے اور جہاں سادگی کے ساتھ جانا چاہئے وہاں بن سنور کر جاتی ہے۔ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ عورت گھر کے اندر اپنے شوہر کے لیے صاف ستھری رہے، بن سنور کر رہے، زیبائش و آرائش کے ساتھ رہے، اچھے لباس میں رہے، زیور پہن کر رہے اور باہر نکلے تو سادگی کے ساتھ، خوشبو بھی ایسی تیز نہ لگائے جو غیر مردوں کو اُس کی طرف متوجہ کرے۔ لیکن ہو رہا ہے اس کے برعکس۔ گھر میں میلی کچیلی اور باہر نکلے تو بن سنور کر۔

پانچواں حکم اسلام نے عورتوں کو یہ دیا کہ دیکھو! غیر محرم کے ساتھ نزاکت والے انداز میں، لوچدار لہجے میں گفتگو نہ کیا کرو۔ سورۂ احزاب میں ہے:

﴿فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ﴾ (سورة الأحزاب: ۳۲، پ ۲۲)

نزاکت والے انداز میں، لوچدار لہجے میں غیر محرم مردوں کے ساتھ بات نہ کرو۔ کہیں ایسا نہ ہو جس کے ساتھ تم اس انداز میں بات کرو اُس کے دل میں بیماری کے جراثیم پیدا ہو جائیں، اُس کے دل میں تمہارے بارے میں برائی کا منصوبہ آ جائے، یہ خطاب کن سے

تھا؟ ازواجِ مطہرات سے! اُن سے بات کرنے والے کون تھے؟ صحابہ کرام! ازواجِ مطہرات کون تھیں؟ صحابہ کی اور پوری امت کی روحانی مائیں! صحابہ کون تھے؟ ازواجِ مطہرات کے روحانی بیٹے۔ اللہ ماؤں کو کہہ رہے ہیں...... روحانی ماؤں کو...... کہ اپنے روحانی بیٹوں کے ساتھ نزاکت والے انداز میں بات نہ کرنا کہیں شیطان اُن کے دل میں برائی کا وسوسہ نہ پیدا کردے۔

برائی کی دیمک سے کھوکھلا ہونے والے آج کے اس معاشرے میں تو عورت کا یہ اندازِ گفتگو اور بھی زیادہ فتنہ کا سبب بن سکتا ہے۔

میں عرض یہ کر رہا تھا کہ سزا کا معاملہ تو بہت بعد میں ہے اُس سے پہلے یہ مراحل ہیں:

شرکا، زنا کا، بدکاری کا دروازہ بند کرنے کے لیے عورت کو حکم دیا پردے کا......

حکم دیا نظریں جھکا کر رکھنے کا......

حکم دیا گھر میں رہنے کا......

حکم دیا بن سنور کر باہر نہ نکلنے کا......

حکم دیا غیر محرموں کے ساتھ نزاکت والے لہجے میں گفتگو نہ کرنے کا......

اور مردوں کو کیا حکم دیا؟

مردوں کو حکم دیا کہ نظریں جھکا کر رکھو اور نکاح کرو۔ قرآن میں بھی حکم دیا، حدیث میں بھی۔

''اللہ کے نبی نے فرمایا: اے نوجوانوں کی جماعت! جو تم میں سے طاقت رکھتا ہے اور اپنے اندر قوت محسوس کرتا ہے اُسے چاہئے کہ وہ نکاح کر لے، اس لیے کہ اس سے نظروں کی

حفاظت ہوگی اور شرم گاہ کی بھی حفاظت ہوگی۔"

(سنن نسائی: ۱/ ۶۸، کتاب النکاح باب الحث علی النکاح)

پھر نکاح کے معاملے کو شریعت نے آسان تر کر دیا نہ بارات کی ضرورت، نہ جہیز کی ضرورت، نہ ڈھول ڈھمکوں کی ضرورت، نہ نمود و نمائش کی ضرورت یہاں تک کہ نکاح خواں قاضی کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ دو گواہوں کی موجودگی میں ایجاب وقبول سے نکاح ہوسکتا ہے۔ پھر مرد کو یہ بھی اجازت دی کہ اگر تمہاری شہوت ایک عورت سے پوری نہیں ہوتی تو دو نکاح کر لو، تین کر لو، چار کر لو۔

یہ سب آسانیاں کیوں ہیں؟ یہ سدِّ باب ہو رہا ہے بدکاری اور زنا کا۔ جو شخص زنا کا ارتکاب کرتا ہے وہ صرف ایک حکم حرمت پامال نہیں کرتا کئی حکموں کی حرمت پامال کر کے بدکاری تک پہنچتا ہے۔

پھر جس طرح شریعت نے گناہ کے سدّ باب کے لیے حفظ ما تقدم کے طور پر سخت شرطیں لگائیں اسی طرح گناہ کے بعد اس کے ثبوت کے لیے بھی ٹھوس اور مضبوط شرائط کا پایا جانا لازمی قرار دیا، مثلاً زنا ہی کو لے لیجئے، اس جرم کے ثبوت کے لیے یہ شرط لگائی کہ گواہ ایسے ہوں جنہوں نے عین بدکاری کی حالت میں مرد اور عورت کو دیکھا ہو تب جرم ثابت ہوگا اور سزا ملے گی ورنہ ذرا سا بھی شک شبہ ہو تو مجرم سے حد ساقط ہو جائے گی۔ حکم دیا گیا ہے:

ادرؤا الحدود بالشبهات فإن كان له مخرج فخلّوا سبيله فإن الامام ان يخطئ في العفو خير من أن يخطىء في العقوبة.

ترجمہ: "شبہات کی وجہ سے حدود ساقط کر دو، اگر ملزم کے بچاؤ کی کوئی صورت ہو تو اس

کا راستہ چھوڑ دو کیونکہ امام کا معاف کرنے میں غلطی کرنا سزا دینے میں غلطی کرنے سے بہتر ہے۔"

اسلام نے حدود کے معاملے میں مجرم کو بچانے کی کوشش کی ہے پھنسانے کی کوشش نہیں کی۔ ایسا نہیں کیا کہ کسی نہ کسی طریقے سے جرم ثابت کیا جائے اور پھر مجرم پر حد جاری کردی جائے بلکہ کوشش یہ کی گئی کہ کسی طریقہ سے اس کی بے گناہی ثابت ہو جائے اور اس کو آزاد کر دیا جائے۔

حدود اور شبہات:

حضور علیہ السلام کے پاس ایک صاحب جن کا نام ماعز بن مالک تھا وہ آتے ہیں اور اقرار کرتے ہیں کہ میں نے گناہ کیا ہے، زنا کیا ہے یارسول اللہ! مجھے پاک کردیں۔

ارے! کیا معاشرہ تیار کیا تھا میرے آقا نے؟

کیا سوسائٹی بنائی تھی؟......

کیا لوگ بنائے تھے؟......

آج تو لوگ سو قتل کر کے بھی اپنے جرم کا اقرار نہیں کرتے اور ادھر یہ حالت ہے کہ جرم ہو گیا تو فوراً عرض کر رہے ہیں: اللہ کے نبی! مجھے پاک کردیں، میں ناپاک ہو گیا ہوں۔ دائیں طرف سے آئے۔ حضور نے چہرہ بائیں طرف پھیر لیا، ▪ ادھر آ گئے کہ مجھے پاک کردیں۔ آپ نے ادھر منہ پھیر لیا، وہ پھر ادھر آ گئے، ادھر منہ پھیر لیا، چار دفعہ اقرار کیا اور پھر حضور فرماتے ہیں: ہو سکتا ہے تم نے ایسے ہی چھیڑ چھاڑ کیا ہو، بوس و کنار کیا ہو؟ اس لیے کہ زنا ہاتھوں سے بھی ہوتا ہے، زنا پیروں سے بھی ہوتا ہے، زنا نظر سے بھی ہوتا ہے، زنا

زبان سے بھی ہوتا ہے۔ پھر فرمایا لوگو دیکھو کہیں یہ دیوانہ تو نہیں ہے؟ پاگل تو نہیں ہے؟ کہیں اس نے شراب تو نہیں پی؟ نشہ میں تو ایسی باتیں نہیں کر رہا؟ تحقیق کی گئی۔ ثابت ہوا دیوانہ بھی نہیں، نشہ میں بھی نہیں، اب سزا جاری کی گئی۔

غور کیجئے! مجرم کو سزا سے بچانے کی کتنی بھرپور کوشش کی جارہی ہے، کبھی اس سے اعراض کر کے اس کی بات کو قابل توجہ ہی نہیں بننے دیا جارہا تو کبھی اس کے ہوش و حواس کی تحقیق کی جارہی ہے اور سزا جاری ہو رہی ہے تو ان تمام مراحل کی تکمیل کے بعد۔

مجرم کو بچانے کی پوری کوشش کی گئی، مکمل تحقیق کے بعد حد جاری کی گئی۔ بعض روایات میں ایک شخص کے بارے میں آتا ہے کہ جب اس پر سزا جاری کی گئی اور اس کے جسم سے خون نکلا، حضرت خالد بن ولید ﷜ کی زبان سے اس شخص کے بارے میں کچھ سخت الفاظ نکل گئے۔ آپ ﷺ تک بات پہنچی، حضور ﷺ نے فرمایا: خالد! اسے برا بھلا مت کہو۔ اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر مدینہ کے سارے گناہ گاروں میں اسے تقسیم کر دیا جائے تو سب کی بخشش ہو جائے۔

عہد نبوی میں ایک چور کا ہاتھ کاٹا گیا، ہاتھ ادھر پڑا ہوا ہے۔ چور ادھر کھڑا ہے چور اپنے ہاتھ سے خطاب کرتے ہوئے کہتا ہے: اللہ کا شکر ہے جس نے تیرے جیسے ہاتھ سے مجھے نجات دیدی۔ تو چوری کرنے والا ہاتھ تھا۔ میرے ساتھ لگا رہتا، مجھے دوزخ میں لے جاتا۔ اللہ کا شکر ہے کہ مجھے اللہ نے تجھ سے نجات دیدی۔

ہے کوئی مجرم؟ جس پر سزا جاری کی جائے آج کے دور میں اور وہ یوں کہے کہ اللہ کا شکر کہ میں آخرت کے عذاب سے بچ گیا؟

بعض لوگ پروپیگنڈہ کرتے ہیں کہ اگر چوروں کے ہاتھ کاٹے گئے تو ہر طرف ہاتھ کٹے لوگ دکھائی دیں گے۔ یہ بات اُس معاشرے کے لوگ کہہ سکتے ہیں جو معاشرہ چوروں کا معاشرہ ہو، ہر طرف چور ہی چور، کوئی چھوٹا چور، کوئی بڑا چور۔ کوئی خاک پر بیٹھا ہوا ہے کوئی کرسی پر بیٹھا ہوا ہے۔ تو اس لیے چوروں کے معاشرے کا خیال یہ ہے کہ اگر ہاتھ کاٹے گئے تو ہر طرف گویا کہ ہتھ کٹے لوگ دکھائی دیں گے۔ میں کہتا ہوں چاروں صوبوں میں سے چار با اثر چوروں کے ہاتھ کٹ جائیں تو پورے ملک کو امن اور سکون مل جائے اور یہ بہت سستا سودا ہے۔ اگر چار ہاتھ کٹ کر پندرہ کروڑ انسان محفوظ ہو جائیں تو یہ سودا اتنا مہنگا نہیں ہے۔

سعودی عرب میں بھی چوری ڈکیتی ہوتی تھی، حاجیوں کے قافلے تک محفوظ نہیں تھے۔ انہیں لوٹ لیا جاتا تھا، لیکن جب چوری کی سزا نافذ کی گئی تو جامعہ ازہر کے شیخ عبدالحلیم کا بیان اخبارات میں آیا تھا کہ اٹھارہ سال میں سعودیہ میں صرف دس آدمیوں کے ہاتھ کٹے، یہ بھی ابتدائی زمانے کی بات ہے اور اُن دس چوروں میں بھی زیادہ تر غیر ملکی تھے، سعودی نہ تھے غیر ملکی جو سعودیہ کے قانون سے واقف نہیں تھے اور چوری کے عادی تھے وہاں جا کر بھی باز نہ آئے۔

لیکن چلیں سعودیہ کی مثال چھوڑیں۔ آپ اپنے قریبی ملک افغانستان کو دیکھ لیں! طالبان سے آپ کو بہت شکایتیں ہوں گی، آپ کہہ سکتے ہیں اُن سے غلطیاں ہوئیں، غلطیاں کس سے نہیں ہوتیں؟ مگر آپ یہ دیکھیے کہ وہاں بے انتہا غربت تھی، صرف سادہ روٹی جسے میسر آ جاتی وہ اپنے آپ کو خوشحال سمجھتا تھا، اُس غربت زدہ اور جنگ زدہ ملک کے اندر طالبان نے اسلامی سزاؤں کا قانون جاری کیا، غربت کے باوجود چوریوں کا سلسلہ ختم

ہوگیا اور جو لوگ کہتے تھے کہ غربت اور جرم کا چولی دامن کا ساتھ ہے اُن کے منہ بند ہو کر رہ گئے، غربت تھی اور جرم نہیں تھے۔ چوری چکاری نہیں تھی اور جوں ہی طالبان رخصت ہوئے، ڈالروں کی بارش ہونے لگی دولت کی ریل پیل ہونے لگی اور ساتھ ساتھ چوری اور ڈکیتی کا سلسلہ بھی دراز تر ہو گیا۔

مجرم اور معاشرہ:

یاد رکھیے! اسلام میں مجرموں کو اہمیت نہیں معاشرے کو اہمیت ہے، مگر ہم مجرموں کو اہمیت دینا چاہتے ہیں۔ آج کل اخبارات میں پورے پورے صفحے کے اشتہارات آرہے ہیں، حدود آرڈیننس کے بارے میں اور بڑے مذاکرے اور مباحثے ہو رہے ہیں۔ حالانکہ ضرورت تو اس بات کی تھی کہ بجٹ پر بحث کی جاتی۔

ضرورت اس کی تھی کہ ملک میں جرائم کثرت سے ہو رہے ہیں پر بحث کی جاتی۔

ضرورت تو اس بات کی تھی کہ ملک کی صنعتیں، ملک کی جائیدادیں کوڑیوں کے بھاؤ فروخت کی جارہی ہیں، اس پر بحث کی جاتی، لیکن یکایک ضرورت پڑ گئی حدود آرڈیننس پر بحث کرنے کی۔

اللہ اکبر! عورت کو مظلوم بنا کر پیش کیا جاتا ہے اور حدود میں ترمیم کی کوشش کی جاتی ہے لیکن ہماری این جی اوز ظالم وڈیروں اور جاگیرداروں کے خلاف آواز کیوں نہیں اٹھاتیں؟ اُن کے خلاف آج تک میں نے ایک اشتہار نہیں دیکھا، جو ظالم جاگیردار اور وڈیرے بعض بے سہارا غریب بچیوں کی بر سرِ عام عزت لوٹ لیتے ہیں۔ ایسے واقعات بھی پیش آئے، ہم نے اخبارات میں خبریں پڑھیں، بہنوں بیٹیوں اور ماؤں کو ننگا کر کے بازاروں اور گلیوں

میں پھرایا گیا۔ کیا اس پر بحث کرنے کی ضرورت نہیں تھی؟ آپ کو مجرموں سے تو ہمدردی ہے، مظلوموں سے ہمدردی نہیں۔ چوروں سے ہمدردی ہے۔ لٹنے والوں سے ہمدردی نہیں، اس بوڑھے باپ سے ہمدردی نہیں جس کی نوجوان بیٹی کی آبرو اس کے سامنے لوٹ لی جاتی ہے اور ساتھ ساتھ گھر کا صفایا بھی کر دیا جاتا ہے۔

معاذ اللہ! ایسے معلوم ہوتا ہے جیسے ہمارا معاشرہ مجرموں کا حمایتی معاشرہ بن گیا ہے، کاروکاری کے نام پر بیسیوں قتل ہو جائیں اُس کی پرواہ نہیں اور رجم میں ایک کا قتل ہو جائے اُس پر شور مچایا جاتا ہے۔ قبائلی انتقام میں بیسیوں قتل ہو جائیں اس کی پرواہ نہیں اور قصاص میں ایک کو قتل کیا جائے تو اُس کے خلاف آواز اٹھائی جاتی ہے۔

تحفظِ خواتین بل، اسلام سے متصادم نظریہ:

آیئے! آخر میں ایک نظر تحفظ خواتین بل پر بھی ڈال لیں۔

حال ہی میں ''تحفظِ خواتین'' کے نام سے جو بل آیا ہے، پہلے اس پر میڈیا میں خوب مذاکرے کروائے گئے اور کوشش کی گئی کہ مذاکروں میں ایسے لوگوں کو دعوت دی جائے جو مادر پدر آزادی کے حامی ہیں اور بہر صورت حدود اللہ سے جان چھڑانا چاہتے ہیں، سادہ لوح عوام کے ذہنوں میں شکوک وشبہات پیدا کرنے کے بعد اسے قومی اسمبلی سے منظور کرالیا گیا ہے۔

اس بل کے بارے میں کئی مضامین آپ نے دیکھے ہوں گے، سب سے آسان فہم مضمون شیخ الاسلام مولانا محمد تقی عثمانی زیدہ مجدہ کا تھا جو پمفلٹ کی صورت میں بھی شائع ہو چکا ہے۔

حکومت اور اس کے حامی یہ پروپیگنڈا کرنے میں مصروف ہیں کہ حدود آرڈیننس کی وجہ سے خواتین ظلم وستم کا نشانہ بنی ہوئی تھیں اور تحفظِ خواتین بل نے ان مظالم کا مداوا کر دیا ہے۔

لیکن اگر غور سے اس بل کا مطالعہ کیا جائے تو ثابت ہوتا ہے کہ اس بل کو تحفظِ خواتین کے بجائے تحفظِ زنا کا نام دینا چاہیے، ہم تفصیل میں نہیں جانا چاہتے آپ صرف دو باتیں ملحوظ رکھیں:

پہلی بات یہ ہے کہ اسلام نے زنا کی جو حد مقرر کی ہے وہ زنا بالرضا اور زنا بالجبر دونوں کے لیے ہے لیکن اس بل میں دونوں میں فرق کرتے ہوئے زنا بالجبر کی شرعی سزا بالکل ختم کر دی گئی ہے۔

جب سوال کیا جاتا ہے کہ تم نے ایسا کیوں کیا ہے تو جواب دیا جاتا ہے کہ ہم نے عورت کو ظلم سے بچانے کے لیے ایسا کیا ہے کیونکہ ہوتا یہ تھا کہ جب کسی عورت کے ساتھ جبراً زنا ہوتا اور وہ مرد کے خلاف مقدمہ درج کروانے کے لیے عدالت کا دروازہ کھٹکھٹاتی تو عدالت اس سے چار گواہوں کا مطالبہ کرتی تھی جب وہ چار گواہ پیش نہ کر سکتی تو الٹا اسی کو گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا جاتا تھا۔

لیکن حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب جو کہ پہلے وفاقی شرعی عدالت کے جج کی حیثیت سے اور پھر سترہ سال تک سپریم کورٹ کی شریعت اپیلیٹ بنچ کے رکن کی حیثیت سے حدود آرڈیننس کے تحت درج ہونے والے مقدمات کی براہِ راست سماعت کرتے رہے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ اتنے طویل عرصے میں میرے علم میں کوئی ایک مقدمہ بھی ایسا نہیں آیا

جس میں زنا بالجبر کی کسی مظلومہ کو اس بناء پر سزا دی گئی ہو کہ وہ چار گواہ پیش نہیں کر سکی، مولانا کے علاوہ دوسرے جج حضرات بھی یہی کہہ رہے ہیں۔

عورت کے ساتھ ظلم تو کیا ہوتا؟ حقیقت یہ ہے کہ عورت رضامندی سے گھر سے بھاگتی تھی اور زنا کے عمل میں شریک ہوتی تھی پھر جب وہ پکڑی جاتی تو خاندان والوں کے دباؤ کی وجہ سے عدالت میں کہہ دیتی تھی کہ میرے ساتھ جبر ہوا ہے چنانچہ اسے شک کا فائدہ دے کر چھوڑ دیا جاتا تھا اور مرد کو سزا دی جاتی تھی۔

دوسری بات یہ ہے کہ اب تک زنا ایک ''قابل دست اندازیٔ پولیس'' جرم تھا لیکن موجودہ بل میں اسے ''نا قابل دست اندازیٔ پولیس'' جرم قرار دے دیا گیا ہے چنانچہ اس جرم کی ایف آئی آر تھانے میں درج نہیں کرائی جاسکتی بلکہ اس کی شکایت عدالت میں کرنی ہوئی اور شکایت کے وقت دو عینی گواہ ساتھ لے جانے ہوں گے، جن کا حلفی بیان عدالت قلمبند کرے گی، اس کے بعد عدالت کو اختیار ہے کہ وہ مزید کارروائی کے لیے ملزم کو سمن جاری کرے یا پھر اسی وقت مقدمہ خارج کر دے۔

اس طرح فحاشی کے جرم کو ثابت کرنا اتنا دشوار بنا دیا گیا ہے کہ اس کے تحت کسی کو سزا دینا عملاً بہت مشکل ہے۔

اس قانون سازی کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ کئی محلوں میں فحاشی کے اڈے کھل گئے ہیں، اہل محلہ ان سے تنگ ہیں، تھانے میں شکایت کرتے ہیں تو پولیس کہتی ہے، دخل دینا ہمارے اختیار سے باہر ہے، آپ بتایئے کون دو عینی گواہ تلاش کرے اور انہیں عدالت میں لے کر جائے جبکہ عدالت کا دخل دینا بھی یقینی نہیں ہے، اس کا دل مطمئن ہوگا تو وہ ملزم کو طلب

کرے گی اور اگر اسے اطمینان نہ ہو تو کسی کارروائی کے بغیر مقدمہ خارج کردے گی۔

میرے بزرگو اور دوستو! میری بہنو اور بیٹیو! اللہ نہ کرے آج اگر یہ خدا کے خوف سے عاری طبقہ حدود کو آئین سے نکالنے یا ان میں تحریف کرنے میں کامیاب ہو گیا، تو خطرہ ہے کل توہین رسالت کا قانون اور جتنی اسلامی شقیں ہیں وہ آہستہ آہستہ انسانی حقوق کے نام پر، آزادی کے نام پر، آزادئ نسواں کے نام پر، جمہوریت کے نام پر نکال دی جائیں گی۔

اللہ پاک نے ہمیں زندگی اور ہمت عطا فرمائی تو ہماری آواز اُن لوگوں کے ساتھ ہوگی جو اسلام کے قانون کو زندگی کے ہر شعبے میں جاری دیکھنا چاہتے ہیں۔ تجارت کے شعبے میں بھی، سیاست کے شعبے میں بھی، عدالت کے شعبے میں بھی، اور ایوانِ حکومت کے شعبے میں بھی۔

ہماری آواز اُن لوگوں کے ساتھ نہیں ہوگی جو اسلام آباد سے اسلام کو نکالنا چاہتے ہیں۔

وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العلمین

نکاح کتنا مشکل کتنا آسان؟

الحمدللّٰہ وحدہ والصّلوۃ والسّلام علی من لا نبی بعدہ، أما بعد!

فأعوذ باللّٰہ من الشیطن الرجیم

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ﴾ (ال عمران: ۱۰۲)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جیسے چاہیے اس سے ڈرنا اور نہ مرو مگر مسلمان۔

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! مجھ ناچیز پر اللہ تعالیٰ کے بے شمار اور بے حد و حساب احسانات ہیں۔ جب سے پیدا ہوا اس کے احسانات کا سلسلہ شروع ہوا۔ مادی نعمتیں بھی اس نے عطا فرمائیں اور دینی نعمتیں بھی۔

ایمان عظیم نعمت ہے:

سب سے بڑی نعمت ایمان کی عطا فرمائی۔ اے کاش! اللہ ایمان کی حقیقت نصیب فرما دے......

ایمان کی عظمت نصیب فرمادے......

ایمان کا نور نصیب فرمادے......

ایمان کی محبت نصیب فرمادے......

ایمان والی زندگی پھر ایمان پر خاتمہ نصیب فرمادے......

پھر اس اللہ کی نعمتوں میں سے بڑی نعمت یہ کہ اللہ نے اولاد جیسی نعمت عطا فرمائی۔ کتنے ہی لوگ ہیں جو اولاد کی نعمت سے محروم ہیں، وہ تڑپتے ہیں، روتے ہیں، بلکتے ہیں، بڑے بڑے بنگلے، بڑی بڑی کوٹھیاں خالی پڑی ہیں، دیواریں، چھتیں، فرش، فرنیچر، برتن، فریج، مشینیں کاٹ کھانے کو دوڑتی ہیں۔ وہ تنہا زندگی بسر کر رہے ہیں کوئی پوچھنے والا نہیں، کوئی بچہ نہیں جس کے ساتھ دل بہلا سکیں......

جس کے ساتھ پیار و محبت کی باتیں کر سکیں......

جس کو سینے سے لگا سکیں......

جس کو اپنا کہہ سکیں......

جس کی طرف ان کی وراثت منتقل ہو سکے......

ایسے بھی ہیں جو اولاد سے محروم ہیں اور پھر ان کی وراثت، ان کی جائیداد، ان کا روپیہ، پیسہ، کتوں، بلیوں کے لئے وقف ہوا، اولاد میں کوئی ان کا وارث نہ تھا۔

بیٹی اللہ کی رحمت ہے زحمت نہیں:

اللہ پاک نے الحمد للہ ثم الحمد للہ سب سے پہلے بیٹی جیسی نعمت عطا فرمائی، بیٹی اللہ کی رحمت ہے، زحمت نہیں، وبال نہیں، بیٹی کے وجود کو باعث شرم، باعث ننگ، باعث عار نہیں سمجھنا چاہئے، اگر بیٹی کا وجود باعث شرم ہوتا تو اللہ اپنے نبی ﷺ کو ایک بھی بیٹی عطا نہ فرما تا۔ بیٹے ہی بیٹے عطا کر دیتا اور آپ کے دشمن ابولہب کو ایک بھی بیٹا نہ ملتا۔ بیٹیاں ہی بیٹیاں ہوتیں۔ اللہ نے اپنے عظیم پیغمبر کو یوں تو بیٹے بھی دیئے اور بیٹیاں بھی دیں مگر بیٹیاں زندہ رہیں جبکہ بیٹے وفات پا گئے جس سے ہم جیسوں کو سمجھا دیا گیا کہ بیٹیوں کا وجود باعث شرم

نہیں، بلکہ کائنات کے آقا ﷺ نے فرمایا کہ:

من عال جاريتين دخلت انا وهو في الجنة كهاتين واشار باصبعيه.

(ترمذی، باب ما جاء فی رحمة الولد: ۲/ ۱۲)

جس نے دو بیٹیوں کی تعلیم وتربیت کی، قیامت کے دن وہ میرے ساتھ ایسے ہوگا جیسے یہ دو انگلیاں ہیں تو الحمد للہ! اللہ نے سب سے پہلے بیٹی جیسی نعمت عطا فرمائی اور یہ معاملہ محض میرا اور میرے اللہ کا ہے کہ میں نے بیٹی کی ولادت پر اللہ کا بہت شکر ادا کیا اور شاید بیٹی کی ولادت پر جتنی خوشی منائی اتنی بیٹوں کی ولادت پر نہیں۔ یہ محض میں جانتا ہوں اور میرا اللہ جانتا ہے۔

بعض نے کہا میری مجبوری کو دیکھ کر، میرے عذر کو دیکھ کر، بیٹا ہوتا سہارا بنتا، ساتھی بنتا، معاون بنتا، لیکن ایسی باتیں سن کر میرا دل کٹ کٹ جاتا تھا، تکلیف ہوتی تھی، ایسی باتیں کیوں کرتے ہیں؟

الحمد للہ میں اللہ کی قضاء پر، اللہ کی تقدیر پر، اللہ کی دین پر راضی ہوں، کل بھی راضی تھا، آج بھی راضی ہوں۔

پھر محض اللہ نے اپنے فضل وکرم سے اس بیٹی کو قرآن کریم حفظ کرنے اور ٹوٹی پھوٹی عالمہ بننے کی توفیق عطا فرمائی۔

اور آج اللہ پاک کی ایک اور نعمت حاصل ہو رہی ہے وہ یہ کہ باپ ہونے کی حیثیت سے میرے کندھوں پر بیٹی کی جو ایک ذمہ داری تھی اس سے سبکدوش ہو رہا ہوں، اور الحمد للہ حتی الامکان سادگی کے ساتھ اس کا نکاح کر رہا ہوں، میں نے روایتی رسموں سے، رواجوں سے، بدعات سے، گناہوں سے بچنے کی کوشش کی ہے۔

میرے دل میں حسرت یہ تھی:

بعض ساتھیوں نے کہا کہ ایک ہی تو بیٹی ہے حسرتیں پوری کرلو، ان کا خیال یہ تھا کہ حسرتیں یہ ہوتی ہیں کہ بیٹی یا بیٹے کے نکاح میں خوب رسمیں کی جائیں......

دھوم دھڑ کا کیا جائے......

نمود و نمائش کی جائے......

بڑے ہالوں میں دعوت کی جائے......

بڑا پروگرام کیا جائے......

بڑا جہیز اور دکھاوا کیا جائے......

لیکن میں نے سمجھا کہ میری ایک ہی تو بیٹی ہے اور ایک ہی موقع ہے بیٹی کے نکاح پر حسرتیں پوری کرنے کا، اور وہ یہ کہ اللہ پاک اس نکاح کو سنت کے مطابق، اپنے حکم کے مطابق، نبی اکرم ﷺ کے طریقہ کے مطابق کرنے کی توفیق عطا فرمادے، ان کے خیال میں حسرتیں وہ ہونی چاہیے تھیں اور میرے دل میں حسرت یہ تھی اور میں اس مالک کا شکر گزار ہوں، اس کے سامنے سر بسجود ہوں کہ اس نے مجھے کسی حد تک یہ حسرت پوری کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔

نکاح کے حوالہ سے پانچ باتیں:

آج کی نشست میں نکاح کے حوالہ سے پانچ باتیں آپ کے سامنے عرض کروں گا اللہ تعالیٰ مجھے سمجھانے کی، اور ہم سب کو سمجھنے کی، اور اس کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطاء فرمائے۔

نکاح کی ضرورت واہمیت:

اللہ کی بے شمار نعمتوں میں سے ازدواجی زندگی بھی ایک بہت بڑی نعمت ہے، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے سورۂ روم میں جہاں اپنی نعمتوں کا ذکر فرمایا وہاں اس نعمت کا بھی ذکر فرمایا ہے۔

﴿ ومن ايته ان خلق لكم من أنفسكم أزواجا لتكسنوا إليها و جعل بينكم مودة و رحمة ﴾ اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے ہی نفوس میں سے تمہارے لئے بیویوں کو پیدا کیا تاکہ تم کو سکون حاصل ہو اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے درمیان محبت پیدا کر دی۔

اللہ تعالیٰ نے یہ بات اس وقت ارشاد فرمائی جب یورپ میں عورت کو نجاست کا مجسمہ، شیطان کی بیٹی قرار دیا جا رہا تھا اور اسکی انسانیت زیر بحث تھی۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ يَآيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ﴾

(سورة النساء: ١)

ترجمہ: اے لوگو! اپنے رب سے ڈرتے رہو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا پیدا کیا۔ اور اس نے ان دونوں سے بہت سے مرد و عورت پھیلا دیئے۔

سورۃ اعراف میں ہے:

﴿ هُوَ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا ﴾

(سورة الأعراف: ١٨٩)

ترجمہ: وہی ہے جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا پھر اسی سے اس کا جوڑ بنایا تاکہ تم

اس سے سکون حاصل کر سکو۔

پھر قرآن نے نکاح کرنے کی ترغیب دی۔

﴿فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً﴾ (سورة النساء: ٣)

ترجمہ: جو عورتیں تمہیں اچھی لگیں ان سے نکاح کرو۔ وہ دو دو ہوں، وہ تین تین ہوں، وہ چار چار ہوں۔ لیکن شرط یہ ہے کہ عدل کرو، اگر تم عدل نہیں کر سکتے، ان کے حقوق نہیں ادا کر سکتے تو صرف ایک سے نکاح کرنے کی اجازت ہے بلکہ جو ایک بیوی کے بھی حقوق ادا نہیں کر سکتا تو اسے ایک نکاح کی بھی اجازت نہیں۔ اور نکاح کی اجازت اسے ہے جو حقوق ادا کر سکتا ہو اور جو ایک سے زیادہ نکاح کرے وہ عدل کرے۔

اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ﷺ نے فرمایا:

"من كانت عنده امرأتان فلم يعدل بينهما جاء يوم القيامة وشقه ساقط." (رواه الترمذي باب ما جاء في التسوية بين الضرائر: ١/٢١٧)

جس نے ایک سے زیادہ بیویوں سے نکاح کیا لیکن ان کے درمیان عدل وانصاف نہ کیا تو قیامت کے دن جب اٹھے گا تو اس کا آدھا حصہ شل ہوگا۔

اس کے جسم کے آدھے حصے کا مفلوج ہو جانا اس بات کی دلیل اور نشانی ہوگی، اور دور سے اسے پہچان لیا جائے گا کہ یہ وہ شخص ہے جس نے ایک سے زیادہ شادیاں کیں لیکن بیویوں کے درمیان عدل نہیں کیا۔

بعض لوگ ایسا کرتے ہیں اور ایسے منتخب پر حوکہ دینے کیلئے شریعت کا نام استعمال

کرتے ہیں اور وہ سہارا لیتے ہیں کہ شریعت نے ہمیں ایک سے زیادہ شادیاں کرنے کی اجازت دی ہے۔ لیکن ساتھ یہ نہیں بتاتے کہ شریعت نے ہمیں یہ بھی حکم دیا کہ ہم ان بیویوں کے درمیان عدل وانصاف کریں اور ان کے حقوق ادا کریں۔ ایسا نہیں کہ غربت کے زمانہ میں جو ساتھی تھی اس کو بھول گئے اب پیسہ آگیا، اب کہیں اور شادی کرنا چاہتے ہیں۔ وہ بیچاری بیوی جس نے پندرہ، بیس، پچیس سال غربت کی حالت میں اس کا ساتھ دیا آج وہ بیوی اور اس کے بچے کسمپرسی کی حالت میں زندگی گزار رہے ہیں اور یہ معاشرے میں، سوسائٹی میں نام اونچا کرنے کے لئے، نمود و نمائش کیلئے ایک فیشن ایبل لیڈی کو ساتھ لئے پھرتا ہے۔ اللہ کے سچے رسول ﷺ نے ایسے لوگوں کے بارے میں سخت وعید یں نازل فرمائیں۔

حضور علیہ السلام کا اپنی بیویوں کے درمیان مثالی عدل وانصاف:

اللہ نے اپنے نبی ﷺ کو اجازت دی تھی کہ آپ کی زیادہ شادیاں ہیں، آپ ان میں سے جس کو چاہیں وقت دیں جس کو چاہیں وقت نہ دیں، لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ تمام ازواج مطہرات کے درمیان عدل وانصاف کو ملحوظ رکھتے اور ہر ایک کو برابر وقت دیتے تھے۔

رشتے کروانے کی ترغیب:

تو عرض یہ کر رہا تھا کہ نکاح کرنے کی بھی ترغیب دی گئی ہے اور نکاح کرانے کی بھی ترغیب دی گئی ہے۔ سورۂ نور میں ہے:

﴿ وَأَنكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ ﴾

(سورة نور: ۳۲)

تم میں سے جو۔ نکاح، رنڈ دے ہیں خواہ وہ مرد ہوں یا عورتیں ہوں ان کے نکاح
کرواؤ اور خاص طور۔ -فرمایا کہ جو تم میں سے نیک بندے ہیں ان کے رشتے کرواؤ۔
اندازہ کیجئے کہ اللہ کی نظر میں رشتہ کروانا کتنی اہمیت رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ خود ترغیب
دے رہے ہیں کہ رشتے کرواؤ۔ بلکہ یہاں تک فرمایا کہ جو غلام اور لونڈیاں ہیں ان کے بھی
نکاح کرواؤ۔ آپ جانتے ہیں کہ غلام اور لونڈی کے حقوق آزاد کے مقابلہ میں کم ہیں، لیکن،
اللہ نے فرمایا کہ ان کے بھی نکاح کرواؤ۔

نکاح رزق میں برکت کا ذریعہ ہے:

یہاں ذہن میں ایک سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ وہ تو غریب ہے اپنے اخراجات پورے
نہیں کر سکتا، بیوی، بچوں کی ضروریات، ان کے اخراجات کہاں سے پورے کرے گا؟ تو
اللہ نے فرمایا:

﴿ إِن يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴾

ترجمہ: ”اگر وہ فقیر ہوں گے تو اللہ ان کو اپنے فضل سے غنی کر دے گا۔“

یہ عجیب بات ہے کہ نکاح کرنے کی وجہ سے انسان پر مالی ذمہ داریوں کا بوجھ آ جاتا
ہے، پہلے اکیلا تھا، بیوی آنے کے بعد دو ہو گئے، بچے پیدا ہونے کے بعد وہ چار بھی ہو سکتے
ہیں، چھ بھی ہو سکتے ہیں، دس بھی ہو سکتے ہیں۔ لیکن جوں جوں بچوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا
جاتا ہے اللہ اس کے رزق میں برکت عطا فرما دیتے ہیں۔ جو کل اپنی ضروریات کے بارے
میں پریشان تھا آج وہ دس افراد پر مشتمل کنبے کی ضروریات پوری کر رہا ہے، اور اللہ تعالیٰ
اس میں برکت دے رہے ہیں۔

حج اور نکاح کی وجہ سے رزق میں برکت:

دو چیزیں ایسی ہیں جن کے بارے میں کہا گیا ہے کہ ان کی وجہ سے رزق میں برکت ہوتی ہے۔

(۱) ایک حج کی وجہ سے۔

(۲) دوسرا نکاح کی وجہ سے۔

حالانکہ حج میں بھی انسان کی جیب سے خرچ ہوتا ہے اور نکاح میں بھی انسان کا خرچ ہوتا ہے اور مالی ذمہ داریاں بڑھ جاتی ہیں لیکن حدیث میں وعدہ کیا گیا کہ ان دو چیزوں کی وجہ سے رزق میں برکت ہوگی۔

مجھے اچھا نہیں لگتا کہ میں اپنی مثال دوں لیکن موقع ایسا ہے کہ بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ شادی سے قبل میں بہت غریب انسان تھا۔ میرے پاس ایک سائیکل تھی پھر اللہ نے بہت پرانی سی ایک موٹر سائیکل عطا فرمادی اور آج الحمد للہ میرے چھ بچے ہیں ان میں سے تین حافظ، ایک بچی عالمہ بن چکی ہے ان سب کی ضروریات بسہولت پوری ہورہی ہیں اور آج الحمد للہ میرے پاس گاڑی بھی موجود ہے، تو اللہ پاک بعض اوقات اولاد کی وجہ سے رزق دیتے ہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ

﴿وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ﴾

(سورة بنی اسرائیل: ۳۱)

ترجمہ: اپنی اولاد کو بھوک کے ڈر سے قتل نہ کرو، ہم انکو بھی رزق دیتے ہیں اور تم کو بھی۔

ایک جگہ فرمایا:

﴿نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاهُمْ﴾ (سورة الأنعام: ١٥١)

اور دوسری جگہ فرمایا:

﴿نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ﴾ (سورة الإسراء: ٣١)

بعض علماء نے "ہم" کو پہلے اور "کم" کو بعد میں لانے میں یہ نکتہ بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں تمہیں بھی ان کی برکت سے رزق دوں گا۔

(معارف القرآن، مفتی شفیع صاحب رحمہ اللہ: ۳/۴۷۴، روح المعانی ۸/۹۵۔ سورۃ الاسراء)

جیسا کہ ایک حدیث میں ہے:

"إنما تنصرون و ترزقون بضعفائكم."

(مجمع الزوائد باب الاستنصار بالدعاء: ٥/٥٩٢)

یعنی ہم تمہارے کمزور لوگوں کے طفیل تمہیں رزق دیتے ہیں۔

چنانچہ ایسا ہوتا ہے، اور الحمد للہ میں تو کہہ دیتا ہوں کہ اللہ پاک جو روزی دے رہے ہیں وہ بیوی، بچوں کی برکت سے دے رہے ہیں اور اللہ پاک جو وسعت فرمارہے ہیں وہ ان کی برکت سے فرمارہے ہیں۔

تو فرمایا:

﴿إِن يَكُونُوا فُقَرَاءَ﴾

اگر وہ فقیر ہوں گے، غریب ہوں گے۔

﴿يُغْنِهِمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ﴾

اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل سے غنی کر دے گا اور کہاں سے غنی اور مالدار کر دے گا؟ فرمایا کہ:

﴿وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ﴾

اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والا ہے،اس کے خزانوں کی کوئی حد وانتہا نہیں۔

گویا کہ اللہ تعالیٰ فرمار ہے ہیں کہ:

اے رزق کے بارے میں پریشان ہونے والو! جہاں سے تمہیں دے رہا ہوں وہیں سے ان کو بھی دوں گا۔

نکاح تمام انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے:

قرآن کریم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام نے نکاح والی زندگی گزاری، مجرد اور بے نکاحی زندگی نہیں گزاری۔ اللہ تعالیٰ کے نبی اللہ تعالیٰ سے زیادہ ڈرنے والے، اللہ کی عبادت کرنے والے، اللہ تعالیٰ کے دین کا، اللہ تعالیٰ کی مخلوق کا، انسانیت کا سینے میں درد رکھنے والے، تڑپنے والے، بلکنے والے ہوتے ہیں، لیکن اس کے باوجود انہوں نے نکاح کئے اور بیویوں کے حقوق ادا کئے، بچوں کے حقوق ادا کئے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ أَزْوَاجًا وَذُرِّيَّةً﴾

(سورۃ الرعد: ۳۸)

ترجمہ: ہم نے آپ سے پہلے بھی رسول بھیجے اور ان کیلئے ہم نے بیویاں بھی بنائیں اور ان کے بچے بھی تھے۔

انبیاء کے نکاح پر مشرکوں کو تعجب ہوا:

انبیاء کے نکاح پر ایمان والوں کو تعجب نہیں ہوا، انبیاء کے نکاح پر مشرکین کو تعجب ہوا،

کافروں کو تعجب ہوا یہ کیسا نبی ہے جو نکاح بھی کرتا ہے، جس کے بچے بھی ہیں، جو کھاتا پیتا بھی ہے، اور چلتا پھرتا بھی ہے۔

﴿وَقَالُوا مَالِ هَٰذَا الرَّسُولِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِي فِي الْأَسْوَاقِ﴾

(سورة الفرقان: ۷)

کیسا رسول ہے جو کھاتا بھی ہے، بازاروں میں چلتا پھرتا بھی ہے۔

ایک حدیث میں سرورِ دو عالم ﷺ نے فرمایا:

"اربع من سنن المرسلين، الحياء و التعطر والسواك و النكاح."

(رواه الترمذی فی أبواب النكاح: ۱/۲۰۶)

چار چیزیں، انبیاء کی سنت ہیں اور یہ ایسی سنتیں ہیں جو تمام انبیاء کی زندگی میں تھیں۔

حیاء ایمان کا عظیم شعبہ ہے:

پہلی چیز حیاء ہے جس کے اندر حیاء نہیں اس کے اندر ایمان نہیں۔

حدیث میں ہے:

"عن ابن عمر ان النبي صلى الله عليه وسلم قال: ان الحياء والايمان قرناء جميعاً فاذا رفع احدهما رفع الاخر وفي رواية ابن عباس: فاذا سلب احدهما تبعه الآخر، رواه البيهقي في شعب الايمان."

(مشكوة: صـ ۴۳۲)

حیاء اور ایمان دونوں اکٹھے آتے ہیں، اور اللہ نہ کرے بعض اوقات دونوں اکٹھے چلے جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے نبی ﷺ نے فرمایا:

"إذا لم تستحي فاصنع ما شئت."

(رواه البخاري باب اذالم تستحي فاصنع ما شئت: ٢/٩٠٤)

جب حیاء فوت ہو جائے تو جو چاہو کرو۔

اللہ تعالیٰ کے نبی ﷺ نے فرمایا:

"الحياء شعبة من الا يمان." (رواه البخاري في كتاب الايمان: ١/٦)

حیاء ایمان کا بہت بڑا شعبہ ہے۔

حیاء کیا ہے؟

حیاء کیا چیز ہے؟ حیاء وہ جذبہ، وہ کیفیت، وہ طبعی عارضہ ہے جس کی وجہ سے انسان گناہوں سے بچ جاتا ہے، اس کو حیاء کہتے ہیں۔

حضور علیہ السلام کا سب سے زیادہ قیمتی خوشبو لگانا:

دوسری چیز خوشبو لگانا، یہ بھی انبیاء کی سنت ہے، سارے انبیاء خوشبو لگاتے تھے، اور آپ جانتے ہیں کہ ہمارے آقا اپنے زمانے میں جو سب سے قیمتی اور بہترین خوشبو دستیاب ہوتی تھی وہ استعمال فرماتے تھے باوجودیکہ آپ کے پسینہ سے خوشبو، آپ کے جسم سے خوشبو، آپ کا جسم سراپا خوشبو تھا۔

حدیث میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

" دخل علينا النبي صلى الله عليه وسلم فقال (من القيلولة) عندنا فعرق وجاء ت امي بقارورة فجعلت تسلت العرق فيها فاستيقظ النبي

صلى الله عليه وسلم فقال يا ام سليم ! ما هذ االذى تصنعين قالت هذا عرقك نجعله في طيبنا وهو من اطيب الطيب.)

(رواه مسلم باب عرقه صلى الله عليه وسلم والتبرك به: ۲/۲۵۷)

ایک مرتبہ آپ ﷺ آرام فرمارہے تھے گرمی کے دن تھے، ام سلیم ؓ نے آپ کے جسم اطہر پر پسینہ کی جو بوندیں تھیں وہ ایک شیشی میں جمع کرلیں، آپ کی آنکھ کھلی، پوچھا یہ کیا کررہی ہو؟ عرض کیا یارسول اللہ ہم خوشبو بناتے ہیں، جس خوشبو میں آپ کا پسینہ ڈالدیں اس خوشبو کی لطافت کچھ اور ہی ہوجاتی ہے۔

لیکن پھر بھی آپ ﷺ خوشبو استعمال فرماتے تھے۔

مسواک کے فوائد:

تیسری سنت مسواک کرنا ہے، آپ دانتوں کو صاف رکھتے تھے، حضور کثرت سے مسواک استعمال فرماتے تھے، سونے سے پہلے، سونے کے بعد، سفر سے واپسی پر، کھانے سے پہلے، کھانے کے بعد، نماز کے وقت، وضو کے وقت، کثرت سے مسواک استعمال فرماتے تھے اور مسواک کے فضائل بیان کرتے تھے، آپ نے فرمایا:

"لو لا ان اشق على امتى لا مرتهم با لسواك."

(مسلم باب السواك: ۱/۱۲۸)

اگر میری امت پر مشقت نہ ہوتی، تنگی کا خطرہ نہ ہوتا تو میں حکم دیتا کہ مسواک کرو۔ لیکن مسواک فرض یا واجب ہونے سے مشقت ہوجاتی اس لئے حکم نہیں دیا بلکہ ترغیب دی۔

ستر گنا زیادہ ثواب:

حدیث میں ہے:

"فضل الصلوٰۃ بالسواك على الصلوٰۃ بغير سواك سبعون ضعفاً."

(رواہ احمد۔ الترغيب والترهيب، باب السواك: ١/ ١٠٢)

مسواک کر کے پڑھی جانے والی نماز کا ثواب بغیر مسواک کے پڑھی جانے والی نماز سے ستر گنا زیادہ ہے۔

اور آج کل کے ڈاکٹر، حکیم اس بات کو تسلیم کر رہے ہیں کہ مسواک میں بے پناہ فوائد ہیں ....

مسواک دانتوں کو فائدہ دیتی ہے....

مسواک نظر کو فائدہ دیتی ہے....

مسواک حافظہ کو فائدہ دیتی ہے....

مسواک معدہ کی بہت سی بیماریوں سے نجات دیتی ہے....

حضور اکرم ﷺ کا مرض الموت میں مسواک کرنا:

مرض الموت میں جب حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ مسواک لیکر حاضر ہوئے تو حدیث میں آتا ہے کہ

"فابدّه رسول الله صلى الله عليه وسلم بصره."

نبی اکرم ﷺ کی نظریں مسواک پر ٹک گئیں، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا، ہماری اماں، حضور ﷺ کی زوجۂ محترمہ، سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی لخت جگر، امت کی محسنہ، مؤمنہ، متقیہ، حافظہ، عالمہ، مزاج شناسِ رسول تھیں، سمجھ گئیں کہ حضور مسواک کرنا چاہتے ہیں تو حدیث میں آتا ہے کہ

"فاخذت (اي عائشة) السواك فقضمته و نفضته و طيبته ثم دفعته الى النبي صلى الله عليه و سلم فاستن به."

(بخاری ۔ باب مرض النبي صلى الله عليه و سلم: ٦٣٨/٢)

یعنی مسواک لی اور اپنے دانتوں سے چبائی، اس لئے کہ آپ چبا نہیں سکتے تھے اور پھر اپنے سرتاج کی خدمت میں پیش کی، حضور ﷺ نے اس دہنِ مبارک کو جو پہلے ہی مزکی تھا...... مصفّٰی تھا...... مجلّٰی تھا...... مطہر تھا...... معطر تھا......

مسواک سے مزید خوشبودار بنالیا۔

چوتھی سنت:

چوتھی سنت تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ السلام کی نکاح کرنا ہے، تمام انبیاء علیہم السلام نے نکاح کیے، ان کی اولادیں ہوئیں، ان کے حقوق ادا کیے۔

تین آدمیوں کی مدد کرنا اللہ کا حق ہے:

ایک دوسری حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"ثلاثة حق على الله عونهم، المجاهد فى سبيل الله، و المكاتب الذى يريد الاداء، و الناكح الذى يريد العفاف."

(رواه الترمذى: ٢٩٥/١)

کہ تین آدمیوں کی مدد کرنا اللہ کا حق ہے، اللہ تین آدمیوں کی مدد کرتا ہے۔ یہ بھی سمجھ لیجئے کہ جب اللہ تین بندوں کی مدد کرتا ہے تو اس سے یہ بھی مطلب نکلا کہ تین بندوں کی مدد کرنا ہم پر بھی لازم ہے۔ اللہ کے نیک بندوں کو بھی چاہیے کہ وہ ان کی مدد کریں۔

مکاتب غلام کی مدد کرنا:

پہلا وہ غلام جو مکاتب ہو اور اپنی ادائیگی کے سلسلہ میں پریشان ہو، مکاتب اس غلام کو کہا جاتا تھا (اور آج بھی کہا جائے گا کہ) جس کا آقا کہہ دے کہ تم مجھے اتنے پیسے لا کر دو میں تمہیں آزاد کر دوں گا۔

چنانچہ صحابہ ﷺ یہ عمل کیا کرتے تھے، جن غلاموں کو ان کے آقا مکاتب بنا دیتے تھے، صحابہ ان کے بدل کتابت میں ان کی مدد کرتے تھے، تاکہ غلامی کے طوق سے آزاد ہوں۔

رشتہ کرنے والے کی مدد کرنا:

دوسرا شخص جس کی مدد کرنا اللہ کا حق ہے، وہ ہے نکاح کرنے والا، جو مرد و عورت پاکدامنی کی زندگی گزارنا چاہتے ہوں ان کی مدد کرنا یہ اللہ کا حق ہے۔

جو خوش قسمت اللہ کی رضا کے لئے یہ کام کرتے ہیں، نیک لڑکوں کے لئے نیک لڑکیاں تلاش کرتے ہیں، نیک لڑکیوں کے لئے نیک لڑکے تلاش کرتے ہیں پھر ان کے درمیان رشتہ قائم کرنے کی کوشش کرتے ہیں وہ اللہ کا حق ادا کرتے ہیں، وہ ایک نیک عمل کر رہے ہیں جو دنیا میں بھی ان کے کام آئے گا اور آخرت میں بھی کام آئے گا۔

اور تیسرا شخص جس کی مدد کرنا اللہ کا حق ہے، وہ ہے جو اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا ہو۔

نبی اکرم ﷺ نے اس طور پر ترغیب دی کہ صحابہ ﷺ کے دلوں میں اس کی اہمیت اور اس کا ثواب بیٹھ گیا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ کا قول:

حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ کا مشہور قول ہے کہ اگر میری زندگی کے دس دن بھی باقی ہوں تب بھی میں شادی کرنا پسند کروں گا تاکہ اللہ کے سامنے شادی شدہ پیش ہوں، غیر شادی شدہ پیش نہ ہوں۔

اور ویسے بھی حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے واقعہ لکھا ہے، کہ ایک بڑے میاں نے بڑھاپے میں نکاح کر لیا سارے خاندان والے باتیں کر رہے تھے، لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ بیوی وہ کام کر رہی ہے، وہ خدمت کر رہی ہے جو بیٹے اور بیٹیاں بھی نہ کر رہے تھے تو اب ان کو خیال ہوا کہ واقعی انہوں نے اچھا عمل کیا۔

(اسلامی شادی: صـ ۱۳)

ایک اچھی بیوی جو خدمت کر سکتی ہے وہ بسا اوقات بیٹی اور بیٹا بھی نہیں کر سکتے۔ لیکن میں ایک اچھی عورت کی بات کر رہا ہوں۔

میں آوارہ عورت کی بات نہیں کر رہا۔

میں فیشن ایبل عورت کی بات نہیں کر رہا۔

میں ماڈرن عورت کی بات نہیں کر رہا۔

میں مغرب پرست عورت کی بات نہیں کر رہا۔

ایک اچھی عورت کی بات کر رہا ہوں جو خدمت کرنے والی، محبت کرنے والی، وفا کرنے والی ہو، اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا۔

"إن الدنيا كلها متاع وخير متاع الدنيا المرأة الصالحة۔"

(رواه النسائي في كتاب النكاح: ۲/۷۱)

یہ دنیا ساری کی ساری سامان ہے اور دنیا کا سب سے بہترین سامان اور متاع، اور استعمال کی چیز، اور نفع دینے والی چیز نیک بیوی ہے۔

ایک دوسری حدیث میں فرمایا:

"من سعادة ابن آدم ثلاثة و من شقاوة ابن آدم ثلاثة.

من سعادة ابن آدم:

المراة الصالحة و المسكن الصالح والمركب الصالح.

و من شقاوة ابن آدم:

المرأة السوء والمسكن السوء و المركب السوء."

(كتاب النكاح: الترغيب و الترهيب: ٢٧/٣)

یعنی تین چیزیں انسان کی نیک بختی کی علامت ہیں، اور تین چیزیں بدبختی کی علامت ہیں۔ تین چیزیں جو اس کی نیک بختی کی علامت ہیں وہ یہ ہیں۔ نیک بیوی، اچھا اور کشادہ مکان، اور اچھی سواری۔

اور تین چیزیں جو بدبختی کی نشانی ہیں وہ یہ ہیں۔ بری بیوی، جس کے اخلاق اچھے نہ ہوں اور اس کا کردار صحیح نہ ہو۔ اور غیر مناسب رہائش گاہ، جو تنگ ہو۔ پڑوسی اچھا نہ ہو وغیرہ اور بری سواری جو اڑیل ہو، کمزور اور بیمار ہو۔

نکاح عفت و پاکدامنی کا ضامن ہے:

نکاح کی ترغیب دیتے ہوئے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

"إذا تزوج العبد فقد استكمل نصف الدين فليتق الله في النصف

الباقی." (مشکوۃ: ۲/۲٦۸)

جب بندہ نکاح کرلیتا ہے تو اس کا آدھا دین مکمل ہوجاتا ہے۔اب اس کو چاہیے کہ باقی آدھے دین کے بارے میں اللہ سے ڈرے،جب نکاح کرلیتا ہے تو آدھا دین کامل ہو جاتا ہے، زندگی میں نظم وضبط پیدا ہوجاتا ہے۔انسان ذمہ داری محسوس کرتا ہے،عفت و پاکدامنی اس کو حاصل ہوجاتی ہے۔اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"یا معشر الشباب من استطاع منکم الباءۃ فلیتزوج فانہ اغض للبصرو احصن للفرج." (رواہ البخاری: ۲/۷۰۷)

اے نوجوانوں کی جماعت! تم میں سے جو کوئی نکاح کی استطاعت رکھتا ہے وہ نکاح کرے، اس لئے کہ نکاح نظر کی حفاظت کا ذریعہ ہے، نکاح شرمگاہ کی حفاظت کا ذریعہ ہے۔

جس کے دل میں خوفِ خدا ہو، حلال پر نظر رکھتا ہو تو حقیقت یہ ہے کہ نکاح کی وجہ سے اس کی نظروں کی حفاظت ہوجاتی ہے، اس کی شرمگاہ کی حفاظت ہوجاتی ہے۔اور یاد رکھیں یہ حفاظت کوئی معمولی چیز نہیں، ایک حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا:

"من یضمن لی ما بین لحییہ و مابین رِجلَیہ اضمن لہ الجنۃ."

(رواہ البخاری فی باب حفظ اللسان: ۲/۹۵۸)

یعنی تم مجھے دو چیزوں کی حفاظت کی ضمانت دو میں تمہیں جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔ کونسی دو چیزیں؟ فرمایا کہ زبان اور شرمگاہ، ان دو چیزوں کی حفاظت کی ضمانت دیدو میں تمہیں جنت کی ضمانت دوں گا۔

یہ کتنی بڑی بات ہے جو میاں بیوی کے نکاح کی صورت میں حاصل ہو جاتی ہے۔عفت وعصمت، نگاہوں کی حفاظت، شرمگاہوں کی حفاظت، میں ان لوگوں کی بات کر رہا ہوں جو حلال پر قناعت کرنے والے ہوتے ہیں جو حیاء والے ہوتے ہیں......

میں بے شرموں کی بات نہیں کر رہا......

میں دیوثوں کی بات نہیں کر رہا......

میں بے حیاؤں کی بات نہیں کر رہا......

جو نکاح کے باوجود دوسرے کی بہن، بیٹی پر نظر رکھتے ہیں، حلال کی بجائے، حرام کی طرف للچاتے ہیں......

پاک جگہ پر بیٹھنے کی بجائے گندگی پر بیٹھتے ہیں......

نجاست پر بیٹھتے ہیں......

کوڑا کرکٹ پر بیٹھتے ہیں......

کچرے پر بیٹھتے ہیں......

میرے عزیز بھائیو! یہ قدرت کا عجیب نظام ہے کہ بعض ایسے ہوتے ہیں، جن کو حلال میں لطف آتا ہے، حرام کی طرف نظریں نہیں اٹھتیں اور بعض ایسے روسیاہ، سنگدل ہوتے ہیں جنکو حرام میں مزہ آتا ہے، حلال کی طرف نظر نہیں اٹھتی۔

نصیحت آموز واقعہ:

میں ایک واقعہ سنایا کرتا ہوں، جس کی طرف آج اختصار کے ساتھ اشارہ کر رہا ہوں۔

حضرت مولانا مظفر کاندھلوی رحمہ اللہ کی کسی وڈیرے سے ملاقات ہوگئی، ہاتھ جوڑ کر ایک

مرتبہ مسجد میں لے آئے، زندگی کی پہلی نماز پڑھوادی، ادھر سجدہ میں گر گئے اور دُعا کی۔ یا اللہ! تیرے گھر کا راستہ دکھانا میرا کام تھا اور اب قبول کرنا تیرا کام ہے۔ ایسی زندگی بدلی کہ پھر پچیس سال تک فرض نماز تو کجا تہجد کی نماز بھی قضا نہیں ہوئی۔ اور کم وبیش دس سال شادی کو ہو گئے تھے، لیکن بیوی کا چہرہ بھی نہیں دیکھا تھا، یہ ظالم شراب و کباب کا رسیہ تھا، رنڈیوں اور کنجریوں میں کھویا رہتا تھا، گھر میں وہ بیچاری عفیفہ اور پاکدامن انگاروں پر لوٹتی پوٹتی رہتی تھی، اللہ! میری طرف توجہ نہیں ہے۔ لیکن آج دل بدلا تو نظر بھی بدل گئی، نظر ایسے نہیں بدلتی، نظر دل کے بدلنے سے بدلتی ہے۔ اسی لئے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام دلوں پر محنت کرتے ہیں......

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام صنعت پر نہیں......

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام تجارت پر نہیں......

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام زراعت پر نہیں......

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام جسموں پر نہیں......

بلکہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام دلوں پر محنت کرتے ہیں کہ دل بدل جائیں تو سب کچھ بدل جاتا ہے۔ آج جو دل بدلا، گھر پر آیا، اس عفیفہ منکوحہ (بیوی) پر نظر پڑی تو دل نے ملامت کی۔ ارے ذلیل! تو کن رنڈیوں کے پیچھے زندگی ضائع کر رہا ہے، اللہ نے تیرے گھر میں حور بٹھا رکھی ہے۔ واپس پلٹا اور سب کو بھگا دیا پھر عفت والی زندگی گزاری۔

تو عرض کر رہا تھا کہ جس کی فطرت ہی خراب ہو اس کا معاملہ الگ ہے، ورنہ نکاح عفت وعصمت اور پاکدامنی کا ضامن ہے، انسان کی نظر کو بچاتا ہے، انسان کی شرمگاہ کو بچاتا ہے۔

نکاح فطرت کا تقاضا ہے:

حدیث میں ہے:

"من احب فطرتی فلیستن بسنتی و من سنتی النکاح."

(مجمع الزوائد: ٤/٤٦٢، رقم الحدیث: ٧٣٠٥)

ترجمہ: ''جو شخص میری فطرت کو محبوب رکھتا ہو اس کو چاہیے کہ میری سنت کو اپنائے اور منجملہ میری سنتوں کے ایک سنت نکاح بھی ہے۔''

اس سے معلوم ہوا کہ نکاح فطرت کا تقاضا ہے اور اسلام دین فطرت ہے۔ یہ فطرت کے تقاضوں کو دباتا نہیں ہے بلکہ فطرت کے تقاضوں کو صحیح رخ دیتا ہے، جو فطرت سے بغاوت کریگا وہ ہلاکت میں جا پڑے گا۔

یہی وجہ ہے کہ سرکار دوعالم ﷺ نے فرمایا:

"من کان موسراً لا ن ینکح، ثم لم ینکح فلیس منی."

رواہ الطبرانی باسناد حسن و البیهقی (الترغیب والترهیب: ٣/٢٩)

جو شخص صاحب ثروت ہے، اللہ نے اس کو نکاح کرنے کی طاقت دے رکھی ہے، پھر بھی وہ نکاح نہیں کرتا تو آپ نے فرمایا: وہ ہم میں سے نہیں ہے، اس کا ہم سے کوئی تعلق نہیں۔

ایک مرتبہ کچھ لوگ آپ ﷺ کی ازواج مطہرات کے گھروں پر آئے، اور ان سے نبی اکرم ﷺ کی عبادت کے متعلق پوچھنے لگے، جب انہیں آپ کی عبادت کے متعلق بتایا گیا تو وہ ایک دوسرے سے گفتگو کرنے لگے، چہ میگوئیاں شروع ہوگئیں اور کہنے لگے کہ اللہ

آپ ﷺ کے پچھلے اور اگلے گناہ معاف کر چکا، کہاں ہم اور کہاں نبی ﷺ یعنی آپ کا مرتبہ بلند وبالا ہے، اس عظیم مرتبہ کے باوجود آپ اتنی عبادت کرتے ہیں آپ کے لئے تو یہ کافی ہے مگر ہماری نجات کے لئے اتنی عبادت کافی نہیں، تو روایت میں آتا ہے:

"قال احد هم: اما انا فانی اصلی اللیل ابداً."

ان میں سے ایک نے کہا کہ آج کے بعد میں ہمیشہ ساری رات عبادت میں گزاروں گا۔

"وقال آخر: وانا اصوم الدهر و لا افطر ابداً."

میں پوری زندگی روزے رکھوں گا اور کبھی افطار نہیں کروں گا۔

"وقال آخر: وانا اعتذل النساء فلا اتزوج ابداً."

میں ہمیشہ عورتوں سے دور رہوں گا کبھی نکاح نہیں کروں گا۔

اتنے میں حضور علیہ السلام تشریف لائے اور فرمایا: تم ایسی ویسی باتیں کر رہے تھے؟

صحابہ ﷺ نے کہا: جی ہاں! تو آپ نے فرمایا:

"اما واللّٰه انی اخشاکم للّٰه و اتقاکم ولکنی اصوم و افطر واصلی وارقد، واتزوج النساء فمن رغب عن سنتی فلیس منی."

(رواه البخاری التر غیب فی النکاح: ۲/ ۷۵۷)

خبردار! میں تمہاری نسبت اللہ سے زیادہ ڈرنے والا، خوف رکھنے والا ہوں، تمہاری نسبت زیادہ متقی ہوں، لیکن میں روزے بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں، نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے شادی بھی کرتا ہوں۔ لہٰذا جس نے میری سنت سے

اعراض کیا ہمنہ پھیرا اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہ ہوگا۔

تو نکاح انسانی فطرت ہے جو اس سے بغاوت کریگا وہ ہلاکت اور بربادی میں جا پڑے گا۔ عیسائیوں کے بعض راہبوں، راہبات اور ہندوؤں کے بعض جوگیوں نے فطرت سے بغاوت کی، کہا کہ ہم نکاح نہیں کریں گے، ساری زندگی دھرم کی، مذھب کی، دین کی، انسانیت کی خدمت کریں گے اور یہ تصور دیا کہ اعلیٰ درجہ کا متقی اور اللہ والا بننے کے لئے بیوی بچوں کو چھوڑنا، دنیا کا ترک، رھبانیت کی زندگی اختیار کرنا، لذتوں سے کنارہ کشی اختیار کرنا ضروری ہے۔ چنانچہ اس مقصد کے حصول کے لئے

کوئی جنگلوں میں بسیرا کر لیتا......

کوئی پہاڑوں میں جا بیٹھتا......

کوئی مسلسل روزے رکھتا......

کوئی لذیذ کھانوں سے پرہیز کرتا......

ایسے بھی تھے جو ننگے رہتے......

ایسے بھی تھے جو مسلسل کھڑے رہتے......

ایسے بھی تھے جو اپنے اعضاء کو مشقت میں ڈالتے......

اپنے پورے جسم کو مشقت میں ڈالتے......

اور خیال یہ تھا کہ جتنا زیادہ اپنے آپ کو مشقت میں ڈالا جائے اتنا ہی ہمارے دیوتا ہم سے زیادہ خوش ہوتے ہیں، اپنی اولادیں ذبح کرتے اس خیال سے کہ ہمارے دیوتا ہم سے خوش ہوتے ہیں۔ آج بھی ایسے ملنگ قسم کے لوگ نظر آئیں گے جنہوں نے اپنے آپ کو

زنجیروں میں جکڑ رکھا ہوتا ہے، اور ایسے کپڑے پہن رکھے ہوتے ہیں جو گوشت میں گھس جاتے ہیں اور ان کا خیال ہے کہ جتنا زیادہ اپنے آپ کو مشقت میں ڈالیں گے اتنا ہی ہمارا خدا ہم سے زیادہ خوش ہوگا، لیکن پھر اخبارات میں، میڈیا میں ان کی بدکرداری کے جو واقعات شائع ہوئے، انسانیت کا سر شرم سے جھک گیا، زانی شرما گئے اپنے مذہبی راہنماؤں کی سٹوریاں اور کہانیاں اور تفصیلات پڑھ کر، ایسا کیوں ہوا؟ فطرت سے بغاوت کی، جو فطرت سے بغاوت کرے گا وہ ہلاکت میں جا پڑے گا۔ اسی لئے حضرت علی ﷺ سے منقول ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

"ثلاث لا تؤخرها الصلوة إذا انت، والجنازة إذا حضرت، والأيم إذا وجدت لها كفواً."

(رواه الترمذي۔ باب ما جاء في تعجيل الجنازة: ۲۰۶/۱)

تین چیزوں میں تاخیر نہ کی جائے۔

(۱) نماز جنازہ جبکہ وہ تیار ہو جائے۔

(۲) اور پنج وقتہ نماز جبکہ اس کا وقت آ جائے۔

(۳) اور جب بے نکاح کے لئے رشتہ آ جائے تو پھر تاخیر نہ کرو۔

آقا نے فرمایا کہ:

"إذا خطب اليكم من ترضون دينه وخلقه فزوجوه إلا تفعلوه تكن فتنة في الارض وفساد عريض."

(رواه الترمذي۔ باب ماجاء من ترضون دينه فزوجوه: ۲۰۷/۱)

یعنی اگر تمہارے سامنے ایسا رشتہ آتا ہے جس کی سیرت، جس کا کردار، جس کا دین تمہیں پسند ہو تو پھر نکاح کرلو اگر نہیں کرو گے تو بڑا فتنہ برپا ہوگا۔

یہ آقا نے فرمایا تھا، کیا آج ایسا نہیں ہو رہا؟ ہم معیار کی تلاش میں رہے، بیٹی چھوٹی ہے، ابھی پڑھ رہی ہے، ابھی ایم اے (M.A) کیا ہے، ابھی پی، ایچ، ڈی، (P.H.D) کرے گی۔ ابھی نوکری کرے گی، ملازمت کی تلاش ہے، ملازمت مل جائے پھر نکاح کریں گے، پھر معیار کی تلاش اور جوانی ڈھلنا شروع ہوگئی، کہاں تو بڑوں بڑوں کے رشتے ٹھکراتے تھے اور اب ہر کوئی ان کو ٹھکرا رہا ہے، بدکاری عام ہے، زنا عام ہے، فحاشی عام ہے، اس لئے کہ ہم نے آقا کی تعلیمات کو نظر انداز کیا، آقا کی تعلیم تو تھی: "اَلنکاح من سنتی" کہ نکاح میری سنت ہے۔

"وفی روایة فمن رغب عن سنتی فلیس منی."

(رواه البخاری فی کتاب النکاح: ۲/۷۵۷)

اور ایک روایت میں ہے: جس نے میری سنت سے اعراض کیا پس وہ مجھ سے نہیں ہے۔

یہ پہلی بات تھی جو بیان کر رہا تھا۔

دوسری بات جو آج کی نشست میں عرض کرنا چاہتا ہوں ▪ ہے نکاح کے مقاصد۔

نکاح کے مقاصد:

(۱) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت:

سب سے پہلا مقصد اللہ اور اس کے رسول کے حکم کی تعمیل ہے، اللہ نے حکم دیا ہے کہ نکاح کرو، ہم اس کی تعمیل کریں گے......

عبادت سمجھ کر...... اللہ کی رضا سمجھ کر...... قرب کا ذریعہ سمجھ کر......

(۲) ایمان اور عفت وعصمت کی حفاظت:

دوسرا مقصد عفت وعصمت اور ایمان کی حفاظت ہے۔ آپ نے ابھی سنا کہ آقا ﷺ نے فرمایا کہ جس نے نکاح کیا اس کا آدھا دین مکمل ہوگیا، اس کی نظر محفوظ ہوگئی، شرمگاہ محفوظ ہوگئی۔

(۳) توالد وتناسل:

تیسرا مقصد توالد وتناسل یعنی بچوں کو پیدا کرنا ہے، یہ بھی نکاح کے مقاصد میں سے ہے، اسی لئے اللہ نے فرمایا:

﴿ نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنّٰى شِئْتُمْ ﴾

(سورة البقرة: ٢٢٣)

بیوی کو حرث اور کھیتی قرار دیا تاکہ توالد وتناسل کے مقصد کی طرف اشارہ ہوجائے۔

اور آقا ﷺ نے فرمایا:

"تَزَوَّجُوْا الودود الولود فانی مکاثربکم الامم."

(رواہ ابو داؤد باب فی تزویج الا بکار: ١/ ٢٨٠)

ترجمہ: بچے پیدا کرنے والی اور محبت کرنے والیوں سے نکاح کرو کیونکہ قیامت کے دن تمہاری کثرت کی بناء پر دوسری امتوں پر فخر کروں گا کیونکہ میری امت زیادہ، دوسری امتیں کم ہوں گی۔

ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا:

"عليكم بالابكار فانهن اعذب افواها و انتق ارحاماً وارضى باليسير."

(رواه بن ما جه باب تزويج الا بكار: ١/١٣٤)

تمہیں کنواری عورتوں سے نکاح کرنا چاہیے کیونکہ وہ شیریں زبان اور خوش کلام ہوتی ہیں، بدزبان، فحش گو نہیں ہوتیں اور زیادہ بچے پیدا کرنے والی ہوتی ہیں، اور وہ تھوڑے پر بھی راضی ہو جاتی ہیں یعنی تھوڑا مال واسباب بھی مل جائے، تو اس پر بھی راضی رہتی ہیں۔

اور آپ نے نکاح کی ترغیب دیتے ہوئے اس کو افزائشِ امت کا باعث قرار دیا۔ فرمایا:

"تناكحوا تناسلوا فاني مكاثر بكم الأمم." (تفسير قرطبي: ٥/٣٩١)

ترجمہ: ''آپس میں نکاح کرو اور نسل بڑھاؤ، کیونکہ (قیامت کے دن) تمہاری کثرت کی بناء پر دوسری امتوں پر فخر کروں گا۔''

انبیاء کرام علیہم السلام کا اولاد مانگنا:

انبیاء علیہم السلام بھی اولاد مانگا کرتے تھے، حضرت زکریا علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے دعا مانگا کرتے تھے:

﴿رَبِّ هَبْ لِي مِن لَّدُنكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۖ إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ﴾

(سورة آل عمران: ٣٨)

ترجمہ: ''اے میرے رب! مجھے اپنی طرف سے پاکیزہ اولاد عطا فرما دے، بے شک آپ دعا کو سننے والے ہیں۔''

اللہ نے عباد الرحمٰن کی نشانیاں بیان فرمائیں، ان میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ

﴿وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا﴾ (سورة فرقان: ٧٤)

یعنی اے اللہ! بیویوں سے اور اولاد سے ہمیں آنکھوں میں ٹھنڈک عطا فرما۔ اور ہمیں پرہیزگاروں کا امام بنادے۔

نکاح کا مسنون طریقہ:

تیسری بات جو آج کی نشست میں عرض کرنا چاہتا ہوں وہ ہے نکاح کا مسنون طریقہ۔

۱۔ استخارہ کا مسنون طریقہ:

اس سلسلہ میں سب سے پہلے اللہ سے استخارہ، اللہ سے خیر طلب کرے، نبی اکرم ﷺ کی تعلیم کے مطابق استخارہ کرے، دو رکعت نفل پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرے۔

"اللّٰھم انی استخیرك بعلمك و استقدرك بقدرتك."

اے اللہ! میں آپ کے علم سے خیر طلب کرتا ہوں اور قدرت طلب کرتا ہوں آپ کی قدرت سے۔

"فانك تقدر ولا اقدر وتعلم ولا اعلم"

آپ قادر، میں عاجز، آپ جاننے والے، میں جاہل۔

"إنك انت علام الغيوب."

میں آج کی بات نہیں جانتا آپ لاکھوں سالوں کی جاننے والے ہیں، ہمیشہ کی بات جاننے والے ہیں، غیب کی بات جاننے والے ہیں۔

اے اللہ اگر یہ رشتہ ہمارے حق میں بہتر ہے، اللہ اس کو مقدر فرمادے، اگر بہتر نہیں تو اس کو ختم فرمادے۔ میں اس وقت رشتہ کے موضوع پر بات کر رہا ہوں ورنہ استخارہ تو تمام جائز معاملات میں ہے۔

۲۔ استشارہ:

پھر استشارہ، جاننے والوں سے مشورہ، فلاں جگہ رشتہ کرنا چاہتا ہوں کروں یا نہ کروں؟

کیا ہر غیبت حرام ہے؟

اور یہ وہ معاملہ ہے جس میں شریعت نے غیبت کی بھی اجازت دی ہے، اگر تم سے کسی کے بارے میں مشورہ طلب کیا جاتا ہے کہ میں فلاں جگہ رشتہ کرنا چاہتا ہوں، کروں یا نہ کروں؟ اگر واقعی تمہیں ان کی کمزوریاں، خرابیاں اور برائیاں معلوم ہیں تو شریعت اجازت دیتی ہے کہ کھل کر بیان کرو، اس غیبت کا کوئی گناہ نہ ہوگا، بشرطیکہ نیت خیر خواہی کی ہو، نیت بدخواہی کی نہ ہو، نیت فساد کی نہ ہو۔

۳۔ پیغامِ نکاح:

پھر تیسرے نمبر پر خطبہ ہے یعنی نکاح کا پیغام دینا۔ اللہ نے قرآن میں اس کا ذکر فرمایا:

﴿وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُمْ بِهِ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاءِ﴾

(سورۃ البقرۃ: ۲۳۵)

ترجمہ: ''اور کچھ گناہ نہیں تم پر اس میں کہ اشارہ میں ہو پیغامِ نکاح ان عورتوں کا۔''

لیکن اس خطبہ کا، اس پیغامِ نکاح کا ہماری مروّجہ منگنی سے کوئی تعلق نہیں، دونوں میں کوئی مناسبت نہیں۔

منگیتر کو دیکھنا:

اور شریعت نے اجازت دی ہے کہ اگر چاہو تو اپنی مخطوبہ اور منگیتر کو ایک نظر دیکھ سکتے ہیں۔

حضور سرورِ دو عالم ﷺ نے فرمایا:

"إذا خطب احد كم المرأة فان استطاع ان ينظر الى ما يدعوه الى نكاحها فليفعل." (رواه ابو داؤد باب الرجل ينظر الى المراة وهو يريد تزويجها: ۱/۲۹۱)

ترجمہ: "جب تم میں سے کوئی شخص کسی عورت کو نکاح کا پیغام بھیجے تو اگر وہ (عورت کے ان اعضاء) کو دیکھنے پر قادر ہو جو اس کو نکاح کی رغبت دلاتے ہیں (یعنی ہاتھ اور چہرہ) تو ایک نظر دیکھ لے۔"

اس سے معلوم ہوا کہ شریعت نے اپنی مخطوبہ کو دیکھنے کی اجازت تو دی لیکن اس میں شرط لگائی کہ منگیتر کا صرف ہاتھ اور چہرہ دیکھ سکتا ہے، یا کپڑوں کے اوپر سے جسم کا مجموعی قد و قامت اور بس، اور یہ بھی فرمایا کہ لڑکے کے لئے ضروری ہے کہ نکاح کے ارادے سے دیکھے بدنظری مقصود نہ ہو، اگر نکاح کے ارادے سے دیکھے تو گو شہوت کا اندیشہ ہو پھر بھی دیکھنا جائز ہے۔ (الدر المختار: حظر والاباحة: ۶ / ۳۷۰)

لیکن اس کا مغربی تہذیب کے اس نظریہ سے کوئی تعلق نہیں کہ نکاح سے پہلے خاوند بیوی کو ایک عرصہ تک ایک دوسرے کے ساتھ وقت بھی گزارنا چاہیے اور باہم پیار و محبت کے تعلقات رکھنے چاہئیں، اسلام میں اس کی بالکل اجازت نہیں۔ اسلام نے اجنبی مرد عورت

کے تنہائی میں ملنے سے سختی سے منع کیا ہے اور ایسا کرنا عورت کے ساتھ زیادتی اور ظلم ہے، کیونکہ ان تعلقات کے بعد اگر رشتہ نہ ہوسکا تو اس کا خمیازہ صرف اور صرف عورت کو بھگتنا پڑے گا، اس لئے ایسے تعلقات رکھنے کی اسلام بالکل اجازت نہیں دیتا۔

تو عرض کر رہا تھا کہ شریعت نے انسانی فطرت کے تقاضے اور ذوق کو ملحوظ رکھا اسی وجہ سے اپنی مخطوبہ کو دیکھنے کی اجازت دی۔

عقدِ نکاح تین چیزوں کا نام ہے:

پھر جب نکاح ہو اس کے اندر تین چیزیں ہیں:

۱۔ ایجاب وقبول

۲۔ شرعی گواہ

۳۔ شرعی مہر

یہ سادہ سا، آسان سا، طریقہ نکاح ہے جس میں کوئی رسم نہیں وہ رسمیں جو آج ہم نے سینہ سے لگا رکھی ہیں شریعت سے ان کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔

نکاح آسان یا مشکل؟

شریعت نے نکاح کو آسان کیا لیکن ہم نے اس کو مشکل بنا دیا اور شریعت نے اس کو کتنا آسان کیا؟ اس کا اندازہ آپ کو ان واقعات سے ہوگا جو ابھی ذکر کیے جاتے ہیں:

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں جن کو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں ہی جنت کی خوشخبری دیدی تھی، اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ان کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کتنا گہرا تعلق ہو؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کو کتنی محبت ہوگی؟ اور صحابہ رضی اللہ عنہم میں ان کا کیا

مقام ہوگا؟ تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ﷛ نے نکاح کر لیا، حضور ﷺ نے جسم یا کپڑوں پر خاص قسم کا رنگ دیکھا جس سے اندازہ کر لیا کہ ان کا نکاح ہو گیا ہے، حضور ﷺ نے پوچھا کہ اے عبدالرحمٰن! تم نے نکاح کر لیا؟ عرض کیا کہ جی ہاں نکاح کر لیا ہے۔

نکاح کیا مگر حضور ﷺ کو پتہ نہیں، صحابہ ﷡ میں اس کا چرچا نہیں، حالانکہ وہ مالدار صحابہ میں سے تھے، ایسا نہیں کہ غربت کی وجہ سے سادہ نکاح کیا، پیسے والے تھے، کھاتے پیتے تھے، لیکن نکاح ایسا سادہ کیا کہ خود حضور ﷺ کو بھی خبر نہ ہوئی۔ مناسب رشتہ ہوا ہاتھ، حامی بھر لی، پس نکاح ہو گیا اور حضور ﷺ نے بھی شکوہ نہیں کیا کہ ارے نکاح کیا ہمیں بلایا ہی نہیں، ہم سے نکاح پڑھوایا ہی نہیں، آپ ﷺ نے صرف اتنا فرمایا:

"اولم ولو بشاة."

اے عبدالرحمٰن! ولیمہ کرنا اگرچہ ایک ہی بکری ذبح کرو لیکن ولیمہ کرنا۔

(رواہ الترمذی۔ باب ما جاء فی الولیمۃ: ۱/۲۰۸)

حضرت ام سلمہ ﷝ ہماری اماں، حضور ﷺ کی زوجہ مطہرہ، پہلے کسی اور کے نکاح میں تھیں، شوہر کا انتقال ہو گیا، کئی بچے تھے، نبی اکرم ﷺ نے پیغام نکاح بھیجا، عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! میرا تو کوئی سرپرست ہی نہیں میرا کون نکاح کرے گا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: اگر کوئی سرپرست نہیں تو کوئی ناپسند کرنے والا بھی تو نہیں۔ حضرت ام سلمہ ﷝ نے اپنے بیٹے سے کہا اٹھو اور میرا نکاح حضور ﷺ سے کر دو۔

اور حضرت ابو درداء ﷛ کا واقعہ تو بڑا ہی عجیب جو ہم سنیں تو یقین نہ آئے۔ حضرت سلمان فارسی ﷛ وہ عظیم انسان ہیں جو اسلام کے لئے اپنا سب کچھ قربان کر چکے تھے اور

ان کا کوئی نسبی رشتہ بھی مکہ اور مدینہ میں نہ تھا، اگر کوئی پوچھتا تھا کہ آپ کا نسب کیا ہے؟ تو کہا کرتے تھے "ابن اسلام" میں اسلام کا بیٹا ہوں۔

حضرت سلمان فارسی کو ایک جگہ رشتہ پسند آ گیا، حضرت ابو درداء کو بھیجا کہ بھائی میرا اس گھر میں نکاح کرا دو، فرمایا، اچھا! حضرت ابو درداء چلے گئے، حضرت سلمان فارسی انتظار میں ہیں۔ گھر والوں نے کہا کہ حضرت سلمان فارسی کو رشتہ نہیں دے سکتے۔ اب کیوں نہیں دے سکتے؟ اس کی تفصیلات ہمیں معلوم نہیں، اور ان گھر والوں کو انکار کا حق تھا۔

اسلام میں جبر نہیں:

اس لئے کہ شریعت جبر نہیں کرتی، ہمارے آقا جبر نہیں کرتے تھے، ارے ہمارے آقا تو عظیم انسان تھے، انسانی کمزوریوں، تقاضوں پر نظر رکھنے والے تھے۔

اللہ اکبر! آپ کی ایک لونڈی تھی حضرت بریرہ ؓ ان کا مشہور واقعہ ہے۔ آزاد ہوئیں، شریعت کہتی ہے کہ جب لونڈی آزاد ہو جائے تو اس کو اختیار ہے کہ غلامی کے زمانہ میں جو نکاح ہوا تھا چاہے تو اس کو برقرار رکھے، چاہے تو ختم کر دے، حضرت بریرہ ؓ اس نکاح کو ختم کرنا چاہتی تھیں، شوہر حضرت مغیث ؓ ختم نہیں کرنا چاہتے تھے، وہ ٹوٹ کر چاہتے تھے حضرت بریرہ ؓ کو، لیکن حضرت بریرہ ؓ خاطر میں نہیں لاتیں۔ حضور ﷺ نے عجیب منظر دیکھا، گلی میں حضرت بریرہ ؓ آگے جارہی تھیں اور حضرت مغیث ؓ روتے ہوئے پیچھے پیچھے، اور ایسے رو رہے ہیں کہ آنسوؤں کے قطرے داڑھی سے ٹپک رہے تھے، حضور ﷺ کو ترس آ گیا، حضور ﷺ نے فرمایا کہ بریرہ ترس کھالیتی، دیکھو کتنی محبت کرتا ہے۔

قربان جائیے! ایک لونڈی تھی لیکن حضور ﷺ کے مزاج کو، شریعت کے مزاج کو جانتی تھیں فوراً پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ! یہ آپ کا مشورہ ہے یا حکم؟ اگر حکم ہے تو بریرہ انکار نہیں کر سکتی، مشورہ ہے تو آپ ﷺ ہی نے جو تعلیم دی ہے اس کے مطابق مجھے اختیار ہے، حضور ﷺ تو جبر کرنے والے تھے نہیں، حضور ﷺ نے فرمایا کہ بریرہ یہ حکم نہیں مشورہ ہے حضرت بریرہ نے جواب دیا کہ پھر تو میں اس کے ساتھ نہیں رہ سکتی، حضور نے فرمایا کہ بہت اچھا۔ تو معلوم ہوا کہ اسلام جبر نہیں کرتا۔

(بخاری۔ باب خیار الامة تحت العبد: ۲/۷۹۵)

ادھر حضرت ابو درداء گھر والوں کو سمجھا رہے ہیں کہ ارے اس شخص کی بڑی قربانیاں ہیں، بڑا نیک ہے، عابد و زاہد ہے، اسلام کا دیوانہ ہے، انہوں نے کہا کہ ٹھیک ہے، ساری خوبیاں ہیں ہم بھی مانتے ہیں، مگر ہم ان کے ساتھ رشتہ نہیں کرنا چاہتے اگر آپ چاہیں تو آپ کو رشتہ دے سکتے ہیں، آپ نے فرمایا کہ اچھا مجھے ہی دیدو، دو گواہ لائے، ایجاب وقبول ہوا، مہر مقرر کیا، نکاح پڑھ دیا، باہر نکلے تو نظریں جھکی ہوئی شرم کی وجہ سے، بھائی سلمان معاف کر دینا: تمہارا رشتہ کرانے گیا تھا، اپنا کر کے آ گیا ہوں۔

(اخرجه الطبرانی) (حیاة الصحابة: ۲/۱۰۵۸)

صحابہ ﷺ وسیع الظرف تھے:

اللہ اکبر! صحابہ ﷺ کا کتنا بڑا سینہ تھا، کتنا بڑا ظرف تھا، حضرت سلمان نے فرمایا کہ ارے! شرمانے کی کیا ضرورت ہے؟ شرمانا تو مجھے چاہیے، مقدر تمہارا تھا کوشش میں کر رہا تھا، اس لئے کہ میں غیب نہیں جانتا تھا، اگر غیب جانتا ہوتا، مقدر کی بات جانتا ہوتا تو میں

کوشش ہی نہ کرتا۔

تو اتنا آسان کر دیا شریعت نے نکاح کو، ایسے آسانی سے رشتے ہوتے تھے، لیکن آج ہم نے نکاح کے معاملہ کو مشکل ترین بنا دیا۔

رشتہ کا اصل معیار دین ہے:

سب سے پہلے تو معیار دیکھیں، آقا ﷺ نے فرمایا:

"تنکح المراۃ لا ربع: لما لها و لحسبها و لجمالها و لدینها فاظفر بذات الدین تربت یداك."

(رواہ البخاری باب الاکفاء فی الدین: ۷٦۲/۲)

نکاح جو کیا جاتا ہے، رشتہ جو کیا جاتا ہے وہ چار چیزوں کی وجہ سے کیا جاتا ہے، حسب کی وجہ سے، مال کی وجہ سے، جمال کی وجہ سے، یا دین داری اور سیرت و کردار کی وجہ سے، فرمایا کہ دیکھو! اگر کہیں ان چیزوں میں ٹکراؤ ہو جائے تو دینداری کو ترجیح دینا، حسب کو نہیں حسب کیا ہے؟ اللہ کے نزدیک عزت کا معیار حسب نہیں تقویٰ ہے۔ مال کو نہ دیکھنا، مال آنے جانے والی چیز ہے......

دھوپ چھاؤں ہے......

آج کے امیر کل کے فقیر......

آج کے فقیر کل کے امیر......

میں نے اپنی اس مختصری زندگی میں کئی فقیروں کو امیر ہوتے دیکھا ہے، اور کئی امیروں کو فقیر ہوتے دیکھا ہے اور صدیوں میں تو پتہ نہیں کیا انقلابات آتے ہیں؟ لہٰذا مال کو نہیں

دیکھنا، جمال پسندی انسان کا ذوق ہے، اس کی فطرت ہے، میں نے کہا شریعت نے اس ذوق کی نفی نہیں کی، یہ نہیں کہا کہ صورت کو بالکل نہ دیکھو، جمال کا بالکل لحاظ نہ کرو، لیکن جمال رشتہ کا معیار نہیں۔ (مرقاة المفاتيح۔ باب النظر الى المخطوبه: ۲۸۱/۶)

بہت سے لوگ رشتے کرتے ہیں صرف اور صرف حسن و جمال کی وجہ سے، کنجریوں سے، رنڈیوں سے، طوائفوں سے، اداکاراؤں سے، فنکاراؤں سے، شوبزنس سے تعلق رکھنے والیوں سے، کیا ملتا ہے ان رشتوں سے؟ سوائے اس کے کہ ان رشتوں کا انجام طلاق، بے سکونی، اولاد کی تباہی، گھر کی بربادی، والدین کی بے عزتی، بھائی بہنوں سے بے وفائی، رشتہ داروں سے دوری ہوتی ہے، ایک آزاد خیال، بے پردہ، فاحشہ قسم کی عورت کو اپنے ذوقِ حسن کی تسکین کے لئے نکاح میں تو لے آیا مگر اس ذوق کی تسکین بھی نہ ہوئی اور سکون بھی تباہ ہوا دنیا بھی گئی، دین بھی جاتا رہا، اب بھاگے بھاگے پھرتے ہیں، تعویذ کراتے ہیں، عملیات اور ٹونے ٹوٹکے، اور کہتے ہیں کہ فلاں نے جادو کر دیا فلاں نے سحر کر دیا، گھر میں سکون نہیں، محبت نہیں، بیوی ایسی کہ شوہر کے والدین کی عزت تو کیا ان کے سر پر جوتے مارتی ہے، ان کی شکل تک دیکھنے کی روادار نہیں، ان کے ساتھ ایک گھر میں رہنے کے لئے آمادہ نہیں اگر چہ گھر بڑا کشادہ اور وسیع ہی کیوں نہ ہو، ایک گندا حسن تو لے آیا لیکن ساتھ ساتھ کتنی بلائیں لے آیا، کتنی مصیبتیں اور پریشانیاں لے آیا۔

تو معیار نہ حسب ہے، نہ مال ہے، نہ جمال ہے، بلکہ اصل معیار تو حسنِ سیرت، حسنِ اخلاق ہے، تقویٰ وطہارت ہے۔

اس لئے آقا ﷺ نے فرمایا کہ

"من تزوج امرأة لعزها لم يزده الله الا ذلاً ومن تزوجها لما لها لم يزده الله الا فقراً. ومن تزوجها لحسبها لم يزده الله الا دناءة ومن تزوج امرأة لم يردبها الا ان يغض بصره ويحصن فرجه اويصل رحمه بارك الله فيها و بارك لها فيها." (رواه الطبرانى فى الد وسط الترغيب والترهيب: ۳/۳۰)

یعنی اگر عورت کی شہرت کی وجہ سے نکاح کیا اللہ اسے ذلیل کر دیتا ہے۔ اگر مال کی وجہ سے کیا تو اس کے فقر میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ اگر حسب کی وجہ سے کیا تو اس کی کمینگی میں اضافہ کر دیتا ہے۔ لیکن اگر اس رشتہ سے مقصود عفت وعصمت کی حفاظت......

دینداری کی حفاظت......

نظروں کی حفاظت......

شرمگاہ کی حفاظت......

شریعت کے تقاضوں کی تقلید......

حضور کی سنت کی اتباع......

اپنی شہوانی خواہشات کو پورا کر کے اللہ تعالیٰ کے سامنے سرخرو ہونا ہے تو ایسے نکاح میں اللہ تعالیٰ برکت عطا فرماتے ہیں۔

اسلام اور رسمی جہیز:

چوتھی بات کی طرف میں آ رہا ہوں۔ چوتھی بات جو آج کی نشست میں عرض کرنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ شریعت نے نکاح کو آسان ترین بنایا تھا لیکن ہم نے ان رسموں کی وجہ سے نکاح کو مشکل ترین بنا دیا۔ مہندی کی رسم، منگنی کی رسم ..... منگنی کی شریعت نے اجازت دی ہے

لیکن یہ جو مروجہ منگنی ہے کیا سنت کے مطابق ہے؟ یہ نمائشی جہیز کی رسم۔ معاف کر دیجئے گا، وہ لوگ جنہوں نے اس جہیز کو نکاح کا ایک لازمی حصہ بنالیا ہے......

وہ بھوکے ہیں......

وہ فقیر ہیں......

وہ گداگر ہیں......

وہ مانگنے والے ہیں......

جو والدین سے بیٹی بھی مانگتے ہیں اور منہ کھول کر جہیز بھی مانگتے ہیں، مطالبے کرتے ہیں، وہ چوراہے پر مانگنے والے فقیر سے بڑے گداگر ہیں۔

پہلے تو یہ تھا کہ والدین خوشی سے دیتے تھے اور اب بھی کوئی خوشی کے ساتھ اپنی بیٹی کو رخصت کرتے وقت ہدیہ دیتا ہے تو یہ جائز ہے حرام نہیں۔ لیکن ہم نے جو طریقہ اختیار کر لیا ہے کہ دکھاوا ہوتا ہے، فہرستیں بنتی ہیں، نمائش ہوتی ہے مطالبے ہوتے ہیں، شرطیں لگتی ہیں، مقابلے ہوتے ہیں تو اب اس کے حرام ہونے میں کوئی شک نہیں۔

ازواج مطہرات کا جہیز کیا تھا؟

ارے اللہ کے بندو! حضور اکرم ﷺ نے جو شادیاں کیں کیا جہیز تھا؟ مجھے بتایئے۔

حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کو ان کے والدین نے کیا جہیز دیا؟

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کیا جہیز دیا؟ کیا وہ غریب تھے؟ وقت کے بہت بڑے تاجر تھے، بیٹی کے لئے بڑا رشتہ مل رہا تھا، آپ ﷺ ان کے داماد بن رہے تھے، خوش ہونا چاہیے تھا، زوردار دعوت ہونی چاہیے تھی کہ جس کا ذکر پورے عرب میں ہوتا،

خوب جہیز دینا چاہیے تھا، لیکن کیا جہیز دیا؟

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو کیا جہیز دیا؟

حضرت زینب ام المساکین رضی اللہ عنہا کو کیا جہیز دیا گیا؟

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو کیا جہیز ملا؟

حضرت جویریہ اور حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا کو کیا جہیز ملا؟

حضرت میمونہ اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو ان کے والدین نے کیا جہیز دیا؟

حضور ﷺ نے اپنی بیٹیوں کو کیا جہیز دیا؟

نبی اکرم ﷺ کی چار بیٹیاں تھیں، انتہائی عزیزہ، لخت جگر، آنکھوں کی ٹھنڈک تھیں۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو کیا جہیز دیا؟

حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کو کیا جہیز دیا؟

حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو کیا جہیز دیا؟

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو کیا جہیز دیا؟

حضرت علی رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کی کفالت میں تھے، اب ان کو الگ کرنا تھا، اس لئے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بان کی ایک چار پائی دی، دو گھڑے دیئے، چمڑے کا گدا دیا جس کے اندر روئی کی بجائے کھجور کے پتے بھرے ہوئے تھے، ایک مشکیزہ دیا، دو چکیاں دیں اور فرمایا فاطمہ اپنے گھر جاؤ گی اپنے ہاتھوں سے آٹا پیس لیا کرنا۔ یاد رہے جب حضور ﷺ لونڈیاں تقسیم کر رہے تھے تو خاتون جنت رضی اللہ عنہا حاضر ہوئی تھیں۔

یارسول اللہ ﷺ! سب کو غلام اور لونڈیاں تقسیم فرما رہے ہیں مجھے بھی دے دیں، پانی

دور سے لاتی ہوں کمر دوہری ہو جاتی ہے، جھاڑو دیتی ہوں کپڑے گندے ہو جاتے ہیں، چکی چلاتی ہوں ہاتھ میں نشان پڑ گئے ہیں۔

ہائے! قربان جاؤں آقا تیرے قدموں کی خاک پر! جو مدینہ والوں کو غلام اور لونڈیاں دے رہے تھے، اپنی بیٹی کو کیا دیا؟ تسلی دی، اپنی بیٹی کو اللہ تعالیٰ کا نام دیا، فاطمہ کیا میں تجھے اس سے بہتر چیز نہ بتاؤں جو غلام اور لونڈیوں سے بہتر ہو؟ عرض کیا ضرور بتایئے فرمایا: تینتیس بار سبحان اللہ، تینتیس بار الحمدللہ اور چونتیس بار اللہ اکبر پڑھ لیا کرو۔ حضرت فاطمہ ﷺ خوش ہو کر واپس لوٹ آئیں۔

اگر نبی اکرم ﷺ چاہتے تو صحابہ ﷺ آپ کی شان کے مطابق جہیز تیار کر دیتے، آج جہیز کی اس رسم نے رشتوں کو پریشان کن مسئلہ بنا دیا، والدین کی نیندیں حرام ہو کر رہ گئیں، نامعلوم جنہوں نے جہیز کو نکاح کا لازمی حصہ بنا دیا، انہوں نے کتنی بہنوں کو، کتنی بیٹیوں کو نکاح سے محروم کر دیا۔

آپ جانتے ہیں میں ایک ہفت روزہ (ضربِ مؤمن) اور ایک روزنامہ (اسلام) سے تعلق رکھتا ہوں، ہمارے پاس بے شمار خطوط آتے ہیں، ایک خط آیا جس نے تڑپا کر رکھ دیا اور میں نے اس پر "مظلومانہ پکار" کے عنوان سے کالم بھی لکھا، جس میں چند بیٹیوں نے لکھا کہ ہمارے نکاح نہیں ہو رہے اس لئے کہ ہمارے ابا کے پاس داماد کو دینے کے لئے کچھ نہیں، اگر ہم زنا اور بدکاری میں مبتلا ہو گئیں تو اس کے ذمہ دار آپ لوگ ہوں گے۔

اللہ اکبر! وہ باپ جس نے بیس، پچیس سال تک بیٹی کی پرورش کی وہ اپنے جگر کا ٹکڑا دے رہا ہے لیکن داماد ایسا ملا کہ اس کا دل نہیں بھر رہا یہ مطالبے پر مطالبہ کرتا جا رہا ہے کہ

سامان بھی چاہیے۔ ہندوؤں کی طرح طعنے دیتے ہو، مسلمانو! ہندوؤں کی طرح! بہو سے پوچھتے ہو کیا لے کر آئی ہو؟

ساس طعنہ دیتی ہے......

سسر طعنہ دیتا ہے......

بھاوج طعنے دیتی ہے......

کتنی ہیں جوان طعنوں سے تنگ آ کر پھندے لگا کر اپنے آپ کو ہلاک کر دیتی ہیں، کتنی ہیں جو اپنے جسم پر تیل چھڑک کر آگ لگا لیتی ہیں۔

خدارا سوچو! خدارا سوچو! اور کیسے کہوں؟ معاف کر دیجئے گا! اے دیندارو، نمازیو، حاجیو، تبلیغیو، مجاہدو! دینی جماعتوں سے تعلق رکھنے والو! معاف کر دیجئے گا اگر میں یہ کہوں کہ جب ان رسموں کا معاملہ آتا ہے، شادی بیاہ کا معاملہ آتا ہے تو ہمارے دیندار کسی دنیادار سے پیچھے نہیں رہتے، کہتے ہیں مولوی صاحب! خوشی کا موقع ہے۔ لوگ کیا کہیں گے آخر رشتہ داروں کو بھی تو خوش رکھنا ہے، دنیادار تو ہماری خاطر دنیا چھوڑنے کے لئے تیار نہیں اور ہم دنیادار کی خاطر دین چھوڑنے کے لئے تیار ہیں، دین قربان کرنے کے لئے تیار ہیں۔

اے مسلمانو! کیا کر رہے ہو؟ کہاں جا رہے ہو؟ ذرا سوچو! نکاح کو اتنا مشکل مت بناؤ ورنہ بدکاری عام ہوگی۔ ایک سروے کے مطابق اس وقت پاکستان میں ایک کروڑ بیٹیاں نکاح سے محروم ہیں۔ اسی لئے محروم ہیں کہ سسرال والوں کے مطالبے نہیں پورے کئے جا سکتے۔ میں نے محدود سے پیمانے پر رشتے کروانے کا سلسلہ شروع کیا تھا میں نے دیکھا کہ بچیوں کے والدین کتنی مشکلات کا شکار ہیں اور بیٹے اور ان کے والدین کیسے سر اونچا

کر کے مطالبات کرتے ہیں، کیا تمہاری بیٹی نہیں؟ دوسرے کی بیٹی کو بھی اپنی بیٹی سمجھو۔ خدارا ان رسموں سے باز آجاؤ، خدارا توبہ کرو، فضول خرچی کی کوئی حد ہے، شادی کا سامان خرید نے کے لئے جارہے ہیں دبئی، برطانیہ، اور میں اپنی معلومات کی بناء پر منبر رسول پر بیٹھا ہوں، مسجد میں بیٹھا ہوں، جھوٹ نہیں بولتا، میں ایسے دینداروں کو جانتا ہوں جو یہ کرتے ہیں، ان کے مرد ان کی عورتیں شاپنگ کے لئے بیرون ملک جاتے ہیں، کہاں گیا دین؟ کیا صرف نماز پڑھنے کا نام دین ہے؟ کیا صرف حج کرنے کا نام دین ہے؟ یہاں دین کہاں گیا؟ پھر جوڑے کتنے قیمتی، ایک ایک لاکھ کا ایک جوڑا جو ایک ہی دن پہنا جاتا ہے، جس خرچے سے ایک بیٹی کا نکاح کرتے ہو سو بیٹیوں کا نکاح ہوسکتا ہے۔

بارات کی رسم:

پھر جہیز کے ساتھ ساتھ دوسری چیزیں، یہ مہندی، یہ بارات یہ پٹاخے، یہ آتش بازی، یہ ڈھول ڈھمکا، پورا جلوس آرہا ہے، لڑکی والوں سے کھانا کھایا جائے گا اور میں آپ کو عجیب بات بتاؤں، خدا کی قسم میری آنکھوں میں آنسو آگئے۔

پچھلے دنوں ایک باپ یہاں (مدنی مسجد، نارتھ ناظم آباد کراچی) سے وہاں جنگل (جامعۃ الرشید، احسن آباد کراچی) میں میرے پاس آیا اور کہا مولانا میں نے اپنی بیٹی کا ایک جگہ رشتہ کیا ہے اور میں نے ایک شادی ہال بک کروالیا ہے لیکن بیٹی کے سسرال والوں کا اصرار ہے کہ فلاں شادی ہال میں ہماری دعوت کی جائے ورنہ ہم رشتہ کو ختم کردیں گے، اس شخص کو رونا آرہا تھا، جذباتی بھی ہو رہا تھا، میں نے تسلی دی بھائی مان لے، مان لے، بیٹی کا مستقبل خراب نہ کر۔ وہیں دعوت کردے جہاں وہ کہہ رہے ہیں۔

ایسے ایسے مطالبے اور ایسی ایسی باتیں لڑکے والوں کی طرف سے کی جاتی ہیں۔

تصویر کشی اور مخلوط اجتماع:

پھر بیوٹی پارلر کی مصیبت، ہزاروں روپیہ اڑا رہے ہیں۔ پھر مووی، تصویریں، کوئی کہہ سکتا ہے کہ اس میں فلاں کا اختلاف ہے، فلاں کا اختلاف ہے لیکن جس طریقہ سے آپ موویاں بناتے ہیں، مرد اور عورت اکٹھے، مخلوط اجتماع، کندھوں پر ہاتھ رکھ کر، ارے کہاں گئی حیاء؟ اس مووی کو کون نہیں دیکھے گا، کیا ہماری غیرت نے گوارہ کرلیا کہ ہم اپنی بیٹی کو، اپنی بہن کو شوپیس بنادیں جو چاہے دیکھے۔

مجھے بتائیے کوئی حد بھی تو ہونی چاہیے جس پر آکر رک جائیں، اس کے بعد ہم بے حیائی نہ کریں، ہم تو گرتے ہی چلے جاتے ہیں، گرتے ہی چلے جاتے ہیں۔

ہائے اللہ! یہ رسمیں یہ رواج زندگی کو تلخ بنارہے ہیں پھر ان کے نتائج کیا ہیں؟

گھر میں سکون نہیں......

جھگڑے ہیں......

نفرتیں اور عداوتیں ہیں......

بچے نافرمان ہیں......

طرح طرح کی بیماریاں ہیں، آفتیں ہیں، مصائب اور پریشانیاں ہیں، ان اعمال کا نتیجہ اس کے سوا اور کیا ہوگا؟

تقویٰ کے فوائد:

اور پانچویں بات جس کے کہنے کا کسی وقت میں گنجائش نہیں، وہ یہ کہ خطبۂ نکاح جو پڑھا

اور پانچویں بات جس کے کہنے کی وقت میں گنجائش نہیں، وہ یہ کہ خطبۂ نکاح جو پڑھا جاتا ہے اس میں اللہ کے رسول نے جو آیات منتخب کیں ان میں تقویٰ کا حکم دیا گیا ہے:

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ ﴾ (آل عمران: ۱۰۲)

ترجمہ: ''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے۔'' تو تقویٰ کا حکم ہے....

تقویٰ ظلم سے بچاتا ہے۔

تقویٰ زنا سے بچاتا ہے۔

تقویٰ جھوٹ سے بچاتا ہے۔

تقویٰ غیبت سے بچاتا ہے۔

تقویٰ ایک بریک کا کام دیتا ہے جو روک دیتا ہے انسان کو جہاں کوئی روکنے والا نہیں ہوتا اور تقویٰ سے گھر میں سکون آتا ہے، گھر جنت بن جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نبی ﷺ نے خطبۂ نکاح کے لئے یہ آیات منتخب فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ پاک مجھے اور آپ سب کو نکاح سنت کے مطابق، سادگی کے ساتھ، اسراف، تبذیر سے، معصیت سے، گناہوں سے بچتے ہوئے کرنے اور کرانے کی توفیق عطا فرمائے۔

وآخر دعوانا أن الحمد للّٰه رب العلمين

میڈیا کا مثبت اور منفی کردار (2)

الحمدللہ وحدہ ونصلی ونسلم علی من لا نبی بعدہ، اما بعد!

فأعوذ باللہ من الشیطن الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿ يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ﴾

وقال تبارك وتعالى:

أعوذ باللہ من الشیطن الرجیم

﴿ كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ ﴾

آمنت باللہ صدق اللہ العظیم وصدق رسولہ النبی الکریم

میرے اسلامی بھائیو اور بہنو! جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ ہمارے پہلے درس کا موضوع تھا میڈیا کا مثبت اور منفی کردار! اور اس میں بنیادی طور پر تین عنوانات پر اپنی گزارشات آپ کے سامنے پیش کرنا مقصود تھا ایک تو میڈیا کی اہمیت، دوسرے نمبر پر الیکٹرونک میڈیا کا جواز اور عدم جواز اور تیسرے نمبر پر وہ فلم جس کی آج کل سرکاری طور پر سرپرستی کی جارہی ہے اور جس کی تشہیر پر یقیناً لاکھوں کروڑوں روپیہ خرچ کیا جارہا ہے اور جس میں مسلمانوں کو گمراہ

کرنے والا اور علماء سے بدظن کرنے والا بہت سارا مواد شامل ہے۔

یہ تین عنوانات تھے جن کے حوالے سے خیال تھا کہ بات کی جائے مگر ہمارے دوستوں نے مشورہ دیا کہ سب سے پہلے اس فلم کے بارے میں گفتگو کی جائے ممکن ہے کہ اس گفتگو کو سن کر ہمارا کوئی ساتھی، کوئی بزرگ، کوئی دوست، کوئی بہن اس فلم میں کیے گئے زہریلے پروپیگنڈے سے اپنے آپ کو محفوظ رکھ سکے چنانچہ ہمارے پچھلے ماہ کی نشست اسی کیلئے مخصوص رہی۔ آج کی اس نشست میں جو دوسرے عنوانات تھے میڈیا کی اہمیت اور الیکٹرونک میڈیا کا جواز اور عدم جواز ان کے بارے میں اپنی ناقص معلومات کی روشنی میں اپنی معروضات آپ کے سامنے پیش کروں گا، اللہ پاک سے دعا ہے کہ اللہ مجھے اور آپ سب کو حق اور حقیقت سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

میڈیا کی تعریف:

میڈیا کسے کہتے ہیں؟ میڈیا اس وسیلہ کو کہا جاتا ہے، اس ذریعہ کو کہا جاتا ہے جس سے اپنی معلومات اپنے نظریات اور خبریں وغیرہ دوسروں تک پہنچائی جائیں اور وہ وسیلہ جس کے ذریعہ سے اپنے نظریات، اپنے خیالات، اپنے عقائد، اپنی معلومات اور خبریں وغیرہ دوسروں تک پہنچائی جاسکیں یہ وسیلہ ہر دور میں مختلف رہا ہے لیکن رہا ہر دور میں ہے۔ جس وقت اسلام کا ظہور ہوا اور جس ماحول میں اسلام کی پہلی آواز گونجی اس ماحول میں، اس زمانہ میں اور اس خطے میں سب سے مؤثر وسیلہ جس کے ذریعہ دوسروں تک اپنی معلومات، اپنے نظریات پہنچائے جاسکتے تھے، وہ وسیلہ تھا شاعری! کوئی اچھا شعر اور کوئی اچھا شاعر اس دور میں جبکہ برقی آلات نہیں تھے نہ اخبار، نہ رسالے، نہ ریڈیو، نہ ٹی وی، اس زمانہ میں کوئی اچھا

شاعر اچھے شعر کے ذریعے اپنی بات اپنے خیالات اپنے نظریات دور دور تک پہنچانے کی صلاحیت رکھتا تھا اور قریب کے لوگوں میں زبان در زبان افواہ در افواہ وہ نظریہ، وہ خیال یوں کہنا چاہیے کہ سورج غروب ہونے سے قبل پہنچ جاتا تھا۔

اسی طریقہ سے ایک وسیلہ اپنے نظریات دوسروں تک پہنچانے کا خطابت بھی تھی۔

تقریر اور شاعری یہ دونوں چیزیں عربوں کی گھٹی میں تھیں، عربوں کی پہچان تھیں، عربوں کی خصوصیت تھی کہ شاعری میں بھی انہیں بے پناہ ملکہ حاصل تھا اور خطابت میں بھی، اچھے شاعر کو بڑی پذیرائی ملتی تھی اور خطابت میں بھی انہیں یدطولیٰ حاصل تھا۔ اکثر قبیلوں کا اپنا کوئی شاعر ہوتا تھا اپنا خطیب ہوتا تھا اور بعض اوقات تو وہ خطیب اور وہ شاعر ہی اس قبیلہ کی پہچان ہوا کرتا تھا یعنی قبیلہ کو پہچانا جاتا تھا اس شاعر کے ذریعہ سے اور خطیب کے ذریعہ سے۔ جس قبیلہ میں یا جس خاندان میں کوئی اچھا شاعر پیدا ہو جاتا اس قبیلہ کو اور اس خاندان کو چار چاند لگ جاتے۔ یہی حال خطباء کا تھا ہمارے آقا کائنات کے آقا جن وانس کے آقا نبی کریم ﷺ نے جب دعوت کا آغاز کیا عرب کے ماحول میں ظاہراً آپ کی دعوت کی بنیاد تو قرآن تھی، آپ قرآن سناتے تھے خود آپ شاعر نہیں تھے اور اللہ نے خود قرآن میں بھی فرما دی تھی کہ

﴿ وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ ﴾

اور نہ ہم نے اپنے نبی کو شعر سکھائے ہیں اور نہ ہی شعر وشاعری نبی کی شان کے موافق ہے، حالانکہ دیکھئے کہ حضور نے شاعروں کی سرپرستی فرمائی اور حضور ﷺ کو اچھی شاعری میں دلچسپی تھی اچھے اشعار کی آپ تعریف فرماتے تھے۔ اچھے شعراء سے ان کا کلام سنتے

تھے۔ ایک صحابیؓ کا قول ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک بار مجھ سے کہا کہ کچھ شعر سناؤ میں نے شعر عرض کیا آپ نے فرمایا کہ اور سناؤ، میں نے اور سنایا آپ نے فرمایا اور سناؤ میں نے اور عرض کیا۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ نے ایک ہی نشست میں مجھ سے ۱۰۰ تک اشعار سن لیے۔ اچھے شاعر کی تعریف بھی فرماتے اچھے شاعروں کی سرپرستی بھی فرماتے اور ان کیلئے دعائیں بھی فرماتے ان کی حوصلہ افزائی بھی کرتے لیکن خود شاعری نہیں فرماتے تھے اور اللہ نے کہہ دیا کہ:

﴿ وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ ﴾

کہ ہم نے آپ کو شعر بھی نہیں سکھائے اور شعر و شاعری آپ کے مناسب بھی نہیں ہے۔ اب یہاں ایک بات یہ سمجھئے کہ ایسی چیز جو نبی کی شان کے موافق بھی نہیں ہے اور اللہ نے وہ آپ کو سکھائی بھی نہیں ہے دوسرے اس چیز کو کرتے ہیں تو آپ ان کی تعریف کرتے ہیں تو گویا کہ ایسے ہوسکتا ہے کہ ایک چیز نبی کی شان کے موافق نہ ہو اور دوسروں کی شان کے خلاف بھی نہ ہو۔ دوسروں کا شاعری کرنا یہ ان کے مقام انکے ایمان ان کے منصب اور تقویٰ کے خلاف نہیں تھا لیکن حضور ﷺ کی شان کے مناسب نہیں تھا۔ ایک جگہ اللہ نے فرمایا کہ

﴿ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ﴾

اللہ اکبر! ایک دفعہ غالباً حضرت عمر بن خطابؓ وہ کہتے ہیں یا کوئی دوسرے صحابی ہیں اسلام قبول کرنے سے پہلے کی بات ہے کہ میرے دل میں خیال آیا کہ یہ کلام جو اتنا متاثر کن کلام ہے اور دل میں اثر کرنے والا کلام ہے اور جذبات کو جھنجھوڑنے والا کلام ہے اور روح میں تلاطم پیدا کردینے والا کلام ہے۔ یہ تو کسی شاعر کا کلام معلوم ہوتا ہے اور ادھر میرے

دل میں خیال آیا اور ادھر آپ ﷺ یہ آیات تلاوت فرما رہے تھے:

﴿ فَلَآ أُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُونَ ۝ وَمَا لَا تُبْصِرُونَ ۝ إِنَّهُۥ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ۝ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ۚ قَلِيلًا مَّا تُؤْمِنُونَ ۝ ﴾

اب میں (اللہ) ان چیزوں کی بھی قسمیں کھاتا ہوں جن کو تم دیکھ سکتے ہوں اور ان چیزوں کی بھی قسمیں کھاتا ہوں جن کو تم نہیں دیکھ سکتے یہ رسول اللہ کا کلام ہے یہ کسی شاعر کا کلام نہیں ہے لیکن تم بہت کم ایمان رکھتے ہو۔

میں نے سوچا کہ میرے دل کے خیال کو اس نے جان لیا لگتا ہے یہ کوئی کاہن ہے کیونکہ کاہن غیب کی چیزیں بتلانے کا دعویٰ کرتے تھے۔ آگے آپ نے پڑھ دیا:

﴿ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ۚ ﴾

اللہ اکبر! یہ کسی کاہن کا کلام نہیں ہے۔

﴿ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ ۝ ﴾

لیکن تم بہت کم نصیحت قبول کرتے ہو۔

﴿ تَنزِيلٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ ۝ ﴾

یہ تو رب العالمین کی طرف سے ہے۔

ویسے آپ جانتے ہی ہوں گے کہ رب العالمین نے قرآن میں شاعروں کی مذمت بیان فرمائی ہے کہ

﴿ أَلَمْ تَرَ أَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ يَهِيمُونَ ۝ وَأَنَّهُمْ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ ۝ ﴾

کیا آپ دیکھتے نہیں کہ یہ تو ہر وادی میں منہ مارتے رہتے ہیں، سرگرداں رہتے ہیں

اور یہ تو کہتے ہیں مگر کرتے نہیں، قول ہے مگر ان کے پاس عمل نہیں ہے۔ یہ شاعروں کی مذمت بیان فرمائی ایک تو یہ ہر قسم کے رنگا رنگ مضمون باندھ لیتے ہیں مبالغہ آرائی قصہ گوئی ان کے ہاں پائی جاتی ہے اور دوسرا قول وعمل کا تضاد پایا جاتا ہے اور یہ شاعر ایسے ایسے مضمون باندھتے ہیں جن میں مبالغہ آرائی انتہاء کو پہنچی ہوتی ہے۔ وہ جو کسی شاعر نے ہی کہا ہے اپنے بھائیوں کے بارے میں:

پاپوش میں لگائی کرن آفتاب کی
جو بات کی خدا کی قسم لاجواب کی

پاپوش جوتے کو کہتے ہیں۔ ایسی مبالغہ آرائی کرتے ہیں کہ آفتاب کی کرنیں جوتے میں جوڑ دیتے ہیں اور سورج کو جوتے سے ملا دیتے ہیں تو مبالغہ آرائی ان کے ہاں پائی جاتی ہے، پھر قول وعمل کا تضاد، بڑی بڑی باتیں کریں گے میں ایسا ہوں، میں ویسا ہوں جنگل کے شیر مجھ سے ڈرتے ہیں اور چیتے میرے نام سے کانپتے ہیں اور اُدھر کسی بچے سے پٹاخہ چل گیا۔ سب سے پہلے بھاگنے والے شعراء ہی ہوں گے تو مبالغہ آرائی بہت کرتے ہیں اور ہمارے آقا کی زندگی میں یہ دونوں چیزیں نہیں تھیں۔ نہ مبالغہ آرائی نہ قول وعمل کا تضاد نہ قصہ گوئی اور نہ ہی بزدلی۔

حضور ﷺ اچھے شعراء کی تعریف فرمادیتے تھے:

بہرحال عرض کر رہا تھا کہ اس زمانے کا جو ذریعہ ابلاغ تھا، میڈیا، وسیلہ، جس کے ذریعے سے اپنے جذبات دوسروں تک پہنچائے جاسکتے تھے۔ وہ تھا شاعری اور شاعری نبی کی شان کے موافق نہیں تھی اللہ نے خود فرمادیا لیکن اس کے باوجود آپ نے شعراء کی سرپرستی

فرمائی اور اچھے اشعار کی تعریف فرمائی بعض اوقات آپ حضرت حسان بن ثابتؓ کو اپنے منبر پر بٹھاتے اور آپ نیچے تشریف فرما ہوتے اور فرماتے کہ:

" یا حسان أجب عن رسول اللّٰہ ایدك اللّٰہ بروح القدس ."

اے حسان! یہ دشمنانِ دین، یہ دشمنانِ خدا، یہ دشمنانِ رسول، اللہ کے نبی پر جو اعتراض کرتے ہیں۔ تم ان کا جواب دو، میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ روح القدس کے ذریعہ سے تمہاری مدد فرمائے حضرت حسان کو منبر پر بٹھاتے خود نیچے تشریف رکھتے، دعا فرماتے اور کہتے آپ ان کے اعتراضات کا جواب دیں۔ یہاں سے آپ یہ بھی جان لیں کہ حضرت حسان صرف نعت گوئی نہیں کرتے تھے بلکہ ساتھ ساتھ دشمنانِ رسول ﷺ کے اعتراضات کے جوابات بھی اپنی شاعری میں دیتے تھے اسی طریقہ سے حضرت عبداللہ بن رواحہؓ یہ بھی دربارِ رسالت کے مشہور شاعر تھے جب نبی کریم ﷺ عمرہ قضاء کیلئے تشریف لے گئے تو حضرت عبداللہ بن رواحہؓ آپ کے آگے آگے چلتے تھے اور رجزیہ اشعار پڑھ رہے تھے۔ آپ جانتے ہیں رجزیہ شاعری کسے کہتے ہیں؟ جس میں اپنی عاجزی کا بیان ہوتا ہے اور دشمن کو چیلنج ہوتا ہے، رجزیہ شاعری جو ہوتی ہے یہ کوئی قوالی نہیں ہوتی، یہ صرف حمد و نعت کے اور مدح و ثنا کے اشعار نہیں ہوتے اس میں تو دشمن کو چیلنج ہوتا ہے، اپنی قوت اور طاقت کا اظہار ہوتا ہے اور یاد رکھیں کہ بڑے بڑے بول بولنا بڑی باتیں کرنا اور تعریف کرنا اپنی بڑائی بیان کرنا یہ قابل مذمت ہے لیکن کافروں اور مشرکوں کو مرعوب کرنے کیلئے اپنی بڑائی بیان کرنا، اپنی شجاعت کا بیان، اپنی سخاوت کا بیان، اپنی طاقت کا بیان اور اپنی جنگی صلاحیت کا بیان اور دشمن کی کمزوری کا بیان کرنا صحیح ہے، مسلمانوں میں کفر کے مقابلہ میں خود اعتمادی پیدا ہونی چاہئے

اور اگر ہر وقت کفر کے مقابلہ میں سر جھکا کر ہی رکھا جائے تو پھر مسلمانوں کے اندر خود اعتمادی اور جرأت پیدا نہیں ہوسکتی ان کی گردنیں کفار کے سامنے جھکی رہیں گی۔ تو حضرت عبداللہ بن رواحہ جو تھے وہ آپ کے آگے آگے رجزیہ اشعار پڑھ رہے تھے، حضرت عمرؓ نے منع فرمایا عبداللہ کیا کرتے ہو؟ حضور ﷺ کے سامنے رجزیہ شاعری؟ اپنی جرأت اپنی طاقت اور اپنی بہادری کا بیان اور دشمن کو چیلنج؟ نبی کریم ﷺ نے حضرت عمرؓ کی ناراضگی اور تنبیہ کو سنا تو آپ نے فرمایا کہ عمر! عبداللہ کو چھوڑ دو تم نہیں جانتے ان کی یہ شاعری دین کے دشمنوں پر تیراندازی سے بھی زیادہ اثر کرتی ہے۔ تو آپ نے ایسے شاعروں کی سرپرستی فرمائی حوصلہ افزائی فرمائی ان کیلئے دعائیں کیں۔

مسلمان میڈیا میں کفار سے آگے تھے:

اگر میں یہ کہوں تو شاید بے جا نہیں ہوگا کہ یہ جو ابلاغ کے شعبے تھے۔ اپنے خیالات پہنچانے کے شعبے یا آسانی کیلئے کہہ دیتا ہوں، میڈیا جو اُس وقت کا میڈیا تھا، شاعری تھی، یا خطابت تھی، مسلمان اس شعبے میں غیر مسلموں سے ایڈوانس تھے، آگے تھے۔ یہ دعویٰ بلا دلیل نہیں کہ میں نے ایسے ہی بات کہہ دی احادیث سے ثابت ہے کہ ایک قبیلہ نے مسلمانوں کو چیلنج دیا شاعری اور خطابت میں اور ساتھ یہ بھی کہہ دیا کہ اگر مسلمان شعراء اور خطیبوں نے ہمیں شاعری میں اور خطابت میں شکست دی تو ہم اسلام قبول کرلیں گے اب دیکھئے لوگ بھی مختلف ہوتے ہیں اپنے اپنے مزاج اور اپنی اپنی طبیعت ہوتی ہے۔ کھل کے چیلنج دے رہے ہیں۔ آپ نے سنا ہوگا کہ ایک پہلوان نے ہمارے حضور ﷺ کو یہ چیلنج دیا تھا کہ آپ میرے ساتھ کشتی کریں اگر آپ نے کشتی میں مجھے پچھاڑ دیا تو میں اسلام قبول کرلوں گا

اور ہمیں تعجب ہوگا اور خاص طور پر ہمارے صوفیوں کو تعجب ہوگا کہ حضور اقدس ﷺ نے اس چیلنج کو قبول کر لیا کہ آؤ! میں لڑنے کیلئے تیار ہوں۔ میں صوفیوں کے تعجب کا خاص طور پر اس لیے ذکر کر رہا ہوں کہ ہمارے ہاں صوفی اس کو کہا جاتا ہے کہ جو دلہنوں کی طرح ناز و نزاکت والا ہو، ہر قدم سوچ سمجھ کر اُٹھاتا ہو۔ میں مزاح میں کہہ دیا کرتا ہوں کہ صوفی وہ ہے جو ہر قدم استخارہ کے بعد اٹھاتا ہو، حال اور چال میں ایسا لگے جیسا بیمار! ہم نے تواضع اس کا نام رکھا ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے ایک صوفی کو دیکھا بڑے عجیب طریقہ سے چل رہا تھا تو عمر کا درّہ تو ہر وقت ہی ساتھ ہوتا تھا۔ ایک لگایا اور فرمایا کہ سیدھے سادھے طریقہ سے چلو۔ آپ جانتے ہیں کہ حضور ﷺ کے چلنے کی کیا کیفیت ہوتی تھی؟ حدیث میں آتا ہے کہ آپ چلتے تو مضبوطی سے قدم اُٹھاتے جیسے سیڑھیوں سے اتر رہے ہوں اور آپ میانہ روی سے چلتے تھے لیکن کوئی آپ کو پہنچ نہیں سکتا تھا دوسروں کو آپ کے ساتھ بڑی تیزی دکھانا پڑتی تھی حضور ﷺ تک پہنچنے کیلئے! تو چیلنج دیا کشتی کا کہ ہمیں پچھاڑ دیں ایمان قبول کر لیں گے ہمارے آقا نے فرمایا ٹھیک ہے میں تیار ہوں، چنانچہ حضور ﷺ نے کشتی لڑی اور اس کافر کو شکست دی اور یہی شکست اس کے کلمہ پڑھنے کا سبب بن گئی، شکست کھا گیا، لیکن حقیقت میں فتح پا گیا۔ اس لیے کہ اس کے دل میں ایمان کا نور اُتر گیا تو اس قبیلے نے یہ چیلنج دیا کہ اگر مسلمان شاعر اور خطیب ہمارے شاعر اور خطیب کو شکست دیں تو ہم ایمان قبول کر لیں گے تو نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے مقابلہ کیلئے دو صحابیوں کا انتخاب فرمایا ایک حضرت حسان بن ثابت اور دوسرے حضرت ثماس بن قیسؓ اور دونوں نے شاعری اور خطابت میں اس قبیلہ والوں کا مقابلہ کیا اور وہ قبیلہ شکست کھا گیا اور اپنے وعدہ کے موافق اس نے ایمان قبول کر لیا۔ عرض

یہ کررہا تھا کہ دیکھا جائے تو مسلمان اس وقت کے میڈیا کے شعبے میں، اس وقت کا جو ذریعہ ابلاغ تھا اس میں غیر مسلموں سے آگے تھے، ان پر غالب تھے شاعری اور خطابت تو آپ جانتے ہی ہیں ابلاغ کا ایک وسیلہ تھا دعوت کا ایک ذریعہ تھا اس کے علاوہ ہمارے آقا نے پیغام رسانی کا طریقہ بھی اختیار فرمایا۔ اپنے قاصد مختلف شہروں میں مختلف ملکوں میں دعوت دین کیلئے بھیجے اور خطوط بھی آپ نے بھیجے پیغام بر اور اپنے نائب بھی بھیجے۔

دورِ حاضر کا میڈیا کیا ہے؟

آج کا میڈیا سالہا سال سے بدل چکا۔ آج کا میڈیا منبر ومحراب ہے اور یہ سب سے زیادہ طاقتور ذریعہ ہے۔ اس سے زیادہ موثر اور اس سے زیادہ پاکیزہ وسیلہ کوئی نہیں جو اللہ پاک نے ہمیں منبر ومحراب کی صورت میں عطاء کیا ہے اور میرے خطیب بھائی ناراض نہ ہوں ہم نے منبر ومحراب سے وہ فائدہ نہیں اُٹھایا جتنا اُٹھانا چاہیے تھا، آج منبر ومحراب امت کو آپس میں لڑانے اور فروعی اور چھوٹے چھوٹے مسائل میں الجھانے کا اور رسمی قسم کی تقریروں کا ذریعہ بن گیا، میں حقیقت کہتا ہوں بہت کم خطیب امام اور مبلغ ایسے ہیں جو اصلاح اعمال واخلاق کی نیت سے تقریر کرتے ہیں۔ اکثر خانہ پری کرتے ہیں چونکہ مسجد کمیٹی کی طرف سے پابندی ہے کہ آپ نے پندرہ ۱۵ منٹ آدھا گھنٹہ تقریر کرنی ہے تو کرتے بھی ہیں تو چھپے ہوئے خطبات سے۔ کہیں نہ کہیں سے کچھ دیکھ لیا اور وقت پورا کرلیا۔ میرے بھائیو! خطابت کیلئے تو درد کی ضرورت ہے، درد کے بغیر تو خطابت خطابت نہیں، فنکاری ہے، بڑی اچھی آواز ہے، اور بڑی زبردست لفاظی، بیان میں ایسی فصاحت، ایسی سلاست، ایسی روانی کہ مجمع عش عش کر اُٹھے لیکن صرف عش عش ہی کرتے ہیں زندگی نہیں بدلتی

بھی نہیں بدلتی، دل کسی کا نہیں بدلتا نعرے خوب لگاتے ہیں، ہنستے ہیں رو بھی پڑتے ہیں، ماشاء اللہ کی آوازیں بھی آتی ہیں۔ مختلف جگہ جانے کا اتفاق ہوتا ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ پیشہ ور خطیب لوگوں سے زبردستی نعرے لگوا لیتے ہیں، بلکہ یہ سن کر آپ کو تعجب ہوگا کہ میں نے ایسے خطیبوں کو دیکھا جو خود ہی اپنے نعرے لگا دیتے ہیں اور مجبور کرتے ہیں ابھی کچھ عرصہ قبل فیصل آباد میں تھا، ایک خطیب صاحب نے کوئی بات کہی اور پھر کہا کہ جس کے دل میں ایمان ہے اور جس کے منہ میں زبان ہے وہ کہے ماشاء اللہ، اب وہ کہہ رہے ہیں ماشاء اللہ! پھر وہ خطیب صاحب کہنے لگے: ارے! تمہارے منہ میں زبان نہیں ہے کھانا نہیں کھایا یہ کیسا ماشاء اللہ ہے زور سے کہو اور زور سے، اور زور سے، وہ پورا زور لگواتے ہیں ان کے بعد میں نے بیان کیا تو میں نے کہا کہ نہ مجھے نعروں کی توقع ہے اور نہ نعرے لگواتا ہوں اور نہ مجھے ماشاء اللہ، سبحان اللہ کا انتظار ہے اور نہ کہلواؤں گا، سیدھی سی بات کہوں گا اگر سمجھ میں آجائے تو عمل کر لینا۔ تو عرض کر رہا تھا سب سے متاثر کن اور پاکیزہ ذریعہ ابلاغ اور میڈیا میں سمجھتا ہوں کہ منبر و محراب ہے۔ اس سے بڑھ کر موثر وسیلہ اور ذریعہ کوئی نہیں۔ مگر کچھ ہماری سطحی تقریروں، قصے کہانیوں، بے بنیاد باتوں، فرقہ وارانہ مسائل میں بہت زیادہ دلچسپی لینے کی وجہ سے، آج صورت یہ ہے کہ میں دیکھتا ہوں اکثر مساجد میں در و دیوار کو تقریریں سنائی جاتی ہیں سامعین نہیں ہوتے لوگ آتے ہیں آخری پانچ منٹ میں باقی وقت ایسے ہی گزر جاتا ہے یا بعض بزرگ آکر بیٹھ جاتے ہیں، سننے والا مجمع اور عمل کرنے والا مجمع آتا ہی نہیں ہے، منبر و محراب کے علاوہ آج کے زمانہ کا میڈیا اخبار ہیں، رسالے ہیں، ریڈیو ہے، انٹرنیٹ اور ٹی وی ہے، یہ سب ذریعہ ابلاغ ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ آج کل نفسیات،

اخلاق، نظریات، معیشت، سیاست اور تجارت پر جتنا اثر انداز میڈیا ہے کوئی چیز نہیں، اس میں وہ صلاحیت ہے کہ کسی بھی سیاسی نعرے کو، اشتہار کو، نظریے کو دنوں میں نہیں بلکہ گھنٹوں میں ہر محفل کا اور ہر گھر کا موضوع گفتگو بنا سکتا ہے، لوگ وہی چیز خریدتے ہیں جس کا اشتہار میڈیا میں ہوتا ہے دوسری چیز خریدتے ہی نہیں، دکانداروں کے پاس کوئی چیز لے کر جائیں تو وہ کہیں گے کہ کیا ٹی وی پر اشتہار آیا ہے، اس لیے کہ اگر ٹی وی پر اشتہار آ گیا تو مٹی بھی ہوگی تو بک جائے گی اور اگر اشتہار نہیں ہے تو اچھی چیز بھی فروخت نہیں ہوگی۔ میرے خیال میں نہ ایٹم بم میں وہ طاقت ہے، نہ راکٹ میں وہ طاقت ہے، نہ میزائل میں وہ طاقت ہے، نہ آبدوز میں اور نہ ٹینک میں جتنی میڈیا میں طاقت ہے، میں مادی چیزوں کی بات کر رہا ہوں کل کوئی یہ کہے کہ مولوی صاحب یہ آپ نے کیا کہہ دیا؟ سب سے طاقتور چیز تو ایمان ہے، آپ نے میڈیا کو طاقتور کہہ دیا، الحمدللہ ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے ایمان اور قرآن کو سب سے زیادہ طاقت والی چیز سمجھتا ہوں اور الحمدللہ دل کے یقین سے یہ بات کہتا ہوں کہ اللہ نے ہمارے قرآن میں ۱۰۰ ایٹم بم اور ہزار ایٹم بم سے زیادہ طاقت رکھی ہے۔ میں مادی چیزوں کی بات کر رہا ہوں مادی چیزوں میں آج میڈیا سب سے زیادہ موثر ہے اور ہمارے لیے جو عبرت کی بات ہے وہ یہ ہے کہ میڈیا پر عموماً غیر مسلم اور خصوصاً یہودی چھائے ہوئے ہیں پوری دنیا کے میڈیا پر آپ کو تعجب ہوگا کہ ایشیا میں بھی جو میڈیا ہے اور بہت سے چینل ہیں ان کے پس پشت یہودی سرمایہ کاروں کا ہاتھ ہے، بہت سے مسلمان ان کے ہاتھوں میں کھلونا بنے ہوئے ہیں۔ ریڈیو اسٹیشن ان کے، ٹی وی چینل ان کے، خبر رساں ایجنسیاں جن سے ہمارے اخبارات آباد ہوتے ہیں یہ ان کی معلومات کا نظام ان

کا، انٹرنیٹ ان کے قبضے میں، میں نے ایک جگہ اس حوالے سے لکھی جانے والی ایک کتاب میں پڑھا واللہ اعلم بالصواب حوالے سے انہوں نے لکھا کہ امریکہ میں ایک یہودی فیملی ایسی ہے کہ اس کے پاس ۴۸ روزنامے، ۲۰۰ ہفت روزہ رسالے، ۱۸۲ ریڈیو اسٹیشنز، ۱۲۰ ٹی وی چینلز اور ۱۷۳۵ دارالاشاعت ہیں۔ اس طریقہ سے پوری دنیا کے میڈیا پر یہودی اور غیر مسلم چھائے ہوئے ہیں۔ چنانچہ وہ دنیا کو وہ دکھاتے ہیں جو وہ دکھانا چاہتے ہیں جو دنیا کی اصل حقیقت اور واقعات کی اصل حقیقت ہوتی ہے وہ نہیں دکھاتے بلکہ وہ کچھ دکھاتے ہیں اور وہ کچھ سناتے ہیں جو کچھ دکھانا چاہتے یا جو کچھ سنانا چاہتے ہیں۔

دورِ حاضر میں میڈیا کا منافقانہ کردار اور ہماری ذمہ داری:

میرے دوستو! اور بزرگو میری بہنو اور بیٹیو! بالخصوص ماہِ مبارک آ رہا ہے، رمضان کا مہینہ! یہ اللہ سے مانگنے کا مہینہ ہے ہم اس کو کئی چیزوں کا مہینہ کہہ سکتے ہیں، قرآن کا مہینہ ہے، تلاوت کا مہینہ ہے، سخاوت کا مہینہ ہے، عبادت کا مہینہ ہے، میں کہتا ہوں کہ سب سے نمایاں چیز جو ہے وہ یہ ہے کہ اللہ سے مانگنے کا مہینہ ہے، مانگنا تو سارا سال چاہیے بالخصوص اس ماہِ مبارک میں تو آپ حضور کی دعاؤں سے مناسبت پیدا کیجئے اور آپ کی دعائیں جو کہ آپ کی مبارک زبان سے نکلیں، مبارک الفاظ، مبارک مواعظ ان الفاظ کو آپ اپنی زبان سے نکالیں تو انشاء اللہ اللہ کی رحمت ضرور متوجہ ہوگی لیکن میں جس دعا کی طرف اس وقت متوجہ کر رہا ہوں وہ یہ ہے کہ اللہ کے نبی اللہ سے مانگا کرتے تھے اور مانگنا چاہیے:

اللهم ارنا حقيقة الاشياء كما هي

اے اللہ! ہمیں چیزوں کی حقیقتیں اسی طرح سمجھا دے اور دکھا دے اور بتا دے

ایسا نہ ہو کہ حقیقت کچھ ہو اور میں کچھ اور سمجھوں اسی طرح سے وہ دعا بھی تو آپ نے ضرور سنی ہوگی:

اَللّٰهم أرنا الحق حقاً و ارزقنا اتباعاً و أرنا الباطل باطلاً و ارزقنا اجتنابا .

''اے اللہ! ہمیں حق دکھا اور اس کی اتباع کی توفیق نصیب فرما اور ہم کو دکھا باطل اور اس سے بچنے کی توفیق نصیب فرما۔''

حق کا حق ہونا مجھ پر واضح فرما دے اور اس کی اتباع کی توفیق مرحمت فرما دے اور باطل کا باطل ہونا مجھ پر واضح فرما دے اور اس سے بچنے کی توفیق نصیب فرما دے تو یہ دعا ضرور کیا کریں:

اَللّٰهم أرني حقيقة الأشياء كما هي .

اس لیے کہ میڈیا پر چھائے ہوئے لوگ دنیا کو ویسا نہیں دکھاتے جیسا کہ دنیا میں رونما ہو رہا ہے، ایسا دکھاتے ہیں جیسا کہ وہ دکھانا چاہتے ہیں تو ہم اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ جیسی حقیقت ہے ویسے ہی ہم سمجھیں یہ نہ ہو کہ ہم ان کے پروپیگنڈہ میں آکر باطل کو حق سمجھیں اور حق کو باطل سمجھیں، آپ جانتے ہیں کہ دجال کا سب سے بڑا کام کیا ہوگا؟ دجال کا سب سے بڑا کام یہ ہوگا کہ وہ حقائق کو بدل دے گا سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ کا کفر کو ایمان اور ایمان کو کفر، حق کو باطل اور باطل کو حق بنا کر رکھ دے گا یہ دجال کا سب سے بڑا کارنامہ ہوگا اسی لیے ہمارے آقا ﷺ نے فرمایا کہ دجال جس چیز کو پانی کہے گا وہ حقیقت میں آگ ہوگی اور جس چیز کو آگ کہے گا وہ حقیقت میں پانی ہوگا۔ آپ فرماتے ہیں کہ دجال کا سب سے بڑا تعارف خود حدیث میں پوشیدہ ہے اگر آپ دجال کا تعارف چاہتے ہیں تو

سب سے بڑا تعارف لفظ دجال ہے، دجال دجل سے ہے اور دجل اردو میں فریب کو کہتے ہیں اور عربی زبان میں یہ ملمع سازی کے لیے استعمال ہوتا ہے یعنی اگر لوہے پر سونے کا پانی چڑھا دیا جائے تو دیکھنے والا لوہے کو سونا سمجھے گا حالانکہ وہ لوہا ہوتا ہے سونا نہیں ہوتا بلکہ اس پر سونے کا پانی چڑھایا جاتا ہے۔ دجال جو کام کرے گا حقائق کو چھپانے اور حقائق کو بدلنے کے لیے کرے گا۔ وہ جو کہتے ہیں کہ

ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ

تو دجال کا جو بڑا کارنامہ ہوگا اس کی حقیقت بھی یہی ہوگی۔ حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب میں جو آپ نے سورۂ کہف کی تفسیر کے حوالہ سے لکھی اس میں فرمایا کہ دجال تو جب آئے گا سو آئے گا مگر دجالی تہذیب تو آچکی یہ مغرب کی جو تہذیب ہے یہ دجالی تہذیب ہے یہ جو خوشنما نعرے ہیں، جمہوریت، معیارِ زندگی، حقوقِ نسواں، آزادیٔ صحافت، یہ بڑے خوبصورت نعرے جھوٹ ہی جھوٹ ہیں، الفاظ بڑے خوبصورت لیکن اہلِ مغرب ان خوبصورت الفاظ کے پردے میں خوب جھوٹ بولتے ہیں صراحتاً جھوٹ بولتے ہیں نہ یہ حقوقِ نسواں کے قائل ہیں نہ آزادیٔ رائے کے قائل ہیں نہ جمہوریت کے قائل ہیں نہ آزادیٔ صحافت کے قائل ہیں، بات جمہوریت کی کرتے ہیں لیکن آج تک انہوں نے عالمِ اسلام میں ہمیشہ آمروں کی حمایت کی ہے۔ مسلمانوں کے مفاد کے لیے نہیں بلکہ اپنے مفاد کے لیے انہی آمروں کو وہ برسرِاقتدار دیکھنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ پورے عالمِ اسلام و امریکہ کے غلاموں نے، آمروں نے اپنے قبضے میں لے رکھا ہے پورا عالمِ اسلام ان کے قبضہ میں جکڑا ہوا ہے ہمارے حکمران بھی آمر اور امریکہ کے غلام ہیں۔

وہی کچھ کرتے ہیں جو وہ چاہتا ہے، ان کی سیاست اسی کی، ان کے الیکشن اسی کے، ان کی جمہوریت اسی کی، ان کی رائے اسی کی، جو کچھ وہ چاہتا ہے یہ وہ کرتے ہیں۔

حقوقِ نسواں جیسے پرکشش الفاظ بول بول کر عورت کو ایک شو پیس بنا کر رکھ دیا، عورت کو قضائے شہوت کی ایک چیز بنا کر رکھ دیا۔ انہوں نے عورت کو حقوق نہیں دیے بلکہ اس کے حقوق کو پامال کیا ہے، عورت پر ستم ڈھایا، اس کی ماں کو چھین لیا، اس سے گھر گرہستی کو چھین لیا، بیوی ہونے کا جو ایک امتیاز تھا وہ امتیاز اس سے چھین لیا، گھروں سے نکال کر اس کو دفتروں میں بٹھا دیا، بازاروں میں بٹھا دیا، عیاشی کے اڈوں میں بٹھا دیا، ایک ایک عورت کی عزت و ناموس سے دس دس مرد ایک ایک دن میں کھیلتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عورت کو آزادی دے دی۔ کیا یہ ہے آزادی عورت کے لیے؟ آزادی تو وہ ہے جو چودہ سو سال قبل میرے آقا ﷺ نے عطا کی تھی بیٹیوں کو آزادی، بیویوں کو آزادی عطا کی اور مغرب کے فریبیوں نے بے پردگی کا نام آزادی رکھ دیا، عریانیت کا نام آزادی رکھ دیا، فحاشی کا نام آزادی رکھ دیا، اور میں آپ کو ایک عجیب بات بتاؤں ہماری کتابوں میں یہ مسئلہ لکھا ہے کہ لونڈی کے لیے وہ پردہ نہیں ہے جو آزاد عورت کے لیے ہے، گویا کہ پردہ آزادی کی علامت ہے، بے پردگی یہ غلامی کی علامت ہے، انہوں نے عورت کو آزاد نہیں کیا اپنا غلام بنا لیا ہے ہم کہتے ہیں کہ عورت صرف اللہ کی غلام ہے اللہ کے رسول کی غلام ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ اور رسول کی غلام نہ بنے بلکہ ادھر سے تو آزاد ہو ہماری لونڈی اور غلام بن جائے ہم جیسے چاہیں اسے استعمال کریں۔ تو عرض کر رہا تھا کہ میڈیا پر وہ لوگ چھائے ہوئے ہیں جو حق کو باطل، باطل کو حق، ظالم کو مظلوم، مظلوم کو ظالم بنا کر پیش کرتے ہیں، کم و بیش ۶۰ سال ہونے ہیں اسرائیل

یہود و نصاریٰ کا بچہ فلسطینیوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ ڈھا رہا ہے کوئی دن ایسا نہیں جاتا جب آپ کسی نہ کسی فلسطینی بچے مرد و عورت یا کہ جوان کا جنازہ اٹھتے نہ دیکھتے ہوں لیکن میڈیا کے ذریعہ سے باور کرایا جاتا ہے کہ اسرائیلی امن پسند اور فلسطینی دہشت گرد ہیں۔ جن کے ہاتھ خون سے رنگین وہ امن پسند ہیں اور جو اپنے گھروں میں سے روزانہ لاشیں اٹھا رہے ہیں اور ٹینکوں کا مقابلہ پتھروں سے کر رہے ہیں وہ دہشت گرد! آپ اندازہ کیجئے پوری دنیا میں امریکہ دہشت گردی پھیلا رہا ہے۔ میں دعویٰ سے کہتا ہوں اور یہ دعویٰ کوئی خطیبانہ بھڑک نہیں ہے حقائق کی بناء پر دعویٰ کرتا ہوں دنیا میں کہیں بھی دہشت گردی ہو رہی ہے اور خون بہہ رہا ہے آپ کو اس کے پیچھے امریکہ کا ہاتھ دکھائی دے گا دنیا کا کوئی ایسا خطہ بتا دیں جہاں اس کی شرارت نہ ہو دہشت گردی کرے امریکہ۔ لاکھوں افغانیوں کو مار دے امریکہ۔ لاکھوں عراقی بچوں کو بلکتا اور تڑپتا ہوا مار دے امریکہ اور گوانتانا موبے جیسی بدنام جیلیں سجانے امریکہ اور وحشیانہ ستم ڈھائے امریکہ لیکن دہشت گرد کون ہے؟ مسلمان! خون بھی مسلمان کا بہے، گھر بھی مسلمانوں کے اجڑیں، بستیاں بھی مسلمانوں کی مسمار ہوں اور شہر بھی ان کے تباہ ہوں، معیشت بھی ان کی ختم ہو، تجارت بھی ان کی ختم ہو، لیکن دہشت گرد مسلمان! لوٹ کر لے گئے سارے وسائل پیٹرول، معدنی وسائل یہود و نصاریٰ مگر دہشت گرد کون ہے؟ مسلمان! اللہ اکبر! عرض کر رہا تھا کہ میڈیا اس وقت نفسیات پر، اخلاق پر، معیشت پر، سیاست پر، زندگی کے ہر شعبے پر سب سے زیادہ اثر انداز ہو رہا ہے، لیکن دکھ سے کہنا پڑتا ہے کہ میڈیا کا مثبت کردار بہت کم ہے اور یہ شکوہ غیر مسلموں سے نہیں یہودیوں سے نہیں، عیسائیوں سے نہیں بلکہ مسلمانوں سے ہے۔ مسلمان ممالک میں جو مسلمان میڈیا پر چھائے

ہوئے ہیں اکثر و بیشتر غیر مسلموں کی پالیسی پر کار بندرہ کر کام کر رہے ہیں اسی پر عمل پیرا ہو رہے ہیں سب سے زیادہ جرائم کو فروغ دینے میں حصہ میڈیا کا ہے۔ فحاشی اور عریانی کو پھیلانے میں حصہ میڈیا کا ہے اور اب تو حد ہو گئی کہ میڈیا کے ذریعہ چودہ سو سال بعد عوام کے سامنے اسلام کا دوسرا تیسرا چوتھا ایڈیشن پیش کیا جا رہا ہے کہ وہ اسلام اور اسلام کی وہ تشریحات جو ۱۴۰۰ سال تک علماء کرتے رہے وہ ناکارہ ہیں اور آج ہم جو تشریحات کر رہے ہیں یہ صحیح ہیں اسی میڈیا کے ذریعہ سے ٹوپی کا مذاق، پگڑی کا مذاق، ڈاڑھی کا مذاق، نبی کی سنتوں کا مذاق، پردے کا مذاق کون کون سا اسلامی رکن ہے جس کا مذاق آج میڈیا نہیں اڑا رہا، مثبت کردار بہت کم منفی کردار زیادہ ہے جیسا کہ پچھلے درس میں بھی بات ہو چکی کہ اس فلم میں موسیقی کا جواز ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا گیا، اس کے لیے تورات کو بھی بگاڑا گیا، زبور کو بھی بگاڑا گیا، احادیث کو بھی بگاڑا گیا ایڑی چوٹی کا زور لگایا گیا کیا چیز ثابت کرنے کے لیے؟ موسیقی کا جواز لیکن کیا واقعی آج امت مسلمہ اور پاکستانیوں کا سب سے بڑا مسئلہ موسیقی ہی ہے کہ اگر یہ جائز ہو جائے تو سارے مسائل حل ہو جائیں گے؟ رشوت کا ناسور ہے، کوئی کام رشوت اور سفارش کے بغیر نہیں ہوتا ہر طرف ظلم وستم ہے لیکن کوئی ایسا پروگرام ظالم اور ظالموں کے خلاف بنایا گیا ہے اور پھر اس کی اس طریقہ سے تشہیر کی گئی جس طرح اس فلم کی کی گئی؟ آپ کو اس کی کوئی مثال پاکستان کی تاریخ میں دکھائی نہیں دے گی۔ تو ہمارے میڈیا کا زیادہ تر کردار منفی ہے مثبت نہیں ہے، بگاڑنے میں زیادہ حصہ ہے بجائے اصلاح کے نوجوانوں کے اخلاق کو بگاڑ دیا، کردار کو بگاڑ دیا، کئی مجرم، ڈاکو اور قاتل پکڑے جاتے ہیں جو اعتراف کرتے ہیں کہ ہم نے اس ڈاکہ سے قبل فلاں فلم دیکھی تھی اور اس سے

آئیڈیا لیا تھا کہ کس طریقہ سے یہ واردات کی جائے؟ تو جرائم کے پھیلانے میں زیادہ کردار اسی میڈیا کا ہے۔

میڈیا میں ہمارا کردار:

اور یہاں ایک بات عرض کرنا چاہتا ہوں متوجہ کرنا چاہتا ہوں جہاں ہم یہ بات کہہ رہے ہیں کہ میڈیا پر غیر مسلم چھائے ہوئے ہیں اور بالخصوص یہودی چھائے ہوئے ہیں اور وہ حقائق کو بدل کر ہمارے سامنے پیش کرتے ہیں باطل کو حق اور حق کو باطل بنا کر پیش کرتے ہیں تو یہاں میڈیا میں ہمارا کیا کردار ہے؟ یعنی جو اصلاح چاہتے ہیں جو دین کے وفادار ہیں دین کے مخلص ہیں ان کا میڈیا میں کتنا عمل دخل ہے؟ کتنا حصہ ہے؟ اگر آپ حقائق کی روشنی میں جائزہ لیں گے تو آپ کو مایوسی ہوگی کہ ہمارا اس میں کچھ بھی حصہ نہیں الیکٹرونک میڈیا کی بات بعد میں ہوگی اس کے جواز عدم جواز کو چھوڑیں آپ کہہ سکتے ہیں کہ اس میں اختلاف ہے انشاء اللہ اس کے حوالہ سے بھی میں مدلل گفتگو کروں گا میں اس سے قبل یہ بات کہنا چاہتا ہوں کہ جو میڈیا جائز ہے اس میں ہمارا کیا کردار ہے؟ آپ اخبار کو تو جائز کہتے ہیں؟ بتائیے کتنے اخبار ہیں مسلمانوں کے جو خالص اسلامی نقطہ نظر کے حامی اور جو اسلامی عقائد اور نظریات پر کسی قسم کے سمجھوتے کے لیے تیار نہ ہوں؟ کتنے صحافی ہیں ہمارے پاس؟ کتنے اخبار ہیں ہمارے پاس؟ ٹی وی نہ جائز ہے تو ریڈیو تو جائز ہے لیکن آپ بتائیں کہ کتنے ریڈیو اسٹیشن ہیں ہمارے پورے پاکستان میں؟ ایسا ریڈیو اسٹیشن جو خالص قرآن کی تعلیمات پیش کرنے کے لیے ہو ایک بھی نہیں ہے اور آپ کو شرم آئے گی یہ سن کر اور شرم آنی چاہیے کہ بعض مغربی ممالک جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں وہاں انہوں نے اپنے ریڈیو اسٹیشن قائم

کرنے کی کوشش کی۔ جنوبی افریقہ میں زیادہ سے زیادہ مسلمان ۱۰ فیصد ہیں پہلے کہتے تھے پانچ فیصد ہیں اب کچھ آبادی میں اضافہ ہوا ہوگا لیکن ان کے پاس معیاری ریڈیو اسٹیشن ہے جس کے ذریعہ وہ خبریں، حالاتِ حاضرہ، مسلمانوں کے اجتماعات کے اعلانات اور اسلامی پروگرام اور سوالات کے جوابات اور قرآن وحدیث کے درس نشر کرتے ہیں تو ریڈیو تو جائز ہے یہاں پر ہمارا کیا کردار ہے؟ ہم پروپیگنڈہ کا کیسے مقابلہ کر سکتے ہیں؟ آپ بی بی سی کو لیجئے، سالہا سال ہو گئے ہم میں بہت سے لوگوں کا مکمل اعتبار بی بی سی پر ہے، وہ اس کی خبروں کو حرف آخر سمجھتے ہیں کہ یہ سچ بولتے ہیں حالانکہ وہ سچ کے پردے میں بہت سارا جھوٹ بھی بولتے ہیں اور ہمارے جو سرکاری ریڈیو اسٹیشن ہیں اور ٹی وی چینل ہیں وہاں تو شاید ہی سچ بولا جاتا ہو، جو برسر اقتدار ہوتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ریڈیو پر سوائے میری آواز کے اور کوئی آواز نہ ہونی چاہیے اور ٹی وی پر سوائے میری تصویر کے اور کوئی تصویر نہیں آنی چاہیے۔ ٹی وی سے حکمران کی اور لیڈر صاحب کی تصویر اس دن غائب ہوتی ہے جب وہ اقتدار سے محروم ہوتے ہیں۔ آج جبکہ بظاہر لوگوں کی نظر میں ریڈیو کی اہمیت کم ہو گئی ٹی وی کا رجحان زیادہ ہو گیا، آج بھی بی بی سی نے اپنی اہمیت کو ختم نہیں ہونے دیا ہمارے کتنے ہی اخبار ہیں جو ان سے خبریں لیتے ہیں، ان کے حوالہ سے خبریں نشر کرتے ہیں ان کے پروگرام ان کے تجزیے، ان کے تبصرے، ان کے انٹرویوز نشر کرتے ہیں اس لیے کہ مجبور ہیں، انہوں نے اپنا معیار بنا رکھا ہے۔ آپ بتایئے ہماری انٹرنیٹ پر کیا کارکردگی ہے؟ کم از کم اس کو تو جائز کہا جاتا ہے یعنی اس کا ایک جائز استعمال بھی ہے اور ناجائز بھی ہے میں ناجائز کی بات نہیں کر رہا کہ انٹرنیٹ پر آنے والی ہر الا بلا جائز ہے، آج انٹرنیٹ تو ٹی وی سے

بھی زیادہ خطرناک ہے جتنی فحاشی انٹرنیٹ پر ہے اتنی ٹی وی پر بھی نہیں لیکن اس کے استعمال کا ایسا طریقہ بھی ہے جسے سب علما، جائز کہتے ہیں لیکن ہمیں بتایئے کہ انٹرنیٹ پر ہماری کیا کارکردگی ہے؟ میں نے ایک جگہ دیکھا کہ امریکہ میں عیسائیوں کی دو لاکھ مذہبی ویب سائٹس ہیں، جن کے ذریعہ سے وہ عیسائیت کی تبلیغ کرتے ہیں ہمارے ہاں چند ہزار ویب سائٹ ہیں اور ان میں سے بھی اکثر کا معیار اور کارکردگی ناقابل ذکر ہے، رسمی طور پر بہت سے لوگوں نے اپنی ویب سائٹس بنائی ہوئی ہیں لیکن کارکردگی کچھ بھی نہیں، معیار کچھ بھی نہیں، ایسا معیار جو دوسروں کو متاثر کر سکے، کوئی پیغام دے سکے، کوئی تازہ مضمون ان کے سامنے پیش کر سکے ان میں سے کوئی چیز بھی نہیں، بس رسمی طور پر ویب سائٹ بنالی گئی ہے چندہ مانگنے کے لیے اور ایسی ویب سائٹ بھی ہیں جو مذہب کے نام پر بنائی گئی ہیں لیکن وہ بگاڑنے کا کام کر رہی ہیں ہر بار مذہب کا دوسرا تیسرا ایڈیشن پیش کرتے ہیں وہ ایڈیشن نہیں جو چودہ سال قبل نبی ﷺ نے دنیا کے سامنے پیش کیا تھا، ہم چھوٹی سی مثال آپ کو دیتے ہیں کہ اس کے ذریعہ بھی کتنا کام کیا جا سکتا ہے الحمد للہ ہمارا جو مدنی مسجد میں درس قرآن کا سلسلہ شروع ہوا، تقریباً ساڑھے چار سال قبل ایک مخلص ساتھی نے ویب سائٹ بنائی ''درس قرآن ڈاٹ کام'' کے نام سے، آپ کو یہ سن کر خوشی ہوگی کہ آج اس ویب سائٹ کا یہ حال ہے کہ دنیا کے پچاس ممالک سے کم از کم روزانہ ۳۰ سے ۴۰ ہزار افراد اس میں درس قرآن، علماء کے بیانات اور مواعظ سننے کے لیے اور مسائل سیکھنے اور پڑھنے کے لیے آتے ہیں۔ اس کا انہوں نے ایک معیار بنایا ہے اور وہ معیار متاثر کن ہے اس کی بنا پر لوگ آتے ہیں اور اگر اسی طریقہ سے کچھ اور لوگ بھی کوشش کریں تو کہاں تک اپنے پیغام کو نہیں

پہنچایا جا سکتا، ہمارے پاس بعض اوقات دنیا کے ایسے ممالک سے ای میل اور فون آتے ہیں کہ ہم کبھی سوچ بھی نہیں سکتے۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ میں وہاں پہنچ کر قرآن سنا سکوں گا مثلاً ایک نوجوان نے مجھے فون کیا اور وہ آج تک مجھے فون پر جھنجھوڑتا رہتا ہے اور میں وہ سنا کر بعض اوقات جھنجھوڑنے کی کوشش کرتا ہوں اس نوجوان نے چین سے فون کیا، کوئی اردو دان تھا پاکستان یا ہندوستان کا رہنے والا ہوگا۔ اس نے کہا کہ یہاں میں آپ کا درس سنتا ہوں اس سے تعارف ہوا تو اس نے کہا کہ یہاں ایک خاتون ہے جس سے میں نے انگلش زبان سیکھی اور کچھ مضامین پڑھے اب وہ خاتون مجھ سے یہ کہتی ہے کہ مجھے اسلام پڑھاؤ قرآن پڑھاؤ اور اسلام کے بارے میں معلومات فراہم کرو، وہ نوجوان کہہ رہا تھا کہ مولوی صاحب میں خود اسلام نہیں جانتا اسے کیسے بتاؤں؟ اور میں خود اسلام نہیں سمجھتا اسے کیسے سمجھاؤں؟ یقین کریں کہ میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے کہ یا اللہ! ان اہل کتاب کے پاس جو کچھ ہے اچھائی ہے یا کہ برائی وہ ہمیں دے دی لیکن ہمارے پاس جو نیکی اور فلاح کا سرچشمہ ہے وہ ہم ان کو دینے کے قابل نہیں رہے ہمارے جوانوں میں یہ صلاحیت نہیں ہے کہ ان کو اچھائی کے اس سرچشمے سے متعارف کرائیں اور قرآن کا نور ان کی طرف منتقل کر سکیں اسلام کی حقیقت ان کو سمجھا سکیں، ہمارے اندر یہ صلاحیت نہیں ہے ہم میں سے کتنے ہیں جن کے پاس اللہ کا دیا ہوا بہت کچھ ہے، لیکن اللہ کے دین پر خرچ کرنے کے لیے کچھ نہیں کل ہی دو ساتھی ملنے کے لیے آئے تو حیران رہ گیا، ہماری سمجھ میں تو یہ باتیں آتی ہی نہیں، میں نام نہیں لیتا میڈیا کا سب سے بڑا نام ہے انہوں نے کہا کہ میں ان ایڈیٹر صاحب کے گھر گیا ان کے گھر میں بچوں کو پڑھانے کے حوالہ سے آنا جانا ہے۔ ان سے

شوہر کہتے ہیں کہ میری بیگم کو ذرا سمجھائیں یہ بہت فضول خرچی کرتی ہے۔ ۲۰ لاکھ روپے کی تو صرف شالیں خرید کر لائی ہے۔ اللہ اکبر! ہمارے جیسوں کو تو سمجھ نہیں آتا کہ یہ بیس لاکھ کی شالیں کیا ہوں گی اور وہ کہہ رہے ہیں کہ مولوی صاحب اس کو سمجھائیں اس نے فضول خرچی شروع کر دی ہے بے تحاشہ دولت آ رہی ہے لیکن سمجھ نہیں آ رہا کہ اللہ کے دین کے لیے ایک پیسہ نہیں اور میں کبھی کبھی کہتا ہوں اور آپ کو کہہ رہا ہوں اور کہہ دینا چاہتا ہوں کہ موضوع یہاں تک پہنچا ہے تو میں قرآن کریم کی وہ آیت کریمہ پڑھتا ہوں جس میں عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں سے فرمایا تھا:

﴿ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ﴾

کون ہیں اللہ کیلئے میرے مددگار! اللہ کے دین کیلئے میری مدد کرنے والے؟ کون ہیں میرا ساتھ دینے والے؟ مجھے تو ایسا لگتا ہے کہ آج ہم سے یہ سوال ہو رہا ہے ایسا لگتا ہے کہ قرآن سے آواز آ رہی ہے: ﴿ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ﴾ اور ایسا لگتا ہے کہ مدینہ منورہ سے ہمارے نبی ﷺ کے روضے سے یہ آواز آ رہی ہے ﴿ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ﴾ میں نے تو اپنے دین کے لیے اللہ کے دین کے لیے سب کچھ قربان کر دیا ارے تم نے کیا کیا؟ میرا نام لینے والو! کلمہ پڑھنے والو! کون ہے آج بے کسی کے دور میں کون ہے میری مدد کرنے والا؟ آپ بتائیے آپ نے انگریزی زبان میں کتنی کتابیں چھاپیں؟ آپ نے فرانسیسی زبان میں کتنی کتابیں چھاپیں؟ کتنے پروگرام پیش کیے؟ جن سے سچائی کی راہ متعین ہوتی ہو دنیا سچائی کی متلاشی ہے اب دنیا جھوٹ سے تنگ آ چکی ہے اتنا جھوٹ بولا گیا اتنا جھوٹ بولا گیا کہ اب تنگ آ چکے ہیں اور حقائق کی تلاش میں ہیں۔ مسلسل کہا گیا محمد ﷺ

دہشت گرد ہیں اور ابوبکر و عمر اور سارے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین دہشت گرد ہیں۔

قرآن دہشت گردی کی کتاب ہے اتنا پروپیگنڈہ کیا گیا، آج وہ خود سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ دیکھیں تو سہی کہ ہے کیا؟ محمد ﷺ کی سیرت میں کیا ہے اور قرآن کے اوراق میں کیا ہے؟ دنیا سچائی کی تلاش میں ہے لیکن کیا ہم نے دنیا کو بتایا کہ سچ کیا ہے جھوٹ کیا ہے؟ حق کیا ہے اور باطل کیا ہے؟ حقیقت کیا ہے اور افسانہ کیا ہے؟

اگر ہمارے اندر سچ بولنے کا حوصلہ ہے تو ہمیں تسلیم کر لینا چاہیے کہ ہم نے پوری دنیا میں اسلام اور سچائی کا پیغام پہنچانے کی سنجیدہ، منظم اور مسلسل کوشش نہیں کی، حیرت کی بات ہے کہ جتنی منظم کوشش باطل کی اشاعت کے لیے ہو رہی ہے اتنی منظم کوشش حق کی اشاعت کے لیے نہیں ہو رہی۔

ممکن ہے بعض حضرات کے ذہن میں تبلیغی جماعت کا نام آئے کہ وہ تو پوری دنیا میں جا رہی ہے، میں نہ تو تبلیغی جماعت کی اہمیت سے انکار کرتا ہوں اور نہ ہی ان کی کوششوں کا انکار کرتا ہوں مگر امید ہے کہ آپ بھی اس حقیقت سے انکار نہیں کریں گے کہ تبلیغی جماعت میں نکلنے والوں کا اصل مقصد اپنی ذات کی اصلاح ہوتا ہے، ان میں سے اکثر کا علم بہت محدود ہوتا ہے، نہ وہ قرآن کے معانی اور مطالب سے واقف ہوتے ہیں نہ احادیث پر ان کی نظر ہوتی ہے، نہ فقہ کے مسائل میں انہیں مہارت ہوتی ہے اور نہ ہی دوسرے مذاہب اور نظریات کا انہوں نے مطالعہ کیا ہوتا ہے اس لیے وہ اپنے بیانات کو چھ نمبروں تک محدود رکھتے ہیں اور ان سے باہر نکلنے کو حد سے تجاوز سمجھتے ہیں۔

آپ خود ہی فیصلہ فرمائیے کہ اتنا محدود سا علم رکھنے والے ہمارے یہ مخلص بھائی کیا

واقعی پوری دنیا کے انسانوں کو متاثر کرنے اور ان تک اسلام کا پیغام پہنچانے کی صلاحیت رکھتے ہیں؟ جبکہ اہل باطل نے جن لوگوں کو میدان میں اتار رکھا ہے انہیں انسانی نفسیات، مختلف نظریات، تاریخ عالم اور متعدد زبانوں پر عبور ہوتا ہے اور وہ اپنا پیغام پہنچانے کے لیے جدید سے جدید تر ذرائع بھی اختیار کرتے ہیں، کیا اخبار اور کیا رسائل، کیا ریڈیو اور کیا ٹی وی، کیا موبائل اور کیا انٹرنیٹ سبھی کو وہ استعمال کرتے ہیں جس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ ان کا پیغام ہمارے گھروں بلکہ ہمارے دینی مراکز تک جا پہنچا ہے۔

مقابلہ کیسے؟

گزشتہ دنوں مجھے باری تعالیٰ نے حج بیت اللہ کی سعادت نصیب فرمائی وہاں مکۃ المکرمہ میں مدرسہ صولتیہ ہمارے بزرگوں کی یادگار ہے، اس مدرسہ کے ایک استاذ حدیث اور ماہر عالم نے ہمیں بتایا کہ قادیانیوں نے اپنے مذہب کی تبلیغ کے لیے جو عربی چینل شروع کر رکھے ہیں وہ چوبیس گھنٹے حرمین شریفین میں بھی دیکھے جا رہے ہیں، فلسطین، مصر، شام اور دوسرے عرب ملکوں سے تعلق رکھنے والے مبلغین ان پر آتے ہیں اور انتہائی فصیح عربی میں قادیانیت کا پرچار کرتے ہیں، جس وقت وہ مجھے یہ بتا رہے تھے اس وقت بھی عربی لباس میں ملبوس ایک فلسطینی نوجوان مرزا غلام احمد کی صداقت پر دلائل دے رہا تھا اور ہماری طرف سے وارد ہونے والے اشکالات کے نہ صرف جوابات دے رہا تھا بلکہ اپنے خیال میں علماء کے علمی اور عملی تضادات، ان کے کردار، اخلاق اور عمومی رویے کے بارے میں ایسے ایسے اعتراضات کر رہا تھا جس سے عام آدمی کا متاثر ہونا یقینی تھا۔ ظاہر ہے جب ایک خالص عرب، عربی لباس میں، عربی اسلوب میں قرآن اور حدیث کے حوالے دے کر ان کی تفسیر اور

تشریح اپنے ذہن کے مطابق کرے گا تو اس فتنے کی حشر سامانیوں سے پوری طرح واقفیت نہ رکھنے والے عرب متأثر تو ہوں گے۔

ہم نے ان عالم صاحب سے پوچھا کہ حضرت اس مسئلے کا حل کیا ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ مولانا! ٹینکوں اور توپوں کا مقابلہ ٹینکوں اور توپوں سے ہوسکتا ہے غلیل اور ڈنڈے سے نہیں، جنگی جہاز کا مقابلہ اس جیسے جنگی جہاز ہی سے ہوسکتا ہے، گدھا گاڑی اور موٹر سائیکل سے نہیں، چینل کا مقابلہ بھی چینل سے ہوسکتا ہے، کتاب اور رسالے سے نہیں، اول تو اس موضوع پر ہر زبان میں ہمارا لٹریچر موجود نہیں اور اگر ہے بھی تو ہر ملک، ہر شہر اور ہر محلے میں دستیاب نہیں، گویا جن گھروں تک قادیانیت کا پیغام پہنچ چکا ہے ان گھروں تک ہمارا پیغام نہیں پہنچا، وہ تو ہمارے ایمانی اور روحانی مرکز تک پہنچ گئے مگر ہم ان کے مرکز تک نہیں پہنچ سکے۔

مقابلے کی تیاری:

اللہ تعالیٰ کا حکم ہے:

﴿ وَأَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ وَمِن رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ وَآخَرِينَ مِن دُونِهِمْ لَا تَعْلَمُونَهُمُ اللَّهُ يَعْلَمُهُمْ ﴾

ہمیں دشمن کا مقابلہ کرنے کے لیے وہ سب کچھ کرنے کا حکم دیا گیا ہے جو کچھ ہمارے بس میں ہے، اگر کوئی سر پھرا یہ کہے کہ چونکہ حضور اکرم ﷺ دشمن کے ساتھ جنگ میں توپ، جہاز، راکٹ اور بم استعمال نہیں کرتے تھے اس لیے ہم بھی یہ جدید اسلحہ استعمال نہیں کریں گے بلکہ ہم تو تلواروں، تیروں اور نیزوں سے جنگ کریں گے، اگر اللہ کو منظور ہوا تو وہ ان پرانے ہتھیاروں سے بھی ہمیں فتح دے دے گا، تو آپ بتائیے کہ آپ ایسے شخص

کے دماغی توازن پر شک نہیں ہوگا؟ ضرور ہوگا اس لیے کہ ہمارا اللہ جو ہمارے مستقبل کے بارے میں خوب جانتا ہے اس نے آج سے صدیوں پہلے فرمادیا تھا کہ مقابلے کی تیاری کے لیے جو کچھ کر سکتے ہو کرو، اس میں کوتاہی ہرگز نہ کرو۔

ہوسکتا ہے کہ کوئی سادہ بندہ اسے توکل سمجھتا ہو اور اس کا خیال ہو کہ ہم مٹی کا ڈھیلا بھی پھینک دیں گے تو وہ ایٹم بم بن جائے گا، تو میرے بھائیو! توکل کا مفہوم یہ نہیں کہ اسباب ترک کر دیے جائیں، توکل کا مفہوم یہ ہے کہ اسباب اختیار کرنے کے بعد نتیجہ اللہ پر چھوڑ دیا جائے۔

جیسے آج کل میدانِ جنگ میں تیر اور تلوار سے کام نہیں چل سکتا اسی طرح دعوت اور اشاعت کے میدان میں بھی صرف اپنے مریدوں کے حلقے میں بیٹھ کر دعوت کا حق ادا نہیں ہوسکتا، اس کے لیے ہمیں ابلاغ کے سارے ذرائع اختیار کرنے ہوں گے اور ٹی وی آج کے دور کا سب سے مؤثر ذریعہ ابلاغ ہے۔

کیا یہ لہوولعب کا آلہ ہے؟

مجھے بڑی حیرت ہوئی جب میں نے گزشتہ دنوں ایک صاحب کا رسالہ پڑھا جو انہوں نے ٹی وی پر درسِ قرآن کے خلاف لکھا تھا اس میں انہوں نے لکھا کہ ٹی وی کو صرف لہوولعب کے لیے وضع کیا گیا ہے، لہوولعب کے علاوہ اس کا کوئی مقصد ہی نہیں، حیرت ہوئی کہ ایک سمجھدار انسان ایسی کمزور سی بات کیسے لکھ سکتا ہے؟ اللہ کے بندے! ٹی وی کو لہوولعب کے لیے نہیں ابلاغ کے لیے ایجاد کیا گیا ہے اس کے ذریعے خیر کا ابلاغ بھی ہوسکتا ہے اور شر کا ابلاغ بھی ہوسکتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ آج کل اس کا زیادہ تر استعمال کھیل تماشے، ناچ گانا اور

رقص وسرود کے لیے ہو رہا ہے اس لیے کہ یہ آلہ ان لوگوں کے ہاتھ میں ہے جو ان لغویات کے علاوہ کچھ جانتے ہی نہیں، یہ تو ایسے ہی ہے جیسے کلاشنکوف کافر کے ہاتھ میں ہو وہ اس سے مسلمان کا سینہ ہی چھلنی کرے گا، اس کے ذریعہ وہ دین اسلام کے لیے جہاد تو نہیں کرے گا۔

اگر آپ ٹی وی کو صرف اس لیے لہو ولعب کا آلہ کہتے ہیں کہ اس کا استعمال کھیل تماشے کے لیے ہو رہا ہے اور اسے دین کی دعوت کے لیے ایجاد نہیں کیا گیا تھا تو آپ مجھے بتایئے کہ کیا اخبار، ریڈیو، ٹیپ ریکارڈ اور کمپیوٹر کو دعوت دین کے لیے ایجاد کیا گیا تھا؟ اور کیا ان ساری چیزوں کو برائی الحاد اور دین دشمنی کے لیے استعمال نہیں کیا جارہا؟ اور اگر استعمال کیا جا رہا ہے تو کیا ہمیں ان ساری چیزوں کا بائیکاٹ کر دینا چاہیے؟ ایک محترمہ جو ہمارے درس میں آتی ہیں اور ایک مشہور پیر صاحب سے ان کا اصلاحی تعلق ہے، انہوں نے مجھے ٹی وی پر درس قرآن کے بارے میں بڑا سخت خط لکھا کہنے لگیں کہ مولوی صاحب! مجھے بتایئے کہ جس نالے میں گندا پانی بہہ رہا ہو اگر اس میں دودھ چھوڑ دیا جائے تو کیا ہم دودھ پی لیں گے؟

کیا یہ حقیقت نہیں؟

میں نے انہیں جواب دیا کہ محترمہ! کیا یہ حقیقت نہیں کہ ریڈیو سے فحش گانے نشر ہوتے ہیں، کمپیوٹر اور خصوصاً انٹرنیٹ پر دنیا کا غلیظ ترین مواد دیکھا جا سکتا ہے، ٹیپ ریکارڈر سے بیہودہ پروگرام سنے جا سکتے ہیں، کیا ریڈیو، کمپیوٹر اور ٹیپ ریکارڈر میں درس سننا اور دینا بھی ایسے ہے جیسے گٹر میں دودھ بہانا، اگر نہیں تو کیوں؟

موبائل ہر شخص کی ضرورت بن چکا ہے مگر دوسری طرف صورت یہ ہے کہ موبائل میں مختلف قسم کے گیم ہیں جو انسان کا قیمتی وقت ضائع کرتے ہیں، موبائل کے ذریعہ اغوا ہوتے

ہیں، ڈاکے پڑتے ہیں، غلط تعلقات قائم کیے جاتے ہیں، اس میں غلیظ قسم کا میوزک ہے، اس میں ریڈیو ہے، گانے ہیں، اب اس میں ٹی وی بھی آ گیا ہے، یقیناً آگے چل کر اس میں تصویر بھی آ جائے گی، مجھے بتائیے کیا ان ساری قباحتوں کے باوجود ہر نیک اور بد، عالم اور جاہل موبائل استعمال نہیں کر رہا؟ اگر اس میں ٹی وی چینل آ گیا، تو کیا واقعی سارے علماء اور صلحاء اسے چوراہے کے بیچ رکھ کر نذرِ آتش کر دیں گے اور اس کے استعمال کو قطعی حرام اور اسے نجس العین قرار دے دیں گے؟

یقین کریں ایسا نہیں ہوگا، بلکہ علماءِ حق یہی فتویٰ دیں گے کہ اس میں جو کچھ گندگی موجود ہے ہم اس سے بچ کر اسے جائز اور نیک مقاصد کے لیے استعمال کریں گے۔

کیا یہ حقیقت نہیں کہ اخبارات میں انتہائی فحش مواد یہاں تک کہ ننگی تصویریں بھی شائع ہوتی ہیں لیکن اس کے باوجود آپ کے بقول اس گٹر کے ذریعے دین کی تعلیم اور تبلیغ کو جائز سمجھا جا رہا ہے اور مستند مفتی حضرات اخبارات میں دینی مسائل کے جوابات دیتے ہیں یہ بھی بتائیے کہ کون سا بڑا مدرسہ، ادارہ، اسلامی رسالہ اور اخبار ایسا ہے جہاں انٹرنیٹ کی سہولت نہیں ہے؟ جن علماء مفتیانِ کرام اور دیندار حضرات نے انٹرنیٹ کی سہولت حاصل کر رکھی ہے، ان کا خیال ہے کہ ہم اسی "گٹر" میں موجود گندگی سے بچ کر اسے جائز مقاصد کے لیے استعمال کر سکتے ہیں، تو کیا ٹی وی کے بارے میں بھی یہی احتیاط نہیں کی جا سکتی؟

ٹی وی پر درسِ قرآن کی صورت میں آپ کے ذہن میں یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ اس طرح علماء کا درس سننے کے لیے مذہبی لوگ بھی ٹی وی گھروں میں لے آئیں گے، پھر وہ صرف درس اور بیان ہی نہیں سنیں گے، اور بھی بہت کچھ دیکھیں گے اور سنیں گے!

اول تو آپ کا یہ اشکال ہی بے بنیاد ہے کہ صرف علماء کے بیانات سننے کے لیے ٹی وی خریدے جائیں گے کیونکہ محتاط علماء جواز کے فتوی کے باوجود گھر میں ٹی وی رکھنے سے منع کرتے ہیں کیونکہ ہر وقت بچوں کی نگرانی نہیں ہوسکتی ممکن ہے وہ والدین سے چھپ چھپا کر غلط قسم کے پروگرام بھی دیکھتے رہیں۔

دوسرا جواب میں وہی دینا چاہوں گا جو پہلے بھی اشارۃً دے چکا ہوں کہ جو اشکال آپ کو ٹی وی کی صورت میں ہے وہی اشکال کمپیوٹر کی صورت میں بھی ہے کہ جو علماء کرام انٹر نیٹ کے ذریعے سوالات کے جوابات دیتے ہیں یا اپنے بیانات پوری دنیا میں نشر کرتے ہیں وہ یہ کیوں نہیں سوچتے کہ ہمارے بیانات سے استفادہ کے لیے وہ لوگ بھی اپنے گھروں میں کمپیوٹر رکھ لیں گے جن کے گھروں میں پہلے کمپیوٹر نہیں تھے، پھر وہ صرف ہمارے بیانات ہی نہیں سنیں گے کچھ اور بھی سن سکتے ہیں۔

اگر کسی چیز کے حرام اور ناجائز ہونے کے لیے یہی اصول ہے کہ جس چیز کو غلط مقصد کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہو اس کا استعمال ناجائز ہے تو پھر بے شمار چیزوں سے ہمیں دستبردار ہونا پڑے گا۔

کیا ٹی وی کی حرمت پر اتفاق ہے؟

بعض حضرات ٹی وی کے مسئلے کو اس انداز میں پیش کرتے ہیں گویا کہ اس کی حرمت پر پوری دنیا کے علماء کا اتفاق ہے، حالانکہ ایسا ہرگز نہیں پہلی بات تو یہ ذہن میں رکھیں کہ تصویر کے بارے میں بھی ابتداء ہی سے اختلاف رہا ہے، بعض مالکیہ کے نزدیک صرف مجسمہ حرام ہے، عام تصویر جس کا اپنا کوئی جسم نہ ہو وہ حرام نہیں ہے۔ بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ

صرف وہ تصویر حرام ہے جو پرستش کے لیے بنائی گئی ہو اور جسے اس مقصد کے لیے نہ بنایا گیا ہو وہ حرام نہیں ہے۔

کچھ حضرات ڈیجیٹل کیمرے اور ہاتھ سے بنائی گئی تصویر میں فرق کرتے ہیں۔

ان مختلف اقوال کی بناء پر ہمارے بعض محقق علماء کی رائے ابتداء ہی سے یہ رہی ہے کہ ٹی وی کو مطلقاً حرام کہنا صحیح نہیں، ان علماء میں سے سب سے نمایاں نام حکیم الامۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ کے قریبی عزیز اور پاکستان کی عظیم اور قدیم درس گاہ جامعہ اشرفیہ کے مفتی مولانا جمیل احمد تھانوی رحمہ اللہ کا ہے۔ ان کی رائے مجھے سب سے زیادہ پسند آئی وہ شروع ہی سے اس بات کے قائل تھے کہ جو چیز ٹی وی سے باہر دیکھنا ناجائز ہے وہ یہاں بھی ناجائز اور جو باہر جائز وہ یہاں بھی جائز، مثلاً مرد کا مرد کو دیکھنا جائز ہے مگر مرد کا نامحرم عورت کو دیکھنا ناجائز اسی طرح ٹی وی سے باہر ستر کا کھولنا جائز نہیں تو ٹی وی میں بھی جائز نہیں۔

مفتی صاحب رحمہ اللہ سے جب ٹی وی پر علماء کے آنے کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے وضاحت سے جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ بعض آلات تو آلات لہو ولعب ہیں صرف اسی لیے وضع کیے گئے ہیں اس کے سوا کوئی نیک کام ان سے نہیں ہوسکتا، ان کا استعمال ہر طرح گناہ ہے اس لیے ان کا رکھنا، خرید وفروخت کرنا اور ان کی مرمت کرنا سب گناہ ہیں، جیسے ہارمونیم، طبلہ، سارنگی، ستار اور باجے، یہ چیزیں ہیں کہ ان کا خیر کے لیے استعمال کرنا خیر کی توہین ہے۔

اور بعض آلات وہ ہیں جو صرف ایک بات کو دوسرے تک پہنچانے والے ہیں خواہ یہ

بات خیر ہو یا شر، تو انہیں خیر میں استعمال کرنا جائز اور شر میں استعمال کرنا گناہ ہے، چونکہ انہیں خیر میں بھی استعمال کیا جا سکتا ہے اس لیے ان کی خرید و فروخت کرنا، مرمت کرنا اور اس شرط کے ساتھ گھر میں رکھنا بھی جائز ہے کہ انہیں شر کے لیے استعمال نہ کیا جائے، اس قسم کے آلات پر تقریریں تلاوتیں، خبریں اور جائز باتیں سننا جائز ہے، جب تک ان آلات کو جائز امور میں استعمال کیا جائے ان کا استعمال کرنا جائز ہوگا اور جب انہیں ناجائز امور میں استعمال کیا جائے تو ان کا رکھنا گناہ ہوگا۔

جمعیت علماءِ ہند کا اجتماع:

یہ صرف مفتی جمیل احمد تھانوی رحمہ اللہ کی رائے نہیں تھی بلکہ متعدد دوسرے علماء نے بھی بالآخر ان ہی کی رائے کو پسند فرمایا۔

2005ء میں ''ٹیلی ویژن اور انٹرنیٹ کا دینی مقاصد کے لیے استعمال'' کے موضوع پر سلطان ٹیپو شہید رحمہ اللہ کے شہر بنگلور میں واقع دارالعلوم شاہ ولی اللہ میں ادارہ مباحثِ فقہیہ جمعیت علماءِ ہند کے زیرِ اہتمام پورے ہندوستان کی سطح پر اجتماع ہوا تھا اس اجتماع میں پورے ملک سے 150 سے زائد اصحابِ افتاء، اربابِ علم و دانش اور علماءِ کرام نے شرکت کی، پہلی نشست میں کرناٹک، تامل ناڈو اور آندھرا پردیش سے ایک ہزار سے زائد منتخب علماء، مفتیانِ کرام اور موقر افراد شریک ہوئے۔

اس اجتماع میں دارالعلوم دیوبند کے استاذ مولانا مفتی عبداللہ معروفی نے کہا کہ ٹیلی ویژن پر جو صورت نظر آتی ہے وہ تصویر کے حکم میں نہیں بلکہ وہ عکس ہے، لہٰذا اس پر تصویر کی حرمت والی روایتوں سے استدلال نہیں ہوگا، انہوں نے تصویر اور اس کے متعلقہ پہلوؤں پر

گفتگو کرتے ہوئے بتایا کہ انٹرنیٹ کا جائز مقاصد کے لیے استعمال بالکل صحیح ہے، رہا ٹیلی ویژن کا معاملہ تو اس کے استعمال کی دو نوعیتیں ہیں:

۱- دینی معلومات حاصل کرنے کے لیے اس کا استعمال

۲- دینی معلومات فراہم کرنا، مثلاً اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں پائے جانے والے شبہات کو دور کرنا، اس سلسلہ میں غلط فہمیوں کو دور کرنا اور ضروری اسلامی تعلیمات کے بارے میں بتانا۔

مولانا معروفی نے دوسری صورت (یعنی ضروری معلومات فراہم کرنے کے لیے) ٹیلی ویژن کو جائز قرار دیا جبکہ پہلی صورت کے بارے میں بتایا کہ متبادل ذرائع معلومات دستیاب ہونے کی وجہ سے اس کا استعمال جائز نہیں ہوگا کیونکہ اس سے مفاسد کی ترسیل زیادہ ہوتی ہے اس پر شر کا غلبہ ہے۔

مولانا مفتی حبیب الرحمٰن خیرآبادی نے ٹیلیویژن کے استعمال کی سختی سے ممانعت کی خواہ وہ دینی مقاصد کے لیے کیوں نہ ہو۔

ان کے مقابلے میں جمعیت علماءِ ہند کے صدر مولانا اسعد مدنی رحمہ اللہ نے تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ اتنی شدت مناسب نہیں، ہر چیز کو قطعی حرام قرار دینے سے کیسے کام چلے گا؟ علماء کو امت کو انتشار سے نکالنے کی صورت پر توجہ دینی چاہیے۔

لوگ ٹیلیویژن پر قادیانیوں اور عیسائیوں کی طرف سے نشر ہونے والے پروگراموں کو دیکھ کر مرتد ہو رہے ہیں کیا لوگوں کو ارتداد سے بچانے کے لیے اور ان تک صحیح معلومات پہنچانے کے لیے ایسی صورت نہیں نکالی جاسکتی جیسا کہ شناختی کارڈ، پاسپورٹ وغیرہ کے

لیے تصویر کے سلسلے میں نکالی گئی ہے؟

انہوں نے سوال اٹھایا کہ کیا نفلی حج، عمرہ یا اسفار کے لیے تصویر کھینچنے کھنچوانے کی ضرورت کو تسلیم نہیں کیا گیا؟ کیا یہ ضرورت ضرورتِ اضطراری کے ذیل میں آتی ہے؟

(یہ بڑا اہم سوال ہے خاص طور پر ان لوگوں سے جو تصویر کو مطلقاً حرام کہنے کے باوجود تصویر کھنچواتے اور بار بار کھنچواتے ہیں)

حکیم الاسلام قاری محمد طیب نور اللہ مرقدہٗ کے صاحبزادے اور دارالعلوم دیوبند (وقف) کے مہتمم مولانا محمد سالم قاسمی دامت برکاتہم نے اپنے صدارتی کلمات میں بدلتے ہوئے حالات میں نئی ایجادات سے شرعی حدود میں رہتے ہوئے ان کے استعمال کی طرف اشارہ کیا اور کہا کہ اسلام ایک عالمی مذہب ہے اسے تمام انسانوں تک پہنچانے کے لیے ہر ممکن جائز طریقہ و ذریعہ اختیار کیا جائے۔

انہوں نے کہا کہ مسئلے کا دارومدار پروگرام پر ہے جس کو دیکھنا، سننا جائز ہے، اس کا نشر کرنا بھی جائز ہے، جدید انفارمیشن ٹیکنالوجی نے جو صورتحال پیدا کر دی ہے اس کو سامنے رکھتے ہوئے مسئلہ کا حل نکالنا اصحابِ علم و افتاء کی ذمہ داری ہے۔

مولانا قاسمی نے مزید کہا کہ ٹیلی ویژن فی نفسہٖ آلۂ اشاعت و معلومات ہے، اس سے شر کی بھی اشاعت ہوتی ہے اور خیر کی بھی، اسے مطلقاً ناجائز قرار دینا صحیح نہیں ہے، اس لیے جو باہر جائز ہے وہ آلہ کے اندر بھی جائز ہوگا۔

الیکٹرانک میڈیا کی اثر انگیزی اور وسعت سے انکار نہیں کیا جا سکتا اس پر باطل کی تردید کے ساتھ اسلام کی تعلیمات کو اس قوت سے پیش کریں کہ دشمنانِ اسلام دفاع کی

پوزیشن میں آجائیں۔

مغربی میڈیا اسلام اور مسلمانوں کی صورت کو مکروہ بنا کر پیش کر رہا ہے لہٰذا مقاصد شریعت کے تحت ٹی وی کے استعمال کی گنجائش ہونی چاہیے۔

مولانا مفتی شبیر احمد قاسمی کی رائے بھی یہ تھی کہ ٹیلی ویژن وغیرہ فی نفسہ معلومات حاصل کرنے کا آلہ ہے البتہ اس کے غلط استعمال نے اسے مجموعہ فساد بنا دیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اس اجتماع کے بعض شرکاء نے ٹیلی ویژن کے کسی بھی صورت میں استعمال کو حرام قرار دیا مگر امیر الہند مولانا سید اسعد مدنی اور خطیب اسلام مولانا محمد سالم قاسمی جیسے ثقہ حضرات نے اس کی تردید کی۔ آل انڈیا سطح پر ہونے والے اس اجتماع کی رپورٹ پہلے ''البلاغ'' میں اور اس کے بعد ''نور علیٰ نور'' میں شائع ہوئی۔

بندہ نے محض اس کا خلاصہ قارئین کے سامنے پیش کیا ہے۔

ملکی سطح پر ہونے والے اس ہندوستانی اجتماع کے علاوہ میں آپ کی توجہ اس پاکستانی اجتماع کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں جو کیم مئی ۲۰۰۶ء جامعہ دار العلوم کراچی میں ہوا تھا اور اس میں پورے پاکستان سے اکابر علماء نے شرکت فرمائی تھی، اجلاس کے بعد جو قراردادیں منظور کی گئیں ان میں سے قرارداد نمبر ٦ کا خلاصہ یہ تھا کہ جو علماء فیما بینہم و بین اللہ درست سمجھ کر، دین کے دفاع یا اس کی اشاعت کی خاطر الیکٹرانک میڈیا کے کسی ایسے پروگرام میں آتے ہیں جو دوسرے منکرات سے خالی ہو تو انہیں مخالف رائے رکھنے والے بھی معذور سمجھیں اور ان پر اعتراض نہ کیا جائے۔

اسی قرارداد پر ۳۵ مفتیان کرام نے دستخط فرمائے تھے۔

یہ تو پاکستان اور ہندوستان کے علماء کے فتوے اور قرار دادیں تھیں اگر آپ ان دونوں ملکوں سے آگے نکل کر عالم اسلام کے دوسرے ممالک کا جائزہ لیں تو وہاں کے اکثر علماء دین کی اشاعت کے لیے ٹی وی کے استعمال کو جائز مان چکے ہیں، اگر میں نے مصر اور شام کا نام لیا تو کچھ لوگ کہیں گے کہ وہاں کے علماء تو آزاد خیال ہیں ان کی رائے کا کیا اعتبار ہے؟ اس لیے میں سعودی علماء اور مشائخ کا حوالہ دیتا ہوں، کیا یہ حقیقت نہیں کہ سعودیہ کے سارے مشائخ ویڈیو بنواتے اور ٹی وی پروگراموں میں آتے ہیں؟

پھر کیا یہ بھی حقیقت نہیں کہ دار العلوم حقانیہ کے شیخ الحدیث مولانا شیر علی شاہ صاحب، دار العلوم کراچی کے شیخ الحدیث مولانا محمد تقی عثمانی، جامعہ نصرۃ العلوم کے شیخ الحدیث مولانا زاہد الراشدی صاحب، جامعہ بنوریہ کے شیخ الحدیث مفتی محمد نعیم صاحب اور دوسرے بیسیوں علماء اور مفتی حضرات ٹی وی پروگراموں میں شرکت کر رہے ہیں۔

ان کے علاوہ میں نے نہ معلوم کتنی ہی دینی محافل اور جلسوں میں ویڈیو بنتی دیکھی ہے تو آپ کے خیال میں ان حالات میں یہ فتویٰ دینا مناسب ہوگا کہ دار العلوم دیوبند کے موجودہ اکابر، پاکستانی جامعات کے شیوخ حدیث، سعودیہ اور دوسرے اسلامی ممالک کے سارے مذہبی رہنما حرام قطعی کا ارتکاب کر رہے ہیں؟

آپ ایک لمحے کے لیے سوچیے کہ اگر پاکستان میں اسلامی حکومت آجاتی ہے تو کیا وہ پورے ملک کو ٹی وی کے وجود سے پاک کرنے کا فیصلہ کرے گی یا اسکا قبلہ بدلنے کا فیصلہ کرے گی؟

اگر بالفرض وہ ٹی وی کو یکسر ختم کرنے کا فیصلہ کر لیتی ہے تو کیا اس کے لیے اس فیصلے پر

عمل کرنا ممکن ہوگا؟

خدارا!

خدارا! ایسی باتیں نہ کیجئے، جو تخیل کی حد تک تو بہت اچھی لگتی ہیں اور جن باتوں سے ہم اپنے محدود حلقے کو تو خوش کر سکتے ہیں لیکن عملی زندگی میں انہیں نافذ نہیں کر سکتے، اور ایسی باتیں بھی نہ کیجئے جن کی وجہ سے ہم پر تضاد اور دو غلے پن کی پھبتی کسی جائے کہ ہمارا فتویٰ تو یہ ہو کہ تصویر اور ٹی وی مطلقاً حرام ہیں مگر ہم چھوٹے موٹے عذر کی وجہ سے بھی تصویر کھنچوانے کے لیے تیار ہیں، حتیٰ کہ نفلی عبادات کے لیے بھی، حالانکہ فتویٰ تو یہ ہے کہ فرض کی ادائیگی کے لیے بھی حرام کا ارتکاب جائز نہیں مگر ہمارا حال یہ ہے کہ ہر سال نفلی حج اور عمرہ کے لیے تصویریں کھنچوا لیتے ہیں، ایک طرف ہم ٹی وی کو نجس العین قرار دیں دوسری طرف ایسی محفلوں میں بھی شرکت کریں جہاں ویڈیو بن رہی ہو۔

کچھ علماء اسے حرام کہیں اور کچھ اس کے استعمال کو ضروری قرار دیں۔

اللہ جانتا ہے کہ مجھے نہ تو اپنے علم پر گھمنڈ ہے اور نہ ہی عمل پر فخر اور ناز ہے، نہ ٹی وی پر آنے کا شوق ہے اور نہ ہی میرے گھر میں ٹی وی ہے، لیکن میں دیانتداری سے ان حضرات کی رائے زیادہ صحیح سمجھتا ہوں جو خیر کی اشاعت اور باطل سے مقابلہ کے لیے اس کے استعمال کو جائز کہتے ہیں۔

میں مانتا ہوں کہ ہمارے کئی بزرگوں نے ٹی وی کی حرمت کے فتوے جاری کیے تھے، ان بزرگوں کو تنقید کا نشانہ بنائے بغیر یا تو ہمیں ان کے بارے میں سکوت اختیار کرنا ہوگا یا ہم یہ تاویل کریں گے کہ ان کے فتویٰ ان غلیظ پروگراموں کے بارے میں تھا جو ناچ گانا اور

ہر قسم کی تعویات پر مشتمل ہوتے ہیں۔

آپ جانتے ہیں کہ نماز کے لیے لاؤڈ اسپیکر کے استعمال کو بعض علماء نے ناجائز کہا تھا بعد میں انہوں نے اپنی رائے سے رجوع کر لیا، اسی طرح انگریزی تعلیم کے بارے میں بھی بعض حضرات بڑے متشدد تھے، آج صورت یہ ہے کہ خود علماء کی نگرانی میں انگلش میڈیم اسکول چل رہے ہیں۔

آپ اسے میری پیشنگوئی سمجھ لیں یا حقائق کا ادراک اور اعتراف کہ چند سال بعد مختلف دینی جماعتیں اپنا ٹی وی چینل کھولنے پر مجبور ہو جائیں گی، جب ایسا ہوگا تو نئے نئے فتوے ہمارے ہی گلے کا ہار بن جائیں گے، بلکہ اندر کی بات یہ ہے کہ دین کا درد رکھنے والی متعدد دینی شخصیات مذہبی چینل کے لیے انتہائی سنجیدگی سے غور وفکر کر رہی ہیں بالخصوص دارالعلوم دیوبند سے وابستہ حضرات اس حوالے سے پیش پیش ہیں لیکن وسائل میسر نہیں آرہے۔

میں ایسے علماء کو بھی جانتا ہوں جو بعض وجوہ کی بناء پر خود تو الیکٹرونک میڈیا پر نہیں آرہے مگر اپنے متعلقین کو آنے کی ترغیب دے رہے ہیں، تا کہ ان لوگوں کا مقابلہ کیا جا سکے جو دو نمبر اسلام پیش کر رہے ہیں چونکہ دنیا میں خلا محال ہے اس لیے جب علماء حق نے میدان خالی چھوڑا تو دو نمبر کے علماء نے میڈیا پر قبضہ جما لیا اور قرآن وحدیث کے نام پر اپنے ذاتی نظریات کی اشاعت شروع کر دی، آپ کو بے شمار لوگ ایسے ملیں گے جو نکاح، طلاق، خلع، خرید وفروخت اور حرام حلال کے مسائل انہی نام نہاد مفتیوں سے پوچھتے ہیں اور جو کچھ انہیں بتایا جاتا ہے اس پر عمل کر لیتے ہیں۔

قابل قدر لوگ:

ان دلائل اور ضروریات کی بناء پر میں خیر کی اشاعت کے لیے ٹی وی کے استعمال کو جائز سمجھتا ہوں جائز سمجھنے کے باوجود میرے دل میں ان حضرات کا احترام پایا جاتا ہے جو واقعی خوفِ خدا اور تقوی کی بناء پر اسے حرام سمجھتے ہیں، اور ایسے لوگوں کو تو بہر حال قابل قدر سمجھتا ہوں جو ٹی وی سے مکمل اجتناب کرتے ہوئے دینی تعلیمات اور ذاتی اصلاح کے لیے علماء اور مشائخ کے قدموں میں بیٹھنے کو سعادت سمجھتے ہیں کیونکہ اللہ پاک نے جو روحانیت، مسجد، مدرسہ اور خانقاہ کے ماحول میں بیٹھ کر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی باتیں سننے میں رکھی ہے وہ روحانیت ٹی وی پر پروگرام میں ہو ہی نہیں سکتی اصلاح کے طلب گاروں کو ٹی وی پر انحصار کے بجائے اللہ والوں کی مجالس کا اہتمام کرنا چاہیے، یہی طریقہ منہاج نبوی کے قریب ہے، اسی میں عافیت اور برکت ہے۔

اسی طرح میں ان حضرات کو بھی قابل قدر سمجھتا ہوں جو نفس پرستی کے لیے نہیں بلکہ باطل کا مقابلہ کرنے اور مسلمانوں کو الحاد، ارتداد اور بے دینی سے بچانے کے لیے ہر ذریعۂ ابلاغ کو استعمال کرتے ہیں خواہ وہ ریڈیو ہو یا انٹرنیٹ ہو یا اخبار ہو یا ٹی وی ہو۔

اللہ تعالی سے دعا ہے کہ وہ ایسی صورتیں پیدا فرما دے کہ سچے دین کا پیغام اور علماء حق کی آواز دنیا کے کونے کونے میں پہنچ جائے۔

وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العلمین